

خطباتِ فقیر

جلد چہارم

- قرآن اور تفسیر قرآن
- پیغمبر انقلاب
- نسبت کا مقام
- اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیریں
- فلسفہ علم
- تصنیف وتالیف کی اہمیت
- خشیت الٰہی
- شب برأت کی فضیلت
- انسان کی چار بڑی غلطیاں

پیر طریقت، رہبرِ شریعت، مفکرِ اسلام

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

مکتبۃ الفقیر

223 سنت پورہ فیصل آباد

+92-041-2618003

خطبات فقیر

جلد چہارم

از افادات:

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

قرآن اور تفسیر قرآن
نسبت کا مقام
پیغمبر انقلاب
اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیریں
فلسفۂ علم
تصنیف و تالیف کی اہمیت
خشیت الٰہی
شب برأت کی فضیلت
انسان کی چار بڑی غلطیاں

مرتب: محمد حنیف نقشبندی مجددی

ناشر: مکتبۃ الفقیر فیصل آباد

نام کتاب ——— خطبات فقیر جلد چہارم

ازافادات ——— حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

مرتب ——— محمد حنیف نقشبندی مجددی

ناشر ——— مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد

اشاعت اول ——— نومبر 1999ء

اشاعت دوم ——— نومبر 2000ء

اشاعت سوم ——— اکتوبر 2001ء

اشاعت چہارم ——— جون 2003ء

اشاعت پنجم ——— جون 2004ء

اشاعت ششم ——— مئی 2005ء

اشاعت ہفتم ——— مارچ 2006ء

اشاعت ہشتم ——— اپریل 2007ء

اشاعت نہم ——— جنوری 2008ء

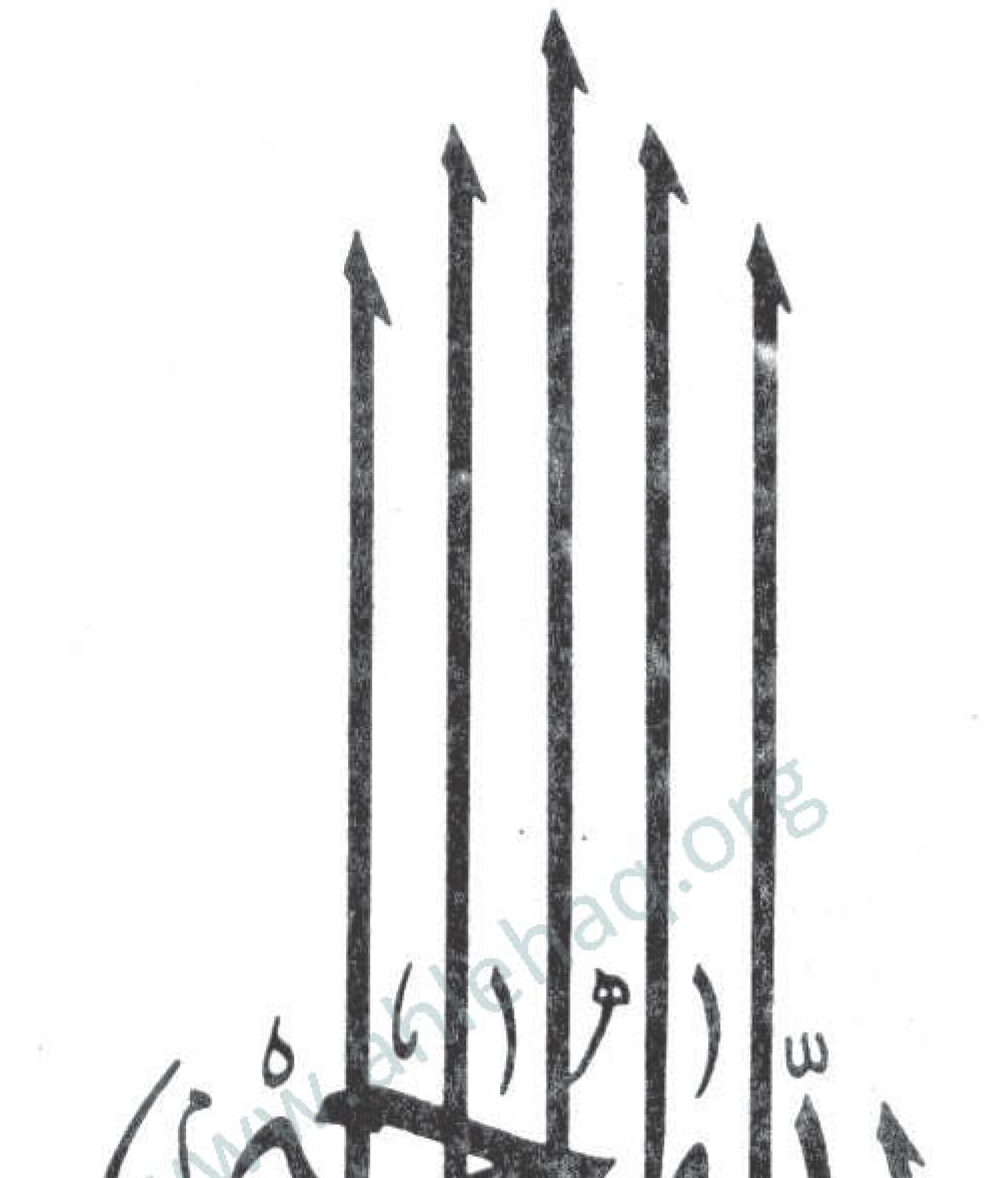
اشاعت دہم ——— اکتوبر 2008ء

اشاعت گیارہ ——— مارچ 2009ء

اشاعت تیرہ ——— مئی 2010

کمپیوٹر کمپوزنگ ——— فقیر شاہد محمود نقشبندی

تعداد ——— 1100


بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

پیش لفظ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ نَوَّرَ قُلُوْبَ الْعَارِفِیْنَ بِنُوْرِ الْاِیْمَانِ وَ شَرَحَ صُدُوْرَ الصَّادِقِیْنَ بِالتَّوْحِیْدِ وَ الْاِیْقَانِ وَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ!

اس قحط الرجال کے دور میں تزکیہء نفس اور تصفیہء قلب کا کام نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ انسان کو قدم قدم پر دعوت گناہ مل رہی ہوتی ہے۔ دل و دماغ سوچ کے ذریعے پراگندہ ہو رہے ہوتے ہیں، آنکھوں کو بے پردہ عورتیں بد نظری کے گناہ میں ملوث کر رہی ہوتی ہیں، کان موسیقی کے ذریعے زنا کے مرتکب ہو رہے ہوتے ہیں، زبان اپنے محبوب سے ہمکلام ہو کر لذت وصل حاصل کر رہی ہوتی ہے، یوں پورا جسم سراپا گناہ بن کر اللہ رب العزت کے عذاب کو دعوت دے رہا ہوتا ہے مگر یہ اللہ رب العزت کی صفت ستاری کا صدقہ ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو رحمت کی چادر سے ڈھانپا ہوا ہے۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں اللہ والوں کا وجود مسعود ایک نعمت غیر مترقبہ ہوتی ہے۔ ان کے ملفوظات کو پڑھ کر اور سن کر دل میں جگہ دینا گویا رحمت الٰہی کو دل میں بھرنا ہوتا ہے۔

یہ کتاب عالم اسلام کے روحانی پیشوا، دنیا کے عظیم سکالر، بحر معرفت کے شناور، جمال لایزال کے شیفتہ، خاصہء خاصان نقشبند، سرمایہء خاندان نقشبند ق جامع الشریعت و الطریقت حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت النہار و

اللیالی، کے گرانقدر خطبات کا مجموعہ ہے۔ ان خطباب شریف کا مطالعہ قارئین کو انشاء اللہ علم و حکمت، سوز عشق، ذوق ادب، اصلاح عقائد، اصلاح معاشرہ، اخلاق حسنہ، تصفیہ ء قلب، تزکیہ ء قلب، سلف صالحین کے حالات و واقعات اور کئی دیگر پہلوؤں سے فکری اور روحانی بالیدگی عطا کرے گا اور سراپا تقویٰ بن کر رہنے کی رہنمائی کرے گا۔ اس عاجز نے تمام خطبات شریف قرطاس ابیض پر رقم کر کے تصحیح کے لئے حضرت اقدس دامت برکاتہم کی خدمت میں پیش کئے۔ آپ نے اپنی گوناگوں بین الاقوامی مصروفیات کے باوجود نہ صرف ان خطبات کی تصحیح ہی فرمائی بلکہ ان کی ترتیب و تزئین کو پسند بھی فرمایا۔

قارئین کرام کی خدمت میں گزارش ہے کہ خطبات شریف کی ترتیب میں اگر کوئی قابل اصلاح بات نوٹ فرمائیں تو مطلع فرما کر عند اللہ ماجور ہوں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کی جا سکے۔

اس کتاب کی ترتیب میں حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب، جناب محمد سلیم صاحت، مرتب کی اہلیہ صاحبہ اور ہمشیرہ صاحبہ نے بھرپور تعاون فرمایا، اللہ رب العزت ان کو اجر جزیل نصیب فرمائیں۔ اللہ رب العزت اس عاجز کو تازیست حضرت اقدس دامت برکاتہم کے ساتھ منتھی رہ کر اس فریضہ کو حسن و خوبی سرانجام دینے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

فقیر محمد حنیف عفی عنہ
ایم اے، بی ایڈ
موضع باغ، ضلع جھنگ

قرآن اور تفسیر قرآن

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ○ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۔ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۔ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

قرآن مجید کلام اللہ ہے:۔

قرآن مجید فرقان حمید اللہ رب العزت کا کلام ہے۔ انسانوں کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ کا پیغام ہے جس طرح اللہ رب العزت کو مخلوق پر فضیلت حاصل ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے کلام کو مخلوق کے کلام پر فضیلت حاصل ہے۔ عربی کا مشہور مقولہ ہے "كَلَامُ الْمُلُوْكِ مُلُوْكُ الْكَلَامِ" (بادشاہوں کا کلام کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے) یہ کتاب انسانوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لانے والی ہے۔ بھولے بھٹکوں کو سیدھا راستہ دکھانے والی ہے۔ قعر مذلت میں پڑے ہوئے لوگوں کو اوج ثریا تک پہنچانے والی ہے۔ بلکہ اللہ رب العزت سے بچھڑے ہوئے لوگوں کو اللہ رب العزت سے ملانے والی کتاب ہے۔

قرآن مجید سچی کتاب ہے:۔

اس کتاب کو نازل کرنے والا خود پروردگار ہے۔ اللہ رب العزت اپنے بارے میں

ارشاد فرماتے ہیں "مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللهِ قِيْلًا "(اس سے زیادہ سچی بات بھلا کس کی ہوسکتی ہے)دوسری جگہ فرمایا"قُلْ صَدَقَ اللهُ"(کہہ دیجئے اللہ نے سچ کہا ہے) لہٰذا جس ذات کا یہ کلام ہے وہ سب سے زیادہ سچی ذات ہے۔

اس کلام کو آگے پہنچانے والے حضرت جبرائیلؑ ہیں جنکی امانت ودیانت کی گواہی خود اللہ رب العزت یوں دے رہے ہیں کہ "ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِيْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ"امانت کہتے ہیں کہ اگر کوئی چیز کسی نے سپرد کی ہو تو اسے من وعن ہو بہو آگے پہنچادینا۔ لہٰذا اس آیت میں اللہ رب العزت نے جبرائیل امین کی صداقت وامانت کی گواہی خود دی ہے جس رسول اکرم ﷺ ہادی برحق کو یہ کلام عطا کیا گیا ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ "(آپ تو اخلاق کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہیں) یہ وہ ذات ہے جس کی آنکھ کجی سے پاک ہے لہٰذا فرمایا"مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى "جو اپنی مرضی سے لب کشائی نہیں فرماتے۔"وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى "(وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے) قصہ کوتاہ اللہ رب العزت بھی سچے، لانے والے جبرائیل امین بھی سچے اور صاحب القرآن، پیغمبر اسلام بھی سچے۔ پس سچے کا کلام سچے کے ذریعے سچے تک پہنچا۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی امانت ہے :-

پروردگار کی یہ امانت اس کے بندوں تک ٹھیک پہنچ چکی ہے جس طرح یہ الفاظ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائے ہیں اسی طرح اس کے معانی بھی اللہ رب العزت نے بیان فرمادیئے ہیں چنانچہ نزول وحی کے ابتدائی دور میں جب قرآنی آیات اترتی تھیں تو نبی اکرم ﷺ ان کو یاد کرنے میں جلدی فرماتے تھے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا "لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖo اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ "(آپ اپنی

زبان کو جلدی نہ ہلائیے۔ قرآن کا جمع کروانا ہمارے ذمہ ہے) قرآن مجید کا جمع کروانا بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لیا اور اس کا بیان کرنا بھی اپنے ذمہ لے لیا۔ یہ نکتہ بڑا اہم ہے جس طرح قرآن مجید کے الفاظ اللہ رب العزت کی ذمہ داری سے اس کے بندوں تک پہنچے ہیں اسی طرح ان کے معانی و مطالب بھی اللہ کے محبوب نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے پہنچا دیئے اب قرآن دو طرح سے ہمارے پاس موجود ہے۔ اس کے الفاظ بھی وحی، اسکے معانی بھی وحی۔ کسی بندے کو یہ اجازت نہیں ہے کہ قرآن مجید کو پڑھ کر خود ساختہ معانی نکالے کیونکہ صاحب کلام ہی اپنے کلام کو بہتر سمجھتا ہے یہ کہاں کا انصاف ہے کہ بات کسی اور کی ہو اور مراد ہم اپنی بیان کرتے پھریں۔ لہٰذا الفاظ بھی وہی معتبر جو اللہ رب العزت نے نازل فرمائے اور معانی بھی وہی معتبر جو اللہ تعالیٰ کے محبوب نے بتائے۔

فہم قرآن میں غلطی :-

آجکل بعض لوگ عربی دانی کے زعم میں قرآن مجید میں اپنی منشا ڈھونڈنا شروع کر دیتے ہیں حالانکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی منشا کو ڈھونڈنا چاہئے کسی بندے کی منشا کو نہیں۔ جس نے یہ نکتہ سمجھ لیا وہ آج کل کے بڑے بڑے فتنوں سے محفوظ ہو گیا کیونکہ قرآن مجید کے معانی اللہ رب العزت نے خود اپنے محبوب کے ذریعے اپنے بندوں تک پہنچا دیئے ہیں اب قرآن کی تفسیر وہی کہلائے گی جو صحابہ کرامؓ نے نبی اکرم ﷺ سے سیکھی اور یوں اوپر سے نیچے امت میں چلی آئی ہو۔ لہٰذا جو علوم نبی اکرم ﷺ سے ہمیں مل چکے ہیں انہی علوم کو آگے پہنچانے کا نام تفسیر ہے۔

تفسیر بالرائے :-

اپنی رائے سے قرآن مجید کی کسی آیت کا کوئی مفہوم ٹھہرا لینا تفسیر بالرائے کہلاتا

ہے اور تفسیر بالرائے کے بارے میں ارشاد نبوی ﷺ ہے "مَنْ فَسَّرَ الْقُرْآنَ بِرَايِهِ فَقَدْ كَفَرَ" (جس نے اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کی اس نے کفر کیا) بلکہ علماء نے لکھا ہے اگر کسی آدمی کو تفسیر معلوم نہ تھی اور اس نے اپنی عقل سے معانی سوچ لئے اور وہ معانی ٹھیک بھی نکلے مگر اس نے کہا کہ میرے خیال میں یہ تفسیر ہے تو اس کلام میں بھی اس نے غلطی کر دی اس نے تفسیر اپنی طرف منسوب کیوں کی۔ ہم کون ہوتے ہیں یہ کہنے والے کہ میرے نزدیک ایسا ہے۔

ڈاکٹر کا واقعہ :-

قرآن پاک کی اس آیت سے انگریزی خواں طبقہ کو دھوکہ لگتا ہے "وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ" (ہم نے قرآن پاک کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا، ہے کوئی سمجھنے والا) چنانچہ ایک ایم بی بی ایس ڈاکٹر صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے جس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے آسان بنایا ہے بندے اس کو کیوں مشکل بناتے ہیں؟ میں نے کہا، کیا مطلب ہے؟ کہنے لگا وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ میں نے کہا فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرْ میں "مُدَّكِرْ" کا لفظ کیا ہے؟ کس قانون سے ذال کا حرف دال سے تبدیل کیا گیا ہے اس کو اس لفظ کی حقیقت کا پتہ ہی نہ تھا پھر میں نے اسکو سمجھایا کہ قرآن ذکر ہے، نصیحت ہے۔ قرآن نصیحت کے طور پر سمجھنا آسان ہے لیکن جہاں تک احکام و مسائل کے استنباط کا تعلق ہے یہ کام فقط ان علماء کرام کا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے علوم میں رسوخ عطا فرمایا ہو۔

فقہاء کا مقام :-

قرآن پاک کی آیات میں غور و خوض کر کے معانی و مطالب بیان کرنا فقہاء امت کا کام ہے۔ چنانچہ فقہاء نے وضو والی آیت سے ایک سو سے زائد مسائل نکالے ہیں۔

قرآن مجید کی گہرائی دیکھیں کہ ایک آیت میں ایک سو سے زائد مسائل کا حل مل گیا ہے۔ مگر اس کے لئے فقاہت و دانش کی ضرورت ہے اور اللہ تعالیٰ جسے یہ دولت عطا فرماتے ہیں اسے خیر کثیر عطا فرماتے ہیں۔ اور یہ ہر بندے کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ اس موقعہ پر محدثین بھی فقہاء کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر دیتے ہیں کہ جو سمجھ قرآن و حدیث کے بارے میں فقہاء رکھتے ہیں وہ ہمارے پاس نہیں ہے کیونکہ محدثین نے الفاظ حدیث کی حفاظت کی اور فقہاء نے معانی حدیث کی حفاظت کی ہے۔

اسی لئے امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور دوسرے حضرات فقہاء علم و دانش میں بہت بلند مقام رکھتے تھے۔ وہ امت کے محسن تھے۔ امت کے ہر فرد کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ان کے لئے مغفرت کی دعا کیا کرے۔

امام ابو حنیفہؒ اور سترہ احادیث :-

بیرون ملک ایک صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میں نے سنا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کو کل سترہ احادیث یاد تھیں تو کیا اس کے باوجود آپ لوگ اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں؟ عاجز نے جواب دیا کہ آپ کی بات سے پہلے تو ہو سکتا ہے کہ عاجز 100% حنفی ہو لیکن اب آپ کی بات سن کر 101% حنفی ہو گیا ہے وہ کہنے لگے کہ یہ کیسے؟ عاجز نے کہا کہ یہ بات تو پکی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کی سربراہی میں چھ لاکھ مسائل کا استنباط کیا گیا تو جو شخص سترہ احادیث سے چھ لاکھ مسائل کا استنباط کرے عاجز اسے اپنا امام نہ مانے تو کیا کرے۔ جو بندہ سترہ احادیث سے چھ لاکھ مسائل نکالے عاجز تو اس کی عظمت کو سلام کرتا ہے۔ عاجز تو اپنی عقل کو ان کے قدموں میں ڈالتا ہے۔ پھر ان کی عقل ٹھکانے آئی کہنے لگے اب بات سمجھ میں آئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

امام اعظمؒ کو وہ مرتبہ دیا تھا جو عام آدمی کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ تفسیر قرآن کے بارے میں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے۔ اس کتاب کے وہی معانی قبول ہوں گے جو اللہ تعالیٰ نے فرمائے ہیں ان کو سمجھنے کے لئے علماء کے پاس جانا پڑے گا اور انکی صحبت میں بیٹھ کر سیکھنا پڑے گا۔ فقط کتاب پڑھ کر ہم نہیں سمجھ سکتے ہر بندے کی سمجھ اور دانش مختلف ہوتی ہے۔ جو سمجھ ہمارے اکابر کو حاصل تھی وہ ہمیں تو حاصل نہیں ہے اس لئے ہمیں اپنے اکابر کے ساتھ نتھی رہنا چاہئے اسی میں بھلائی ہے جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ ہے "اَلْبَرَکَۃُ مَعَ اَکَابِرِکُمْ" (تمہارے اکابر کے ساتھ رہنے میں برکت ہے)

اس لئے اپنے بڑوں کے ساتھ علمی طور پر نتھی رہنا بندے کی ہدایت کے لئے ضروری ہے جس کا علمی رشتہ اپنے اکابر سے ٹوٹ گیا وہ کٹی پتنگ بن گیا۔ شیطان کسی وقت بھی اسے ورغلا سکتا ہے۔ یہ تفہیم اور تدبر کے لفظ بندے کو گمراہ کرتے پھر رہے ہیں یہ تفہیم قرآن اور تدبر قرآن نہیں ہے کہ انسان عربی دانی کے زور پر قرآن سمجھنے کی کوشش کرے۔

علماء کرام اور فہم قرآن :-

عوام الناس کا درجہ تو یہ ہے کہ قرآن سننے سے انہیں اسقدر پتہ چل جائے کہ اس میں جنت یا جہنم کا تذکرہ ہے یعنی موٹی موٹی نصیحت کی باتیں سمجھ میں آنی چاہئیں۔ رہے علماء وَالرَّاسِخُوْنَ فِیْ الْعِلْمِ (جن کو اللہ تعالیٰ نے علم میں رسوخ کا درجہ عطا فرمایا ہے) وہ آیات کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر معانی و مطالب کے موتی نکالا کرتے ہیں۔ احکام کی بات کرنا، مسائل کا استنباط کرنا علماء کا کام ہے۔ عوام الناس کو اس سے واسطہ ہی نہیں ہے یہ وہی کر سکتا ہے جس کی زندگی اس علم کے حصول میں

گزری ہو۔

عربی گرائمر فہم قرآن کے لئے کافی نہیں :-

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کو سمجھنے کے لئے پندرہ علوم کی ضرورت ہے۔ صرف عربی دانی کے زور پر یا صرف کتاب پڑھ کر اس کے معانی کو سمجھنا گمراہی کا باعث ہے۔ دیکھئے قرآن پاک کی ایک آیت ہے وَالنَّجْمُ وَ الشَّجَرُ یَسْجُدَانِ۔ تین الفاظ ہیں ۔ نجم، شجر اور یسجد ان۔ یہ تینوں الفاظ اردو میں بھی استعمال ہوتے ہیں اس کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ ستارے اور درخت سجدہ کرتے ہیں اور یہ بالکل غلط ہے کیونکہ مفسرین نے لکھا ہے "نجم" کا معنی جس طرح ستارہ ہے اسی طرح بے تنا درخت کو بھی نجم کہتے ہیں۔ مطلب اس آیت کا یہ ہوا کہ بے تنا درخت (بیل) اور تنے والے درخت دونوں اپنے پروردگار کو سجدہ کرتے ہیں۔ اسی طرح قرآن پاک کی ایک آیت ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ قُوْلُوْا قَوْلاً سَدِیْدًاo یُصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَ یَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ۔ اس آیت میں یُصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ "کا مطلب کیا ہے؟ بظاہر مفہوم یہ ہے کہ تمہارے اعمال کی اصلاح کرے گا۔ مگر یہ مطلب مراد نہیں ہے بلکہ یُصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ کا مطلب ہے کہ تمہارے اعمال کو قبول کرے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کرے گا۔ لفظ اصلاح ہے مگر مفسرین نے اس کے معنی قبول کرنا بیان فرمایا ہے۔ یہ بات واضح ہوگئی کہ ظاہری الفاظ سے مقصود خداوندی کو نہیں سمجھا جا سکتا۔ منشاء خداوندی کو سمجھنے کے لئے اس آقا کے در پر جانا پڑے گا جس کو پروردگار عالم نے اسی مقصد کے لئے مبعوث فرمایا۔ اس کے در کی چاکری کرنا پڑے گی۔ ہمیں ادھر رجوع کرنا پڑے گا۔

ڈاک کے ذریعے قرآن فہمی :-

آج وہ وقت آگیا ہے کہ ڈاک کے ذریعے قرآن سمجھنے سمجھانے کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ فوج کے ایک میجر صاحب سلسلہ میں داخل ہوئے انہوں نے خط لکھا کہ حضرت! میری زندگی تو بدل گئی ہے اب میں قرآن پاک سیکھنا اور سمجھنا چاہتا ہوں فلاں اکیڈمی خط و کتابت کے ذریعے سکھاتی ہے۔ عاجز سن کر حیران ہوا کہ یہ ایک نیا تماشا ہے۔ اس قسم کی تمام تحریکیں عوام الناس کا تعلق علماء سے کاٹنے کا ذریعہ بنتی ہیں۔ گویا عوام الناس کو علماء سے کاٹ دو اور کہو کہ خود کتاب کا سمجھنا تمہارے لئے کافی ہے۔ یہی چیز عوام الناس کے لئے گمراہی کا سبب بنتی ہے۔

صحابہ کرامؓ اور قرآن فہمی :-

صحابہ کرامؓ نے قرآن مجید خود نہیں سمجھا بلکہ نبی اکرم ﷺ نے سمجھایا ورنہ عربی تو ان کی مادری زبان تھی۔ صرف کی گردانیں اور نحو کے قاعدے انہیں پڑھنے کی ضرورت نہ تھی۔ یہ قرآن ان کی زبان میں نازل ہوا بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْن۔ اس کے باوجود خود صحابہ کرامؓ نبی ﷺ سے پوچھتے تھے کہ فلاں آیت سے مراد کیا ہے؟

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ اس امت کی فقیہہ اور علوم نبوت کو حاصل کرنے والی خاتون تھیں۔ ان کو قرآن پاک کی ایک آیت کے مفہوم کو سمجھنے میں غلطی لگی۔ نبی اکرم ﷺ سے ایک مرتبہ پوچھا "مَنْ يَّعْمَلْ سُوْءً ا يُجْزَ بِه" (جس آدمی نے کوئی برا عمل کیا ہو اس کو اس کی سزا ملے گی) اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر بندے کو جہنم کی سزا ملے گی کیونکہ ہم میں سے کوئی بندہ ایسا نہیں ہے جس سے کوئی غلطی نہ ہوئی ہو۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا' اس کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں کسی بندے کو جو پریشانی یا مصیبت آجاتی ہے یا بیماری آجاتی ہے وہ اس بندے کے لئے گناہوں کا کفارہ

بن جاتی ہے۔ تب ان کا مغالطہ دور ہوا۔

بھلا جن کے سامنے قرآن نازل ہوتا تھا، جن کے بستر پر قرآن نازل ہوتا تھا، جن کو نبی اکرم ﷺ کی صحبت نصیب تھی اگر ان کو قرآن کا مفہوم سمجھنے میں غلطی لگ سکتی ہے اور انہیں نبی اکرم ﷺ کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے تو آج ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ہم عربی دانی کے زور پر قرآن سمجھ سکتے ہیں یا آج تفاسیر میں سب کچھ آگیا ہے، مولانا کے پاس مسجد میں جانے کی کیا ضرورت ہے؟

آیئے آپ کو سلف صالحین کی فہم و دانش کے چند واقعات سنائیں۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ کی دانش :-

ایک مرتبہ امام ابو حنیفہؒ تشریف فرما تھے کہ ایک بوڑھا شخص آیا اور کہنے لگا۔ واؤ او واوین؟ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا "واوین"۔ وہ "لا و لا" کہہ کر چلا گیا۔ شرکاء مجلس کے پلے کچھ نہ پڑا حالانکہ ان کا علمی مرتبہ بہت بلند تھا۔ ان میں امام ابو یوسفؒ جیسے کثیر الحدیث محدث بھی تھے، قاسم بن معنؒ اور محمد بن حسنؒ جیسے عربی ادب کے ماہر تھے، امام زفرؒ، عافیہ بن یزیدؒ جیسے قیاس اور استحسان کے بادشاہ تھے اور امام داؤد طائیؒ جیسے زہد و تقویٰ کے پہاڑ تھے مگر اشاروں کی یہ بات ان کی سمجھ میں بھی نہ آئی۔ بالآخر امام ابو حنیفہؒ سے دریافت کیا کہ اس بوڑھے نے کیا پوچھا تھا؟ آپؒ نے فرمایا! اس نے التحیات کے بارے میں سوال کیا تھا کہ "اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ" میں دو واؤ ہیں، وہ پوچھنا چاہتا تھا کہ میں دو واؤ والا التحیات پڑھوں یا ایک واؤ والا۔ تو میں نے کہا "واوین" یعنی دو واؤ والا۔ اس نے خوش ہو کر کہا کہ واقعی آپ کا علم شجرہ طیبہ کی طرح ہے "اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ" پھر کہنے لگا "لَا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ" اور لَا وَلَا کہہ کر اشارہ کر دیا کہ آپ کے علم کی مثال نہ مشرق میں ہے

اور نہ مغرب میں ہے۔

امام اعظمؒ ایک مرتبہ درس دے رہے تھے کہ ایک عورت آئی جو کوئی مسئلہ پوچھنا چاہتی تھی مگر مردوں کی وجہ سے شرما گئی اور ایک بچے کے ہاتھ سیب بھیج دیا جس کا کچھ حصہ سرخ تھا اور کچھ زرد۔ حضرتؒ نے سیب کاٹ کر واپس دے دیا تو وہ عورت چلی گئی۔ لوگوں نے ماجرا پوچھا فرمایا، وہ عورت حیض کا مسئلہ پوچھنے آئی تھی مگر تمھاری وجہ سے شرم و حیا مانع ہوئی اس لئے الفاظ میں مسئلہ پوچھنے کی بجائے سیب پیش کر دیا کہ کیا عورت کے حیض کے خون کی رنگت زرد ہو جائے تو غسل کر سکتی ہے یا نہیں؟ میں نے سیب کاٹ کر سفیدی دکھادی کہ جب تک زردی سفیدی میں نہ بدلے اس وقت تک غسل نہیں کر سکتی۔ ان باتوں کو کون سمجھے؟ ایسے حضرات کے حاسدین بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ دنیا میں جتنا کوئی بڑا ہو گا اس کے حاسدین بھی اتنے زیادہ ہوں گے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حاسدین :-

امام اعظمؒ کے حاسدین دو طرح کے تھے۔ بعض لوگ ان کی علمیت اور قبولیت کی وجہ سے حسد کرتے تھے، ایسے لوگوں کا کوئی علاج نہیں ہوا کرتا۔ جیسے ایک شخص آیا اور کہنے لگا حضرتؒ! ہم نے سنا ہے کہ آپؒ مسائل کا جواب دیتے ہیں فرمایا! ہاں پوچھو۔ کہنے لگا کہ آپؒ بتا سکتے ہیں کہ پاخانہ کا ذائقہ کیسا ہوتا ہے؟ کوئی شریف انسان بھلا ایسا سوال کر سکتا ہے؟ مگر حاسد تھا ایذا دینا چاہتا تھا۔ امام صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی سمجھ دی تھی۔ فرمایا! اس کا ذائقہ میٹھا ہوتا ہے۔ وہ حیران ہوا اور دلیل پوچھی۔ فرمایا نمکین چیز پر مکھی کبھی نہیں بیٹھتی۔

اسی طرح ایک مرتبہ حاسدین نے امام ابو حنیفہؒ کی ذلت و رسوائی ***(Public In-sult)*** کا پروگرام بنایا کیونکہ آخری وار یہی ہوتا ہے۔ یہی کام منافقین نے کیا تھا کہ نبی

اکرم ﷺ کی زوجہ محترمہ سیدہ عائشہؓ پر بہتان باندھا تھا۔ اسی طرح قارون نے بھی حضرت موسیٰؑ کے لئے اسی قسم کا حیلہ کیا تھا کہ ایک عورت کو آمادہ کیا کہ جب حضرت موسیٰؑ بیان کرنے کے لئے کھڑے ہوں تو مجمع میں کہہ دینا کہ انہوں نے مجھ سے گناہ کا مطالبہ کیا تھا۔ بے عزتی ہو جائے گی تو مجھے زکوٰۃ نہیں دینی پڑے گی۔ تاریخ میں اس قسم کے واقعات بہت ہیں۔ چنانچہ حاسدین نے سوچا کہ امام ابو حنیفہؒ کے دامن پر ایسا دھبہ لگا دیا جائے کہ لوگ بد ظن ہو جائیں۔ لہٰذا انہوں نے ایک جواں عمر بیوہ عورت سے رابطہ کیا کہ کسی حیلہ سے امام صاحب کو اپنے گھر بلا، ہم تمہیں اس کے بدلے میں بھاری رقم ادا کریں گے۔ عورت بیچاری پھسلتی بھی جلدی ہے اور پھسلاتی بھی جلدی ہے۔ وہ جھانسے میں آگئی۔ چنانچہ امام ابو حنیفہؒ جب رات کو گھر جاتے وقت اس عورت کے گھر کے سامنے سے گزرے تو عورت باپردہ ہو کر نکلی اور کہنے لگی، امام ابو حنیفہؒ! میرا خاوند فوت ہو رہا ہے وہ کوئی وصیت کرنا چاہتا ہے اور وہ وصیت میری سمجھ میں نہیں آرہی خدا کے لئے آپ وہ سن لیں۔ آپ گھر میں داخل ہوئے، عورت نے دروازہ بند کر دیا کمروں میں چھپے ہوئے حاسدین باہر آگئے اور کہنے لگے ابو حنیفہؒ آپ رات کے وقت ایک علیحدہ مکان میں اکیلی نوجوان عورت کے پاس برے ارادے سے آئے ہیں۔

چنانچہ اس عورت کو اور امام اعظمؒ کو لوگوں نے پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا۔ حاکم وقت تک بات پہنچی تو اس نے کہا انہیں فی الحال حوالات میں بند کر دیا جائے۔ میں صبح کے وقت کارروائی مکمل کروں گا۔ امام اعظمؒ اور اس عورت کو ایک تاریک کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔ امام اعظمؒ باوضو تھے لہٰذا وہ نوافل پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔ جب کافی دیر گزر گئی تو اس عورت کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ میں نے اتنے پاکدامن شخص پر بہتان لگایا ہے۔ جب امام اعظمؒ نے نماز کا سلام پھیرا تو وہ عورت کہنے لگی آپؒ

مجھے معاف کر دیں۔ پھر اس نے ساری رام کہانی سنادی۔ امام اعظمؒ نے فرمایا کہ اچھا جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا اب میں تمہیں ایک تدبیر بتاتا ہوں تاکہ ہم اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کر سکیں۔ اس نے پوچھا وہ کیسے ؟ آپؒ نے فرمایا کہ تم اس پہریدار کی منت سماجت کرو کہ لوگ مجھے اچانک پکڑ کر لے آئے ہیں مجھے ایک ضروری کام سمیٹنے کے لئے گھر جانا ہے تم میرے ساتھ چلو تاکہ میں وہ کام کر سکوں۔ پھر جب پہریدار مان جائے تو تم میرے گھر چلی جانا اور میری بیوی کو صورتحال بتادینا تاکہ وہ تمہارے اسی برقعے میں لپٹ کر یہاں میرے پاس آجائے۔ عورت نے رودھو کر پولیس والے کا دل موم کر لیا اور یوں امام اعظمؒ کی اہلیہ صاحبہ حوالات میں ان کے پاس پہنچ گئیں۔ جب صبح ہوئی تو حاکم وقت نے طلب کیا کہ امام اعظمؒ اور اس عورت کو میرے سامنے پیش کیا جائے۔ حاسدین کا جم غفیر موجود تھا۔ جب پیشی ہوئی تو حاکم نے کہا کہ ابو حنیفہؒ تم اتنے بڑے عالم ہو کر بھی کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہو۔ امام اعظمؒ نے پوچھا کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں ؟ حاکم نے کہا کہ آپ ایک نامحرم عورت کے ساتھ رات کے وقت ایک مکان میں اکیلے دیکھے گئے ہیں۔ امام صاحبؒ نے فرمایا وہ نامحرم نہیں ہے۔ حاکم نے پوچھا وہ کون ہے ؟ آپؒ نے اپنے سسر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ان کو بلاؤ تاکہ شناخت کریں۔ وہ آئے انہوں نے دیکھا تو فرمانے لگے کہ یہ تو میری بیٹی ہے میں نے فلاں مجمع میں ان کا نکاح ابو حنیفہؒ سے کر دیا تھا۔ چنانچہ امام اعظمؒ کی خداداد فہم کی وجہ سے حاسدین کی تدبیر کارگر ثابت نہ ہوئی اور ان کی سازش خاک میں مل گئی۔

امام اعظمؒ کے بعض مخالفین ایسے تھے کہ جو مخلص تھے مگر اڑتی افواہوں اور سنی سنائی باتوں کی وجہ سے بد ظن ہو گئے تھے۔ حدیث شریف میں ہے کہ آدمی کے جھوٹے ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ سنی سنائی باتیں نقل کرتا پھرے۔ مشائخ نے یہاں تک فرمایا کہ اگر تمہارے سامنے کوئی آدمی آکر یہ کہے کہ فلاں آدمی نے میری

آنکھ پھوڑ دی ہے اور اسکی آنکھ واقعی پھوٹ چکی ہو تو بھی اس وقت تک فیصلہ نہ کرنا جب تک دوسرے کو دیکھ نہ لینا، ہو سکتا ہے کہ اس بندے نے اس کی دو آنکھیں پہلے پھوڑ دی ہوں۔ آیئے امام اعظمؒ کے مخالفین کا دوسرا رخ دیکھئے۔

امام اوزاعیؒ شام میں رہتے تھے۔ انہوں نے امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں ایسی ویسی بہت سی باتیں سن رکھی تھیں۔ ایک مرتبہ امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد عبداللہ بن مبارکؒ امام اوزاعیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے پوچھا، اے خراسانی! (عبداللہ بن مبارکؒ کی نسبت ہے) ابو حنیفہؒ کون شخص ہے میں نے سنا ہے وہ بہت گمراہ ہے۔ عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ میں خاموش ہو گیا۔ گھر آیا اور امام ابو حنیفہؒ کے بیان کردہ مسائل پر مشتمل کتاب اٹھائی اور امام اوزاعیؒ کی خدمت میں پیش کر دی۔ انہوں نے مطالعہ کیا تو فرمانے لگے، اے خراسانی! یہ نعمان کون شخص ہے؟ اس کا علمی پایہ تو بہت بلند ہے، اس سے تمہیں استفادہ کرنا چاہئے۔ میں نے کہا کہ یہ وہی امام ابو حنیفہؒ ہیں جن کے متعلق آپ باتیں سنتے رہتے ہیں ان کا چہرہ فق ہو گیا اور کہنے لگے ہم نے کیا سنا تھا حقیقت کیا تھی۔ فرمایا، اے خراسانی! اس کی صحبت اختیار کر اور فائدہ اٹھا۔

نیا رجحان :-

اس وقت انگریزی خواں طبقہ میں یہ بات بڑی تیزی کے ساتھ پھیلائی جا رہی ہے کہ کتابیں موجود ہیں، ڈکشنریاں موجود ہیں، تفاسیر موجود ہیں لہٰذا یونیورسٹی کے طلباء کو مسجد کے امام کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے۔ اپنے شخصی مطالعہ سے قرآن سمجھا جا سکتا ہے۔ بعض تو انٹرنیٹ پر بیٹھ کر تفسیر قرآن سیکھ رہے ہیں۔ اس ملک کے ایک وزیر صاحب کہنے لگے، میرا بیٹا ماشاء اللہ روزانہ انٹرنیٹ (Internet) پر بیٹھ کر

ایک صفحہ کی تفسیر سمجھ لیتا ہے اور وہ اس کو کمال سمجھ کر خوشی سے بیان کر رہے تھے۔ حالانکہ ہدایت پر رہنے کے لئے انہی معانی کو سمجھنا ضروری ہے جو اللہ رب العزت نے خود اپنے کلام کے متعین فرمائے ہیں۔ ہم تعین کرنے والے کون ہیں؟ ہماری کیا حیثیت ہے؟

غیر مسلم انگریز کا واقعہ :-

مجھے ایک مرتبہ ایک انگریز کہنے لگا کہ میں نیا نیا مسلمان ہوا ہوں میرے چند سوالات ہیں، آپ مجھے ان سوالات کے جوابات صرف قرآن مجید سے دیں۔ میں نے کہا، کیا مطلب؟ کہنے لگا حدیث تو کبھی صحیح ہوتی ہے اور کبھی ضعیف اور قرآن تو ہمیشہ صحیح ہوتا ہے۔ اب ضعیف کا مطلب آج کل کے انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں نے غلط سمجھ لیا ہے یہ عربی کا لفظ ہے۔

زبان کے فرق سے معنی بدل جاتا ہے :-

بعض اوقات ایک لفظ عربی میں اور انداز سے استعمال ہوتا ہے اور وہی لفظ اردو میں اور انداز سے استعمال ہوتا ہے، ایک مثال سمجھ لیں۔ عربی میں بندر خوبصورت انسان کو کہتے ہیں جب کہ اردو میں ایک جنگلی جانور کا نام ہے۔ چنانچہ اس وقت امریکہ میں سعودی عرب کے Ambassidor سفیر ہیں ان کا نام ہے بندر بن سلطان مگر جناب وہ اردو کے بندر نہیں بلکہ عربی کے بندر ہیں ہمارے اردو خواں جب یہ نام سنتے ہیں تو حیران ہو جاتے ہیں کہ عربی شہزادہ اور نام بندر ہے۔ بتانا صرف یہ ہے کہ لفظ ایک ہے مگر زبان کے فرق سے معنی بدل گیا ہے۔

اسی طرح ذلیل کا لفظ عربی اردو دونوں زبانوں میں مستعمل ہے اردو میں اس کا معنی رسوائی ہے مگر عربی میں اس کا معنی ہے کمزور جیسے قرآن مجید میں ہے " لَقَدْ

نَصَرَکُمُ اللّٰہُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّۃ" تحقیق اللہ تعالیٰ نے بدر میں تمہاری مدد فرمائی اس حال میں کہ تم کمزور تھے۔ اگر یہاں کوئی "اذلۃ" کا مطلب رسوائی لے گا تو گمراہ ہو جائے گا بلکہ وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے لئے ایسا لفظ استعمال کرنا کفر ہے۔ یہاں "اَذِلَّۃ "کا معنی کمزور ہے اسی طرح "دلہ" کا لفظ اردو زبان میں ایک گالی ہے اگر کسی کو یہ لفظ کہہ دیا جائے تو مرنے مارنے پر تل جاتا ہے لیکن عربی میں اتنے غلط معنی کے لئے استعمال نہیں ہوتا چنانچہ سعودی عرب میں ایک "دلہ" کمپنی ہے جو حرم شریف کی صفائی پر متعین ہے معلوم ہوا لفظ ایک ہے زبان کے بدلنے سے معنی بدل گیا ہے۔ اب سوچئے کہ اردو ترجمہ پڑھ کر ہم قرآن کو کیسے سمجھ پائیں گے۔ اسی لئے علماء کی خدمت میں بیٹھ کر قرآن پاک کو سمجھنا پڑے گا کہ قرآن پاک میں اللہ رب العزت کا منشاء کیا ہے۔ اس لئے قرآن کے بارے میں فرمایا "یُضِلُّ بِهٖ كَثِيرًا وَّ يَهْدِىْ بِهٖ كَثِيرًا" یہ وہ کتاب ہے جو ہدایت بھی بہت سے لوگوں کو دیتی ہے اور گمراہ بھی بہت سے لوگوں کو کرتی ہے۔ جو شخص اپنی منشاء قرآن میں ڈھونڈے گا گمراہ ہو جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی منشاء کو تلاش کرے گا وہ ہدایت پا جائے گا اس لئے تفسیر قرآن کے بارے میں یہ چند باتیں نہایت اہم ہیں ان کو اپنے دل و دماغ میں محفوظ کر لیں۔

اصطلاحی الفاظ کا مفہوم :-

جب کوئی لفظ اصطلاح بن جاتا ہے تو اس کا ایک خاص معنی متعین ہو جاتا ہے۔ عام معنی نہیں رہتا مجھے یاد ہے کہ جب ہم کالج میں پڑھتے تھے تو ایک پروفیسر فزکس کا لیکچر دینے لگے تو انہوں نے پڑھایا ***Wheat Stone Bridge***- یہ انگلش کا لفظ ہے ایک طالبعلم کہنے لگا ***Wheat*** کا مطلب گندم، ***Stone*** کا مطلب پتھر اور

Bridge کا معنی پُل، تو مفہوم بنا گندم پتھر پُل ۔ پھر استاد نے بتایا کہ Wheat Stone ایک سائنسدان تھا جس نے سائنس کا ایک آئیڈیا پیش کیا جو سائنس کے متعلق تھا اس لئے اس کا نام Wheat Stone Bridge رکھا۔ اس کا معنی گندم پتھر اور پُل نہیں ہے۔

یہود کی غلطی :-

اصطلاحی الفاظ کا ترجمہ نہیں کیا جاتا مگر یہودیوں نے ناموں کا ترجمہ کرنے کی غلطی کی ہے۔ انکی کتابوں میں نبی اکرم ﷺ کا نام احمد تھا جس کا معنی انہوں نے کیا The Praised One (تعریف کیا گیا) اس سے کون مراد ہے اس کا پتہ کہاں سے چلے گا ؟ مثلاً ایک بندے کا نام ہے Mr.Black اسے مسٹر کالا تو نہیں کہیں گے۔ اسی طرح جس کا نام Mr.Brown ہو اسے مسٹر زرد نہیں کہہ سکتے مسٹر براؤن اور مسٹر بلیک یہ نام ہیں اور ناموں کا ترجمہ نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح جو لفظ اصطلاح بن جاتا ہے اس کے معانی متعین ہو جاتے ہیں تو ضعیف حدیث ایک اصطلاح ہے عوام یہ سمجھتے ہیں کہ ضعیف حدیث کا مطلب ہے غلط حدیث ۔ حالانکہ غلط حدیث یا گھڑی ہوئی حدیث کے لئے موضوع کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ دشمنان اسلام نے جو حدیثیں گھڑ کر نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب کر دیں محدثین نے ان تمام احادیث کو چھانٹ کر علیحدہ کر دیا ہے اور ان کا نام موضوعات رکھا۔

ضعیف حدیث بھی قابل عمل ہوتی ہے :

لیکن احادیث کی کتابوں میں کچھ احادیث ایسی بھی ملیں گی جن کے بارے میں ضعیف لکھا ہوا ہو گا۔ سند پڑھتے ہی بدکنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ضعیف حدیث اور

موضوع حدیث میں وہی فرق ہے جو بیمار، زندہ اور مردہ انسان میں ہوتا ہے ۔ کمزور اور مردہ انسان میں فرق واضح ہے۔ ضعیف حدیث میں راوی پر کوئی جرح کی گئی ہوتی ہے ورنہ ہوتی وہ بھی حدیث ہی ہے۔ اتنا ہے کہ ضعیف حدیث سے فرائض وواجبات کا استنباط نہیں کر سکتے مگر فضائل میں یہ حدیث اسی طرح قابل عمل ہے جیسے صحیح حدیث قابل عمل ہوتی ہے اس لئے صحاح ستہ میں بھی آپ کو کچھ احادیث ایسی مل جائیں گی۔

نیا فتنہ :-

آج کل ایک نیا فتنہ پیدا ہو گیا ہے کہ اب ترمذی شریف بھی دو طرح کی چھاپ دی گئی ہے ایک صحیح ترمذی دوسری ضعیف ترمذی۔

صحیح ترمذی کا نسخہ دیکھا اس کی ضخامت کم دیکھ کر حیرانی ہوئی نیچے یہ عبارت لکھی ہوئی تھی ''ہم نے ضعیف احادیث اس سے نکال دی ہیں'' انہوں نے ضعیف احادیث کو موضوع احادیث سمجھ کر سرے سے کتاب سے بھی نکال دیا جب یہ لوگ لفظ ضعیف حدیث کو نہیں سمجھ رہے تو آگے حدیث کے معانی سمجھنے میں کیا گل کھلائیں گے۔

جرح کا معیار :-

محدثین کے ہاں جرح کا جو معیار ہے اس پر اگر تولا جائے تو ہم سب مجروح ہیں کیونکہ ان کا معیار بہت بلند تھا۔ اگر کسی بندہ سے زندگی میں ایک مرتبہ بھول ہو گئی تو محدثین اسے اخذ حدیث کے قابل نہیں سمجھتے۔ اس سے کبھی حدیث نہیں لیتے۔ اسی طرح کسی آدمی کو دیکھا کہ ننگے سر بازار میں پھر رہا ہے یہ فساق کا طرز ہے اس عمل کی وجہ سے محدثین اس آدمی سے حدیث نہیں لیتے تھے۔

ایک محدث دور دراز کا سفر کر کے کسی دوسرے محدث کے پاس گئے وہ گھوڑا پکڑ رہے تھے مگر کپڑے میں یا کسی برتن میں کچھ سنگریزے ڈال کر گھوڑے کو اشارہ کیا۔ گھوڑے نے سمجھا کہ دانہ ہے وہ آگیا تو اس شخص نے پکڑ لیا۔ مہمان محدث نے جب یہ دیکھا تو حدیث کی روایت لئے بغیر واپس ہو گئے۔ کسی نے پوچھا، حدیث کیوں نہ لی؟ فرمایا، جو بندہ حیوان کو دھوکہ دے سکتا ہے وہ بندہ حدیث کے بیان کرنے میں بھی دھوکہ دہی سے کام لے سکتا ہے۔ سبحان اللہ۔ اسماء الرجال کے فن میں سات لاکھ محدثین کے حالات زندگی محفوظ ہیں۔ سبحان اللہ یہ سچے کا کلام تھا اللہ تعالیٰ نے سچوں کی زبانی روایت کرا کے ہم تک پہنچایا۔ حدیث رسول بھی اسی زبان سے نکلی ہے جس زبان سے ہمیں اللہ کا قرآن ملا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم قرآن کو تو سچا مانیں اور حدیث پر یقین نہ کریں۔ حالانکہ قرآن و حدیث ایک ہی لسان نبوت سے ملے ہیں اس لئے انکار حدیث دراصل انکار قرآن ہے۔ حجیت حدیث، حقیقت میں حجیتِ پیغمبر کا دوسرا نام ہے۔ قرآن کے معانی و مطالب کو بیان کرنا فریضہ نبوت ہے۔ قرآن کے انہی معانی و مطالب کا دوسرا نام حدیث ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو علوم نبوت کے حصول کے لئے اپنا وقت فارغ کرتے ہیں اور علماء کی خدمت میں بیٹھ کر اس کتاب کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آیئے قرآن مجید فرقان حمید سے متعلق چند باتیں سمجھ لیجئے۔

اس کتاب کو اللہ رب العزت نے کئی خصوصیات سے نوازا ہے چند بڑی بڑی یہ ہیں۔

1 قوت تاثیر :۔

یہ کتاب قوت تاثیر میں دنیا کی تمام کتابوں پر فضیلت رکھتی ہے۔ ایسی تاثیر کہ

کافر بھی سنتے تو متوجہ ہو جاتے۔ اسلئے کہتے تھے "لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ الْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ "(اس قرآن کو نہ سنو اور شور مچاؤ تاکہ تم غالب آجاؤ) قوت تاثیر میں یہ کتاب اپنا ثانی نہیں رکھتی، نبی اکرم ﷺ کی عادت مبارکہ یہی تھی جو بھی آتا اس کے سامنے قرآن پڑھتے تھے۔"قرأ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنَ تلا عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنَ"چنانچہ عکاظ کے میلہ میں جب لوگ واپس جا رہے ہوتے آپؐ راستے پر بیٹھ کر قرآن پڑھتے۔ لوگ سنتے اور ایسے متاثر ہوتے کہ گھروں کی بجائے آپ ﷺ کے قدموں میں بیٹھ جاتے۔ دنیا میں ایسی کوئی کتاب نہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے ایسی تاثیر رکھی ہو۔ اس کے الفاظ اور اس کے معانی سینوں میں اترتے چلے جاتے ہیں۔ ہمارے حضرت مرشد عالمؒ فرماتے تھے کہ دریاؤں کا راستہ کون بناتا ہے جس طرح دریا اپنا راستہ خود بنالیتا ہے اسی طرح یہ قرآن وہ دریائے رحمت ہے جو لوگوں کے سینوں میں اپنا راستہ خود بنالیتا ہے۔ قوت تاثیر میں یہ کتاب دنیا کی تمام کتابوں سے فائق اور بلند ہے۔

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا
وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

2 . سہولت حفظ :۔

سہولت حفظ میں بھی اس کتاب کا کوئی ثانی نہیں ہے، دنیا کی کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس کے حافظ موجود ہوں مگر یہ وہ کتاب ہے جس کے لاکھوں حافظ موجود ہیں بڑی عمر کے بھی اور چھوٹی عمر کے بھی، کچھ عرصہ پہلے کراچی میں ایک عمر رسیدہ

شخص نے حفظ مکمل کیا جس کی بھویں اور پلکیں تک سفید تھیں مجھے اس کے جسم پر کوئی سیاہ بال نظر نہیں آیا تھا۔ اس بڑھاپے کی عمر میں انہوں نے قرآن پاک کا حفظ مکمل کیا یہ اس قرآن کا اعجاز ہے۔ ہارون الرشید کے سامنے ایک ایسا بچہ لایا گیا جس کی عمر پانچ سال تھی اور وہ قرآن پاک کا حافظ تھا۔ سبحان اللہ! کتاب میں لکھا ہے کہ جب اس کا والد اس بچے کو ہارون الرشید کے سامنے قرآن سنانے کے لئے لایا تو وہ اپنے ابو سے جھگڑ رہا تھا کہ مجھے گڑ کی ڈلی لے کر دو گے یا نہیں باپ کہتا ہے حاکم وقت کو قرآن سناؤ اور بچہ کہتا ہے کہ پہلے یہ بتاؤ کہ گڑ دو گے یا نہیں، سبحان اللہ! عمر اتنی چھوٹی اور حفظ کا یہ عالم کہ ہارون الرشید نے پانچ جگہوں سے سنا اس بچہ نے ٹھیک ٹھیک سنا دیا۔ پانچ سال کا بچہ جو گڑ لینے پر باپ سے جھگڑ رہا ہے الحمد للہ! اَلْحَمْدُ سے لے کر وَالنَّاسِ تک قرآن کا حافظ ہے۔ یہ قرآن پاک کا معجزہ نہیں تو اور کیا ہے؟ اتنی چھوٹی عمر کے بچے بھی حافظ اور اتنی بڑی عمر کے بوڑھے بھی قرآن پاک کے حافظ ہیں یہ اعجاز صرف اسی کتاب کا ہے۔

3۔ کثرت تلاوت :-

اس کتاب کی جتنی کثرت سے تلاوت کی گئی ہے دنیا میں اتنی تلاوت کسی اور کتاب کی نہیں کی گئی چنانچہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے بارے میں یا کسی اور بزرگ کے بارے میں منقول ہے کہ اپنی وفات سے پہلے اپنے بیٹے کو بلا کر مکان کے ایک کونے میں لے گئے اور فرمایا بیٹا اس جگہ پر گناہ نہ کرنا میں نے اس جگہ پر چھ ہزار مرتبہ قرآن مجید کو مکمل پڑھا ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ رمضان المبارک میں تریسٹھ مرتبہ قرآن پاک مکمل کرتے تھے۔ تمیں دن میں تمیں رات میں اور تین تراویح میں۔ چونکہ بعض لوگوں کو امام اعظم ابو حنیفہؒ سے خدا واسطے کا بیر ہے وہ اس بات پر بڑا اعتراض کرتے ہیں کہتے

ہیں دیکھو جی! تر یسٹھ قرآن کون پڑھ سکتا ہے ؟ یہ تو دور زمانے کی بات ہے آیئے ہم آپ کو قریب زمانے کے اکابرین کا عمل پیش کرتے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے اپنی ذمہ داری سے جو کتاب لکھوائی اس کا نام یادِ ایام ہے اس میں فرماتے ہیں کہ رمضان المبارک میں جو پارہ میں نے تراویح سنانا ہوتا تھا دن میں اسے تیس مرتبہ پڑھ لیا کرتا تھا۔

فَاُولٰئِكَ اٰبَائِیْ فَجِئْنِیْ بِمِثْلِهِمْ
اِذَا جَمَعَتْنَا یَا جَرِیْرُ الْمَجَامِعْ

Book of Record انسائیکلو پیڈیا بر ٹانیکا *Incyclopeadia Of Britanica* میں پڑھا کہ ترکی کے ایک عبداللہ نامی شخص نے تیس آدمیوں کی موجودگی میں آٹھ گھنٹوں میں قرآن پاک پڑھا مگر ہمارے ملکوں میں ریکارڈ اس سے زیادہ بہتر ہے۔ ایک مرتبہ بنوں کے دینی مدرسہ میں حاضری ہوئی وہاں ایک عالم بڑے متقی پرہیز گار اور باخدا انسان ہیں اور اس عاجز سے محبت کا تعلق رکھتے ہیں ان کے مدرسہ میں ضبط قرآن کے لئے گردان بڑی مضبوط اور مشہور ہے۔ میں نے ان کی شہرت کا سبب پوچھا تو کہنے لگے ہم محنت اتنی کرواتے ہیں کہ پورا قرآن اچھی طرح یاد ہو جاتا ہے میں نے پوچھا کہ امتحان کیسے لیتے ہیں ؟ کہنے لگے ہمارا تو یہ اصول ہے کہ ہم پانچ استاد بیٹھ جاتے ہیں اور بچے سے کہتے ہیں کہ پورا قرآن سناؤ ’’آسان ٹیسٹ ہے،، قرآن سنانے میں جتنی جگہ غلطی ہوتی ہے یا اٹکن پیش آتی ہے۔ اٹکن کہتے ہیں روانی میں پڑھتے پڑھتے بندہ اٹک جائے تو پھر دوبارہ پڑھتے ہیں۔ وہ استاد غلطی بھی لکھتے ہیں اور اٹکن بھی لکھتے ہیں اور وقت بھی نوٹ کرتے ہیں۔ انہوں نے مجھے ایک بچہ دکھایا جس کے ریکارڈ میں تحریر تھا کہ اس بچے نے پانچ اساتذہ کی موجودگی میں چھ گھنٹے اور ننیتیس

منٹ میں اس طرح قرآن سنایا کہ نہ کوئی مشابہ لگا، نہ کوئی اٹکن پیش آئی۔ سبحان اللہ یہ بھی قرآن کا معجزہ ہے۔ یہ قراء کا کمال نہیں ہے۔ یہ کمال قرآن کا ہے کہ اتنے اچھے انداز سے پڑھا جاتا ہے۔

4. انبیا کرامؑ سے الزامات کو دور کرنے والی کتاب :-

انبیا کرامؑ پر جو الزام لگائے گئے اللہ رب العزت نے اس کتاب کے ذریعے ان الزامات کے جوابات دے دیئے۔ قوم نے حضرت صالحؑ پر الزام لگایا، حضرت موسیٰؑ کو بھی نشانہ بنایا گیا اس کتاب کے ذریعے کفار کے الزامات اور اعتراضات کی قلعی کھول دی گئی۔ حتیٰ کہ ایک جھوٹے نے نبی اکرم ﷺ پر بھی کچھ باتیں کیں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو تسلی دی اور الزام لگانے والے کی اوقات بھی کھول دی۔ "وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍO هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ م بِنَمِيمٍO مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيمٍO عُتُلٍّ م بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيمٍ "(آپ کسی ایسے شخص کے کہنے میں نہ آئیں جو بہت قسمیں کھانے والا ذلیل الاوقات ہے، طعن آمیز شرارتیں کرنے والا، چغلیاں لئے پھرنے والا، مال میں بخل کرنے والا، حد سے بڑھا ہوا بدکار، سخت خُو اس کے علاوہ وہ بدذات ہے)۔

5. قوت استدلال میں بے مثال :-

یہ کتاب قوت استدلال میں بھی لاثانی ہے ایسا استدلال کہ عقل دنگ رہ جائے۔ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرْ یقین کرو بڑے بڑے کفار اس قرآن کے جواب سے عاجز آگئے۔ یہ اللہ کا کلام ہے شاہانہ کلام ہے۔ دوران تلاوت اسلوب بیان بتاتا ہے یہ شاہانہ کلام ہے۔"هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا" انداز تو دیکھو! کیسا شاہانہ ہے "فَجَعَلَهٗ

نَسَبًا وَ صِهْرًا وَ كَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا" کیا عجیب کلام ہے ایک ایک لفظ دل میں اتر جاتا ہے کیسی عظمت ہے تو قوت استدلال میں بھی اس کا کوئی ثانی نہیں ۔"كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ" کیسی ٹھوس بات ہے یہ انداز صرف اللہ تعالیٰ ہی اختیار فرما سکتے ہیں ایسی ٹھوس بات جس میں کمزوری کا کوئی شائبہ ہی نہیں ہے ۔"كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ"۔

6۔ مونس و غمخوار کتاب :-

پریشان حال اور غمزدوں کو تسلی دینے والی کتاب ہے۔ اور تو اور اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کو اس کتاب کے پڑھنے سے تسلی مل جاتی تھی "كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ" فرمایا کہ میرے محبوب ﷺ! ہم تھوڑا تھوڑا قرآن اس لئے نازل کرتے ہیں تاکہ آپ کے دل کو تسلی مل جائے۔ یہ دلوں کو تسلی دینے والی کتاب ہے۔ کبھی آپ بڑے غمزدہ ہوں تو یہ نسخہ آزما کے دیکھیں۔ میرے دوستو! آپ اگر اپنے کاروبار کی وجہ سے پریشان ہوں یا اپنے گھر میں کسی بندے کے رویہ کی وجہ سے پریشان ہوں تو آپ اس حالت میں اللہ کے قرآن کو پڑھنا شروع کر دیں چند صفحات پڑھنے کے بعد آپ کو یہ کتاب سکون مہیا کرے گی۔ آپ کے تمام غم غلط ہو جائیں گے ہمارے اسلاف اسے رات کی تنہائیوں میں پڑھتے تھے اور سکون حاصل کرتے تھے آپ بھی اسے پڑھئے دلوں کو تسلی ملے گی۔

7۔ لَا يَنْقَضِيْ عَجَائِبُهٗ :-

اس کتاب کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوتے ساری عمر مفسرین اس کتاب کے سمندر میں غوطہ زن رہے ہر مرتبہ انہیں نئے نئے موتی ملتے رہے مگر وہ اس کے تمام اسرار اور موز کا احاطہ نہ کر سکے۔ اس میں ہر بندے کو اپنے فن کی باتیں نظر آتی ہیں مثلاً ایک آدمی اگر ڈاکٹر ہے تو اسے ڈاکٹری کی باتیں نظر آئیں گی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم نے انسان کو پیدا فرمایا **"فَجَعَلْنٰهُ سَمِيعًا بَصِيْرًا"** **سمیع** اور **بصیر** بنایا ڈاکٹر اسے پڑھتا ہے تو یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ کان پہلے بننے چاہئے اور آنکھیں بعد میں۔ تحقیق اور ریسرچ کے بعد معلوم ہوا کہ شکم مادر میں بچے کے کان پہلے بنتے ہیں اور آنکھیں بعد میں۔ سائنس کا یہ ایک **Fact** ہے کہ انسان کے پورے جسم میں سب سے پہلے جو عضو مکمل ہوتا ہے وہ کان ہے سب سے پہلے دل نہیں بنتا۔ زبان نہیں بنتی۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ سر کو توازن میں دماغ رکھتا ہے۔ کانوں کے اندر پانی کی ٹیوبیں ہوتی ہیں۔ پانی کا لیول بدلنے کا سگنل دماغ کو ملتا ہے دماغ فیصلہ کرتا ہے کہ سر کا توازن ٹھیک نہیں ہے۔ بڑھاپے میں اس سسٹم کی خرابی کی وجہ سے لوگوں کے سر ٹیڑھے ہو جاتے ہیں اور انہیں خبر بھی نہیں ہوتی۔ چونکہ توازن کے قیام کے لئے دماغ کو سگنل کان کے ذریعے ملتا ہے اس لئے سب سے پہلے کان بنائے گئے۔

ایک کینیڈین ڈاکٹر نے کتاب لکھی جس کا نام ہے ''آیات قرآنی اور جدید سائنس،، اس نے قرآن پاک کی پندرہ آیات پر سائنس کی روشنی میں بحث کی ہے۔ آج سائنس اس حقیقت کو ثابت کر رہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے چودہ سو سال پہلے اپنے محبوب کو عطا فرمائی۔

اب اگر کوئی انجینئر ہے تو اسے انجینئرنگ کے متعلق باتیں نظر آئیں گی۔ ایک

صاحب کہنے لگے سول انجینئرنگ کا تذکرہ بھی قرآن میں ہے۔ جب سکندر ذوالقرنین نے دیوار بنائی تو اس نے کہا تھا کہ "اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ" مجھے لوہے کے ٹکڑے دیجئے اس کا مطلب ہے کہ لوہا سیمنٹ کا استعمال پہلے سے ہے۔ اسی کو کنکریٹ کہتے ہیں۔ کہنے لگا، ہم بھی تو لوہا ہی باندھتے ہیں۔ اس نے کہا لوہے کے ٹکڑے سے مراد لوہے کے سریے ہیں اجی سریے کا تذکرہ قرآن میں ہے۔ ایک مرتبہ گلشن حبیب کراچی سٹیل مل میں بیان تھا، تو انہوں نے اوپر لکھا ہوا تھا" وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَأْسٌ شَدِیْدٌ" اب حدید والوں کو قرآن میں بھی حدید نظر آگیا ہے۔ سبحان اللہ!

ایک ریاضی کے پروفیسر کہنے لگے کہ جمع تفریق اور ضرب کا تصور قرآن نے دیا ہے۔ سورۃ کھف میں ہے "وَازْدَادُوْا تِسْعًا" تین سو اور نو زیادہ کر لو یعنی جمع کر لو۔ اسی طرح حضرت نوحؑ کے بارے میں فرمایا "اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا" کہ ہزار میں سے پچاس کو کم کر لو یہ تفریق کا تصور ہے۔ اسی طرح ضرب کا تصور بھی قرآن میں ہے فرمایا" وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَاءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ" (اللہ جس چیز کو چاہتا ہے بے حساب کئی گنا کر دیتا ہے)۔

بیرون ملک میں چونکہ عنوان بھی اسی طرح کے ہوتے ہیں۔ سائنسدانوں سے واسطہ پڑتا ہے اور سائنسدانوں کو جواب دینا ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ ایک سائنسدان کہنے لگا کہ ہم نے قرآن مجید میں ایٹم اور مالیکیول کا تصور بھی ڈھونڈ لیا ہے۔

اس کتاب کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہونگے۔ پڑھنے والے پڑھتے رہیں گے، غور کرنے والے غور کرتے رہیں گے، طلب والے قرآن کے موتیوں اور ہیروں سے جھولیاں بھرتے رہیں گے، اپنی زندگیاں گزار کر جاتے رہیں گے اور یہ

سمندر کی طرح بہتا رہے گا۔

8 .لاتشبع منه العلماء :-

علماء کے دل اس سے کبھی بھرتے نہیں ہیں قرآن ایک ایسی کتاب ہے کہ اسے جتنا پڑھو گے ذوق و شوق اتنا ہی بڑھے گا۔ لہذا یہ دنیا کی وہ کتاب ہے جس سے علماء کے دل کبھی سیراب نہیں ہوتے۔ اللہ رب العزت اس کتاب کے پڑھنے، سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَO

پیغمبر انقلاب

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ !
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o
لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا . وَ قَالَ اللّٰهُ
تَعَالٰى فِيْ مَقَامٍ اٰخَرْ . لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ
حَسَنَةٌ . وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اِنَّمَا بُعِثْتُ
مُعَلِّمًا . اَوْ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ . سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ
الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ . وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ . وَالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ o

بعد از خدا بزرگ توئی :-

ربیع الاول کے مہینے میں سید الاولین و الآخرین محمد مصطفی احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کے کئی پہلوؤں کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ کہیں پر ولادت باسعادت کے تذکرے ہوتے ہیں، کہیں پر عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرے ہوتے ہیں، کہیں اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مفہوم بیان کیا جاتا ہے، کسی جگہ اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا ہے، کہیں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک تعلیمات کے بارے میں تفصیلات بتائی جاتی ہیں۔ گویا کہنے والے کے سامنے ایک سمندر ہوتا ہے جس میں سے وہ کچھ چلو پانی بھر لیتا ہے مگر کسی بھی تعریف کرنے والے نے آپ کی تعریف کا حق ادا نہ کیا۔ بس اتنا کہہ کر بات

کو مکمل کر دیا کہ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ویسے بھی جس ذات کی تعریفیں خود پروردگار نے کی ہوں، جن کی عظمتوں کی گواہی قرآن مجید نے دی ہو کہ وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔ تو ہم جیسے طالب علم اس ہستی کی کیا تعریف کر سکتے ہیں۔

ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

اے پیارے آقا ﷺ ! اگر ہزار مرتبہ بھی اپنے منہ کو مشک و گلاب کے ساتھ دھویا جائے تو ہم جیسوں کے لئے پھر بھی آپ کا نام لینا بے ادبی میں شامل ہو گا۔

انٹرنیٹ پر اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ :-

آج کی اس محفل میں انگریزی لکھے پڑھے حضرات سے متعلق چند باتیں کہی جائیں گی۔ ان کے ذہنوں میں کیا کیا سوالات گردش کر رہے ہوتے ہیں اور وہ جب نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ پڑھتے ہیں تو کس انداز سے اسے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ ہمارے اکثر نوجوان آجکل انٹرنیٹ کی وجہ سے کفار اور مشرکین کے کچھ ایسے مضامین بھی پڑھ لیتے ہیں جن میں نبی اکرم ﷺ کی ذات طیبہ کے بارے میں عجیب و غریب بے بنیاد معلومات ہوتی ہیں۔

ہندوؤں کا پروپیگنڈہ :-

گزشتہ روز ایک نوجوان کمپیوٹر سے ایک پلندہ نکال کر لائے اور کہا کہ ہمارے پڑوسی ملک سے کسی ہندو نے نبی اکرم ﷺ کے متعلق فلاں فلاں باتیں کہی ہیں جن کو پڑھ کر ہم پریشان ہو چکے ہیں۔ لہٰذا ہمیں ان کے جوابات عنایت فرمائیں۔ وہی سوال

آج کے بیان کی بنیاد بن گیا۔ اس سلسلہ میں آپ کو خالصتاً وہ باتیں بتائی جائیں گی کہ اگر زندگی میں کبھی کسی کافر سے بات کرنی پڑے تو آپ ایسے دلائل دے سکیں جو وزنی ہوں اور ان کو توڑنا کسی عام آدمی کے بس کی بات ہی نہ ہو۔ ایسی ٹھوس اور پکی باتیں ہوں گی جو کہنے والے کے دل کو بھی سکون دیں اور جب کہی جائیں تو فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرُ والا معاملہ پیش آجائے۔ اس لئے نقلی دلائل کی بجائے عقلی دلائل دیئے جائیں گے۔ اس حوالے سے آج کا یہ بیان آپ کی توجہ کا زیادہ مستحق ہے۔

دنیا کا جغرافیائی دل :-

جزیرۂ عرب کو جب دنیا کے جغرافیے پر دیکھا جائے تو یہ تین طرف سے پانی کے ذریعے بقیہ زمین سے کٹا ہوا نظر آتا ہے اور چوتھی طرف سے یہ بقیہ زمین کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ جس طرح انسان کے سینے میں دل لٹک رہا ہوتا ہے اگر آپ دنیا کا نقشہ سامنے رکھ کر غور کریں تو جزیرۂ عرب آپکو دنیا کا جغرافیائی قلب نظر آئے گا۔ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کو اس خطہ زمین میں مبعوث فرمایا۔

خطۂ عرب میں بعثت رسول ﷺ کی حکمتیں

اس خطے میں نبی اکرم ﷺ کو بھیجنے میں کئی حکمتیں تھیں۔

1 . بہادر لوگوں کا خطہ :-

اس خطے نے کبھی بہار نہ دیکھی تھی۔ جبکہ اس کے قرب و جوار کے ممالک میں تہذیب بھی تھی، تمدن بھی تھا، تعلیم بھی تھی اور زندگی گزارنے کی آسائشیں بھی تھیں۔ ایک طرف آپ کو قیصر روم کی سلطنت نظر آئے گی۔ تو دوسری طرف فارس

میں بھی آپ کو ایک مستحکم حکومت نظر آئے گی۔ حبشہ اور یمن میں بھی عوام قانون کے مطابق زندگی گزارتے تھے۔ ان کے پاس سہولیات دنیا کی بھی فراوانی تھی۔ لیکن جب جزیرۂ عرب کے لوگوں پر نظر ڈالی جائے تو وہ ایک جدا دنیا نظر آتی ہے۔ وہ لوگ قبائل میں بٹے ہوئے تھے۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا معاملہ تھا۔ ظلم کا دور دورہ تھا۔ معاشرے کے مختلف لوگوں کے حقوق پامال کئے جا رہے تھے۔ چند لوگ جو چاہتے تھے وہ کر گزرتے تھے۔ نہ عورت کے حقوق کا لحاظ رکھا جاتا تھا اور نہ ہی غریب اور کمزور کی دادرسی کی جاتی تھی۔ طاقت کے بل بوتے پر مسائل کا حل پیش کیا جاتا تھا۔ علم سے دور جہالت کی زندگی تھی۔ قریب کے بڑے بڑے ممالک کے بادشاہ اس خطہء زمین پر حکومت کرنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کو اس خطہء زمین سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہاں کے لوگ اکھڑ ہیں، جنگجو ہیں، قانون کو قانون نہیں سمجھتے۔ وہاں کی زمین بنجر ہے، غیر ذی زرع ہے۔ کچھ پہاڑی علاقہ ہے وہ بھی بے برگ و گیاہ ہے اور بقیہ صحرا ہے جہاں میلوں ریت ہی ریت نظر آتی ہے۔ لہٰذا ان بادشاہوں نے جزیرہء عرب کے لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑا ہوا تھا۔ اس لئے اس علاقے میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو بھیجنے کی پہلی حکمت یہ تھی کہ وہاں کے لوگ بڑی جرأت والے تھے، ہاں اور ناں کے درمیان کوئی تیسری چیز نہیں جانتے تھے۔ اگر وہ کسی بات پر متفق ہو جاتے تو پھر بھرپور تائید کرتے اور مخالفت کرتے تو ڈٹ کر مخالف ہوتے۔ گویا وہ دوست ہوتے تھے یا دشمن۔ ایسے کھرے لوگ اس بات کے زیادہ مستحق تھے کہ اللہ کے محبوب ﷺ کو بھیجا جائے تاکہ اگر ان ضدی لوگوں نے بات کو مان لیا اور اس بات پر جم گئے تو پھر باقی دنیا کے لوگوں سے ان کے لئے بات منوانا آسان ہو جائے گا۔ یوں سمجھئے کہ ساری دنیا میں وہ سب سے زیادہ سرکش لوگ تھے۔

جب اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کو اس جگہ بھیجا تو نبی اکرم ﷺ نے

آکر صداقت کے بیج بوئے، وحی کی بارش اتری اور پھر اس زمین سے علم و اخلاق کا وہ گلشن کھلا کہ دنیا نے ایسی بہار پہلے کبھی نہیں دیکھی ہوگی۔

2۔ وسائل کی کمی کا خطہ:-

اس علاقہ کے اندر شدید گرمی کا موسم تھا، پانی اور دیگر وسائل کی کمی تھی۔ جس کی وجہ سے وہاں زندگی گزارنے کے مشکل ترین حالات موجود تھے۔ لہٰذا دوسری حکمت یہ تھی کہ جب اس دشوار زندگی میں رہ کر وہ دین کو قبول کریں گے اور پھر دین کا پیغام لے کر نکلیں گے تو بقیہ آسان زندگی گزارنے والے علاقوں میں ان کے لئے جانا سہل ہو جائے گا۔ چونکہ انہوں نے مشکل حالات دیکھے ہوں گے اس لئے زندگی کے ہر حال میں وہ دین کا پیغام پہنچانے والے بن جائیں گے۔

3۔ فصاحت وبلاغت والے لوگوں کا خطہ:-

جزیرۂ عرب کے لوگوں کو اپنی زبان دانی پر بڑا ناز تھا۔ وہ اپنے آپ کو عرب کہتے تھے اور باقی سب کو عجم کہتے تھے۔ اور عربی زبان کی فصاحت وبلاغت بھی اپنی جگہ مسلم تھی۔ لہٰذا تیسری حکمت یہ تھی کہ چونکہ ان لوگوں کو اپنے مافی الضمیر کو بیان کرنے کا ملکہ حاصل تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو بھیجا کہ جب یہ لوگ میرے دین کا پیغام قبول کریں گے تو یہ پھر دین کے بہترین داعی بن کر پوری دنیا میں سفر کریں گے۔

ہیرے کی طرح چمکدار زندگی:-

میرے آقا ﷺ کی روشن زندگی کے جس پہلو کو دیکھا جائے اس سے انسان کو ہدایت ملتی ہے۔ ہیرے کی یہ صفت ہوتی ہے کہ جس زاویے سے بھی اسے دیکھیں وہ

چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک زندگی بھی ایسی ہے کہ جس زاویے سے دیکھیں آپ کو ہر زاویے سے آپ ﷺ کی مبارک زندگی چمکتی ہوئی نظر آئے گی۔

نبی اکرم ﷺ اس دنیا میں ایک ایسے وقت میں تشریف لائے جو تاریخی اعتبار سے پوری روشنی کا وقت تھا۔ یہ ایک بڑا اہم نکتہ ہے۔ جب بھی کسی سے بات کر رہے ہوں اس کو یہ بات کھول کر بیان کریں کہ میرے آقا اور میرے قائد حضرت محمد ﷺ وہ ہستی ہیں کہ جنہوں نے تاریخ کی پوری روشنی کے اندر زندگی گزاری۔ آپ عیسائیوں کے پاس جایئے اور ان سے کہئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات زندگی بتائیں۔ وہ آپ کو چند واقعات کے سوا کچھ نہیں بتا سکیں گے۔ یہودیوں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں پوچھئے کہ وہ کب پیدا ہوئے، انہوں نے بچپن کیسے گزارا، لڑکپن کیسے گزارا، جوانی کیسے گزاری، ان کی ازدواجی زندگی کیسی تھی، ان کے پیغامات کیا تھے، ان کی وفات کب ہوئی تو آپ کو ان کی زندگی کے شب و روز کی تفصیل کہیں نہیں ملے گی۔ آج یہود و نصاریٰ کا دامن اس نعمت سے خالی ہے۔

آپ ان کے سامنے بیٹھ کر ان سے پوچھئے کہ اگر آج آپ کے معاشرے میں پیدا ہونے والا بچہ یہ چاہے کہ میں زندگی کا ہر کام اپنے پیغمبر کے طریقے کے مطابق کرنا چاہتا ہوں تو کیا اس کی راہنمائی کے لئے تعلیمات موجود ہیں؟ تو وہ اس بات کو تسلیم کریں گے کہ ہمارے پاس اس کی کوئی تفصیلات موجود نہیں ہیں۔

جب ان کے پاس کچھ نہیں ہے تو آیئے ہم آپ کو ایک ایسی ہستی کے بارے میں بتائیں کہ جن کی پیدائش مبارکہ سے لے کر دنیا سے پردہ فرمانے تک زندگی کی ایک ایک بات کو کتابوں کے اندر محفوظ کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ محدثین نے وہ کمال کر دکھایا کہ جہاں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شمائل بیان کرنے کا وقت آیا تو انہوں نے بیان کیا،

آپ ﷺ کے ابرو مبارک کیسے تھے، آپ ﷺ کی مبارک پلکیں کیسی تھیں، آنکھیں کیسی تھیں، بینی مبارک کیسی تھی، آپ ﷺ کی ریش مبارک کیسی تھی، آپ ﷺ کا سینہ مبارک کیسا تھا، آپ ﷺ کے ہاتھ مبارک کیسے تھے، آپ ﷺ کے پاؤں مبارک کیسے تھے، آپ ﷺ جوتا مبارک کس طرح پہنتے تھے، لباس کس طرح کا پہنتے تھے، آپ ﷺ کا عمامہ مبارک کیسا تھا، آپ ﷺ کی سواریاں کیسی تھیں، ان سواریوں کے نام کیا تھے، جس بستر پر لیٹتے تھے اس کا تکیہ کیسا تھا، آپ ﷺ کمبل کیسا تھا، آپ ﷺ کی چادر کیسی تھی، آپ ﷺ کی ازدواجی زندگی کیسی تھی، آپ ﷺ کی مسجد کی زندگی کیسی تھی، آپ ﷺ میدان جہاد میں کھڑے ہیں تو وہاں کی تفصیلات کیا ہیں، آپ ﷺ کی انفرادی زندگی کیسی تھی، آپ ﷺ کی اجتماعی زندگی کیسی تھی، غرض نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی زندگی کے جس پہلو کو بھی معلوم کرنا چاہیں وہ تمام معلومات ہمارے پاس موجود ہیں۔ چنانچہ آج کا بچہ اگر چاہے کہ بچوں کے بارے میں اللہ کے محبوب ﷺ نے کیا تعلیمات دیں تو وہ بھی آپ کو ملیں گی، آج کا نوجوان اگر چاہے کہ جوانوں کے بارے میں اللہ کے محبوب ﷺ نے کیا تعلیمات دیں تو بھی آپ کو ملیں گی، مزدور اگر چاہے تو اس کو بھی تعلیمات ملیں گی اور اگر کارخانہ دار چاہے تو اسے بھی تعلیمات ملیں گی، غرض معاشرے کا کوئی فرد ایسا نہیں کہ جس کو نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں تعلیمات نہ ملتی ہوں۔ جس ہستی سے قدم قدم پر راہنمائی مل رہی ہو ہم اس ہستی کی پیروی کیوں نہ کریں؟

جب ہم نے یہ بات بعض نصاریٰ سے پوچھی تو وہ کہنے لگے کہ جی آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ہمارے پاس یقیناً بائبل (انجیل) کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور ہم اپنے **Jesis Crist** کے بارے میں تفصیلات نہیں بتا سکتے۔ پھر ہم نے کہا کہ اگر آپ یہ پوچھنا چاہیں کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے دندان مبارک کیسے تھے تو ہم وہ بھی بتا سکتے ہیں، اگر

یہ پوچھنا چاہیں کہ ریش مبارک میں کتنے بال سفید تھے تو کتابوں میں ان کو بھی لکھ دیا گیا ہے، اگر یہ معلوم کرنا چاہیں کہ مہر نبوت کیسی تھی تو یہ بھی لکھا جا چکا ہے، اگر یہ معلوم کرنا چاہیں کہ آپ ﷺ کی اونٹنی کے کیا کیا نام تھے تو محدثین نے ان کو بھی کتابوں میں محفوظ فرما دیا ہے۔ ایسی Documented Life (تاریخی زندگی) آج تک کائنات میں کسی نے نہیں گزاری۔ بڑے بڑے جرنیل گزرے، بادشاہ گزرے، فلاسفر گزرے، لایئے کسی کو کہ جس کی زندگی کی اتنی معلومات کتب کے اندر موجود ہوں۔ فقط ہمارے پاک پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کی وہ مبارک ذات ہے جن کی زندگی کی اتنی تفصیلات کتب میں محفوظ ہیں۔ لاکھوں احادیث آپ ﷺ کی زندگی کے کسی نہ کسی گوشے پر روشنی ڈالتی نظر آتی ہیں۔ لہٰذا یہ اصولی بات یاد رکھئے کہ اللہ رب العزت نے ہمیں ایسے پیارے پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام عطا فرمائے ہیں کہ جن کی زندگی کی تمام تعلیمات آج بھی محفوظ ہیں اور قیامت تک محفوظ رہیں گی۔

فرانسیسی مصنف ''ہیٹی'' کا اعتراف :-

ہیٹی ایک فرانسیسی مصنف ہے۔ وہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے بارے میں لکھتا ہے کہ

He was born in the full light of history.

کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام تاریخ کی پوری روشنی کے اندر دنیا میں تشریف لائے۔ جب کفر نے خود تسلیم کر لیا تو معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی ذات کو ایک ایسی فضیلت حاصل ہے جو کسی دوسری ہستی کو حاصل نہیں ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی شان میں مائیکل ہارٹ کا خراج تحسین :-

حضور نبی اکرم ﷺ ایسے لوگوں میں تشریف لائے جن کے پاس تعلیم نہیں

تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیِّیْنَ رَسُوْلاً وہ ذات جس نے ان پڑھوں میں اپنے رسول ﷺ کو بھیجا۔ اور رسول بھی وہ تشریف لائے جو زندگی میں کسی انسان کے سامنے شاگرد بن کر کبھی نہیں بیٹھے۔ آپ نے پندرہ بیس سال پہلے ایک کتاب ''The Hundred'' کا تذکرہ سنا ہوگا۔ وہ کتاب مائیکل ہارٹ نے لکھی۔ وہ عیسائی ہے۔ اس نے اپنے زعم میں تاریخ میں سے 100 ایسی شخصیتوں کو گنا جنھوں نے تاریخ میں اپنے انمٹ نقوش چھوڑے۔ اس میں اس نے سائنس دانوں کے حالات زندگی لکھے، بعض انبیاء کا بھی تذکرہ کیا، کئی جرنیلوں کے بارے میں بھی لکھا۔ لیکن ان 100 ہستیوں میں اس نے سب سے پہلے نبی آخر الزمان ﷺ کا مبارک تذکرہ کیا۔ اور یہ تذکرہ کرتے ہوئے اس نے ایک فقرہ لکھا:

My choice of Muhammad to lead the ranking

of

the most influetcial personalities in the history

will surprise some of the readers.

کہ میں نے ان سو آدمیوں کا تذکرہ کیا جنھوں نے تاریخ کو سب سے زیادہ متاثر کیا، ان میں سب سے پہلے محمد ﷺ کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سے بعض لوگ حیران ہوں گے لیکن اس کی میرے پاس ایک ٹھوس دلیل موجود ہے کہ کائنات میں جتنی بھی ہستیاں آئیں اگر ان کے حالات زندگی پڑھتے ہیں تو وہ ہمیں اپنے بچپن اور لڑکپن میں کسی نہ کسی استاد کے سامنے بیٹھے تعلیم پاتے نظر آتے ہیں، اپنے وقت کے بہترین تعلیمی اداروں کے اندر ہمیں ایک طالبعلم بن کر جاتے ہوئے نظر آتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان تمام ہستیوں نے پہلے مروجہ تعلیم حاصل کی اور پھر اس کو بنیاد بنا کر انہوں نے اپنی زندگیوں میں کچھ اچھے کام کر دکھائے۔ لیکن دنیا میں فقط ایک ہستی ایسی نظر آتی ہے کہ

جس کی زندگی کی تفصیلات کو دیکھا جائے تو وہ پوری زندگی کسی کے سامنے شاگرد بن کر بیٹھی نظر نہیں آتی۔ وہ ہستی محمد ﷺ ہیں۔ یہ وہ ہستی ہیں جنہوں نے دنیا سے علم نہیں پایا بلکہ دنیا کو ایسا علم دیا کہ اس جیسا علم نہ پہلے کسی نے دیا اور نہ بعد میں کوئی دے گا۔ لہذا اس بات پر میرے دل نے یہ چاہا کہ جس شخصیت نے ایسی علمی خدمات سر انجام دی ہوں، میں غیر مذہب کا آدمی ہونے کے باوجود ان کو تاریخ کی سب سے اعلیٰ شخصیات میں پہلا درجہ عطا کرتا ہوں۔

میرے دوستو! جب کافر اپنی زبان سے یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں تو معلوم ہوا کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے یقیناً انسانیت کے اوپر بڑا احسان فرمایا ہے۔

انگلش رائٹر ''گبن'' کا اعتراف :-

جب آپ ﷺ دنیا میں تشریف لائے اس وقت عرب کے لوگ تہذیب و تمدن کے لحاظ سے بہت ہی گری ہوئی حالت میں تھے۔ گبن ایک انگلش مصنف ہے۔ وہ ان حالات کے بارے میں لکھتا ہے کہ

At that time Arabia was the most degraded nation of the world.

اس وقت عرب کے لوگ دنیا کی ایک ذلیل ترین قوم تھے۔ آپ ﷺ نے ایسے اَن پڑھوں میں اپنی مبارک زندگی گزاری۔ وہ ابو بکرؓ و عمرؓ، وہ عثمانؓ و علی، وہ طلحہ و زبیرؓ، وہ عبدالرحمٰن بن عوف، وہ سعدؓ اور سعیدؓ وہی حضرات ہیں جو آپ ﷺ کے گرد دائرہ بنا کر بیٹھتے تھے اور آپ ﷺ سے تعلیمات حاصل کرتے تھے۔ دینی تعلیمات حاصل کر کے ان لوگوں میں اتنی بلندی پیدا ہوئی، اتنا علم آیا، اتنی معرفت آئی، جہانگیری اور جہانبانی کے انہوں نے اتنے راز سیکھے کہ جب آپ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے

تو اسی رائٹر کو لکھنا پڑا کہ :

Right after the death of Muhammad ,the land of Arabia became the nursary of the Heroes.

نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے پردہ فرمانے کے بعد عرب کی سرزمین تو ہیروں کی نرسری بن گئی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ محسن انسانیت ﷺ نے ان کو ایسی تعلیمات دی تھیں جن پر عمل کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنی عظمت نصیب فرمادی تھی۔

مقبولیت حاصل کرنے کے تین راستے :-

پہلا راستہ :-

نبی علیہ الصلوۃ والسلام دنیا میں تشریف لائے تو علاقے کے اندر کسمپرسی کا حال تھا ظلم کا ہر طرف دور دورہ تھا۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں آپ ﷺ کو مقبولیت حاصل کرنے کے لئے بڑے آسان طریقے حاصل تھے۔ مثال کے طور پر اگر اللہ کے محبوب ﷺ کھڑے ہو کر یہ نعرہ لگاتے کہ لوگو! ہم اقتصادی طور پر بہت پیچھے ہیں، نہ ہمیں کھانے کو ملتا ہے اور نہ ہمیں پہننے کو ملتا ہے لہذا ہمارے معاشی حالات اچھے ہونے چاہئیں، آیئے میں آپ کو روٹی، کپڑے اور مکان کے حصول کا طریقہ بتاتا ہوں۔ یہ ایسا نعرہ تھا کہ ایک نعرے کے اوپر پورے کے پورے عرب کے لوگ اکٹھے ہو جاتے۔ مگر آپ ﷺ نے یہ راستہ اختیار نہ کیا۔

دوسرا راستہ :-

دوسرا راستہ یہ تھا کہ اگر یہ کہہ دیا جاتا کہ اس دھرتی کے اندر چاروں طرف ظلم نظر آتا ہے، لوگو! پرسکون زندگی حاصل کرنے کے لئے آؤ، میں تمہیں اس معاشرے

کے اندر عدل و انصاف قائم کر کے دکھاتا ہوں، تو جو لوگ ظلم سے تنگ آچکے تھے وہ آپ ﷺ کی آواز پر آپ ﷺ کے گرد جمع ہو جاتے۔ مگر نبی اکرم ﷺ نے یہ آسان راستہ بھی اختیار نہ فرمایا۔

تیسرا راستہ :-

ایک تیسرا راستہ یہ ممکن تھا کہ نبی اکرم ﷺ یہ ارشاد فرماتے کہ عرب کے لوگو! دنیا میں دائیں بائیں بڑی تہذیب یافتہ حکومتیں ہیں، آؤ ہم ایک زبان بولنے والے ہیں، ہم زبان کی بنیاد پر ایک ہو جائیں، اس طرح دنیا کے اندر قیصر و کسریٰ کی مانند عربوں کی بھی ایک بڑی حکومت ہو جائے گی۔ یہ ایک ایسا لسانی نعرہ تھا کہ جس کو سن کر عرب کے سب لوگ ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہو جاتے مگر اللہ کے محبوب ﷺ نے اس آسان راستہ کو بھی اختیار نہ فرمایا۔

مشکل ترین راستے کا انتخاب :-

بلکہ آپ ﷺ نے اس راستے کا انتخاب کیا جو سب سے زیادہ دشوار گزار تھا۔ وہ یہ تھا کہ پروردگار کی جانب سے پیغام آیا کہ اے میرے محبوب! کہہ دیجئے کہ نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے۔ چنانچہ اللہ کے محبوب ﷺ نے عربوں کو جمع کر کے فرمایا! **یٰاَیُّھَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْنَ** تم سب کے سب کہو کہ ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، تم فلاح پا جاؤ گے۔ آپ ﷺ کا کہنا ہی تھا کہ پورے عرب کے لوگ آپ ﷺ کے مخالف بن گئے۔ مگر آپ نے جبل استقامت بن کر مشقتیں اٹھائیں اور دنیا سے شرک اور بت پرستی کا نام و نشان مٹا دیا۔

مشقتیں اٹھانے پر انعام :-

تنگیوں سے گزرنے کے بعد انسان کو آسانیاں ملتی ہیں۔ اللہ کے محبوب ﷺ نے

قربانیاں دیں اور انسانیت پر ایسا احسان کیا کہ جب آپ ﷺ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تو وہی لوگ جو مشرک تھے اب ایک اللہ کی فرمانبرداری کرنے پر تیار ہو چکے تھے۔ چنانچہ فتح مکہ کے وقت لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہوئے۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ نے حجتہ الوداع کے موقع پر واضح لفظوں میں ارشاد فرمادیا کہ آج کے بعد اس زمین پر شیطان اور بتوں کی پوجا نہیں کی جائے گی۔ الحمد للہ اللہ رب العزت نے اس جگہ کو شرک اور بت پرستی سے ہمیشہ کے لئے محفوظ فرمادیا۔

ابتدائے حیات میں مشکلات :-

جب نبی اکرم ﷺ دنیا میں تشریف لائے تو آپ ﷺ کو ابتداء ہی سے عجیب مشکل حالات پیش آئے۔ ابھی اپنی والدہ کے بطن میں ہی تھے کہ والد محترم کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئے۔ پھر ابھی آپ ﷺ کی عمر چھ سال کی تھی کہ آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ بھی دنیا سے تشریف لے گئیں۔ پھر آٹھ سال کی عمر مبارک تھی کہ آپ ﷺ کے دادا بھی دنیا سے تشریف لے گئے۔ پھر آپ ﷺ کے چچا آپ ﷺ کے کفیل بنے۔ آپ ﷺ نے پچیس برس کی عمر میں نکاح فرمایا اور ازدواجی زندگی شروع کی۔ پھر ایک وہ وقت بھی آیا کہ آپ ﷺ کی اہلیہ بھی دنیا سے چلی گئیں۔ آپ ﷺ کے چچا بھی دنیا سے چلے گئے۔ آپ دیکھئے کہ شروع سے آخر تک انسان کے جو سہارے ہوتے ہیں وہ سب سہارے ٹوٹتے رہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس میں یہ حکمت تھی کہ اللہ رب العزت نے اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تعلیم دے کر بھیجا تھا کہ میرے پیغمبر! دنیا کو بتادو کہ مخلوق کے سہارے ڈھونڈنے والو! آؤ ایک پروردگار کا سہارا پالو، وہ پروردگار تمہارے لئے کافی ہو جائے گا۔

میرے دوستو! اگر آپ ﷺ خود سہاروں کے ذریعے پرورش پاتے تو لوگ

اعتراض کر سکتے تھے کہ خود سہاروں کے ذریعے پرورش پانے والے دنیا کو سہاروں کی مخالفت کیسے بتلا سکتے ہیں۔ لہذا آپ ﷺ نے دنیا کو سبق دے دیا کہ دیکھو اگر میں یتیم ہو کر دنیا میں ایک انقلابی زندگی گزار سکتا ہوں تو آیئے عمر بھر مخلوق کے سہارے ڈھونڈنے کی بجائے ایک پروردگار کو سہارا بنالو۔ وہ پروردگار تمہیں دنیا میں بھی کامیابی دے گا اور آخرت میں بھی کامیابی عطا فرمائے گا۔

معاشرتی بائیکاٹ :-

جب شعب ابی طالب میں آپ ﷺ کو بھیجا گیا تو اس وقت سارے قریش نے مل کر ایک معاہدہ کیا کہ ان کے ساتھ مکمل طور پر سوشل بائیکاٹ کیا جائے گا۔ نہ کوئی چیز لی جائے گی اور نہ ہی کوئی چیز دی جائے گی۔ ان کے ساتھ کسی قسم کی راہ ورسم بھی نہیں رکھی جائے گی۔ اب سوچئے کہ جب قوم اس بات کے اوپر متفق ہو جائے کہ ہم سب نے ایکا کر کے ان کی مخالفت کرنی ہے تو انسان کو کتنی پریشانیوں سے گزرنا پڑتا ہے۔

مصائب کی انتہاء :-

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اس دنیا کے اندر دین کی خاطر جتنی تکالیف مجھے دی گئیں اتنی تکالیف کسی اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہیں دی گئیں۔ آپ ﷺ کو اس دنیا میں اللہ رب العزت کا پیغام پہنچانے کے لئے اتنی تکالیف اٹھانی پڑیں مگر اللہ کے محبوب ﷺ نے اللہ کا پیغام انسانوں کے دلوں تک پہنچایا اور ان کی زندگیوں کو بدل کر رکھ دیا۔

سب سے بہتر گواہ :-

ایک اصولی بات یاد رکھئے کہ جو انسان کوئی پیغام دیتا ہے تو قریبی لوگ اس کے سب سے بہتر گواہ ہوا کرتے ہیں کہ بھئی تم اپنی زندگی میں کس حد تک سچے ہو۔ اسی

لئے عام طور پر کہا جاتا ہے کہ اگر کسی انسان کی زندگی کے بارے میں پوچھنا ہو تو اس کی بیوی سے پوچھئے، نوکر سے پوچھئے، دوست سے پوچھئے، پڑوسی سے پوچھئے کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو اس کے اندر کے حالات کو سمجھا کرتے ہیں۔

قریبی لوگوں کا قبول اسلام :-

جب میرے پاک پیغمبر ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے اپنے گھر میں آکر اللہ رب العزت کا پیغام سنایا۔ سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ وہ ہستی ہیں کہ جنہوں نے لسان نبوت سے سب سے پہلے اللہ کا قرآن سنا۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے سب سے پہلے ایک خاتون نے قرآن سنا، کسی مرد کو سب سے پہلے یہ شرف نصیب نہیں ہوا۔ آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ جیسے ہی آپ ﷺ سے پیغام خداوندی سنتی ہیں اسی وقت اسلام قبول کر لیتی ہیں۔ پھر آپ ﷺ کے غلام حضرت زیدؓ نے اسلام قبول کیا۔ آپ ﷺ کے دوستوں میں سیدنا صدیق اکبرؓ بڑے قریبی دوست تھے انہوں نے جب وہ پیغام سنا تو انہوں نے دین کو قبول کر لیا۔ آپ ﷺ کی مبارک زندگی میں وہ مقناطیسی کشش تھی کہ آپ ﷺ کی زبان سے نبوت کا دعویٰ ہونا تھا کہ سب قریبی لوگوں نے اس پر سر تسلیم خم کر لیا کیونکہ صداقت اور امانت کی وجہ سے ان کیقلوب آپ ﷺ کی عظمتوں کی پہلے ہی گواہیاں دے رہے تھے ۔ حضور ﷺ کی مبارک زندگی کو اس انداز سے بھی دیکھا جائے تو آپ ﷺ کو اس زاویہ سے بھی انفرادیت حاصل ہے۔

انفرادی اور اجتماعی زندگی کے پرچار کا حکم :-

آدمی گھر میں زندگی گزارتے ہوئے اپنی بیوی کو عموماً یہ کہتا ہے کہ میرے اور آپ کے مسائل اپنی جگہ، لیکن ہم جب کمرے سے باہر نکلیں تو ہم اپنی باتیں دوسروں کے

سامنے نہ کیا کریں۔ آپ کو دنیا کا ہر انسان اپنی بیوی کو یہی کہتا نظر آئے گا، الا ماشاء اللہ مگر پوری تاریخ انسانیت میں اللہ کے محبوب ﷺ کی شخصیت ایسی بھی نظر آئے گی جو اپنی بیوی کو بھی حکم دے رہی ہے کہ تم مجھے جو کچھ کرتا ہوا دیکھ رہی ہو تمہارے اوپر فرض ہے کہ ان تعلیمات کو دوسری عورتوں تک پہنچاؤ۔ جب آپ مسجد کی زندگی میں آتے ہیں تو وہاں بھی یہی تعلیم دیتے ہیں کہ تم جو کچھ مجھ سے سن رہے ہو یا جو کچھ مجھے کرتا دیکھ رہے ہو ان تعلیمات کو لوگوں تک پہنچاؤ۔ سبحان اللہ، میرے پیارے آقا ﷺ کی زندگی اتنی نکھری ہوئی زندگی تھی کہ آپ ﷺ نے اپنی اجتماعی زندگی کو بھی بیان کرنے کا حکم دیا اور اپنی انفرادی زندگی کو بھی لوگوں کے سامنے کھولنے کا حکم فرمایا۔ یہ معمولی بات نہیں ہوتی۔ بلکہ بہت مشکل کام ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات نے آپ ﷺ کو زندگی میں اپنے تنہائی کے لمحات میں جو کچھ کرتے ہوئے دیکھا تھا جب ان سے عورتیں سوال پوچھتی تھیں تو وہ ان تعلیمات کو دوسروں کے سامنے پیش کر دیا کرتی تھیں۔

نبوت کی بہترین دلیل :-

جب پہلے انبیائے کرام علیہم السلام تشریف لائے تو ان کی قوموں نے ان کی نبوت کے دلائل طلب کئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں عصا کو اژدھا بنا کے دکھا دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردے کو زندہ کر کے دکھا دیا۔ مختلف انبیاءً نے اپنی نبوت کی گواہی کے طور پر مختلف معجزات پیش کئے مگر حضور نبی کریم ﷺ وہ مبارک ہستی ہیں کہ جب آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ کی نبوت کی دلیل کیا ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا **لَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ**۔ ارے کم عقلو! کیا میں اب تک کی زندگی تمہارے درمیان نہیں گزار چکا۔

تمہارے درمیان میری گزری ہوئی زندگی اتنی پاکیزہ ہے کہ یہی میری نبوت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ سبحان اللہ، وہ کتنی پاکیزہ زندگی ہوگی۔ وہ پھول کی پتیوں سے زیادہ نزاکت والی زندگی تھی، وہ دودھ سے بھی زیادہ سفیدی رکھنے والی زندگی تھی۔ اتنی پاکیزہ زندگی تھی کہ کسی کافر کو ساری زندگی آپ ﷺ کی طرف انگلی اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ عقل والوں کے لئے واقعی یہ بڑی بات ہوتی ہے۔ اچھا کردار دیکھنے میں تو ایک معمولی چیز ہے مگر اس کے ذریعے انسان بڑی بڑی قیمتی چیزوں کو بھی خرید لیتا ہے۔ لوگ تلوار کا مقابلہ تو کر لیا کرتے ہیں مگر کردار کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔

نبی اکرمؐ کے اخلاقِ کریمانہ

دیکھئے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو مجنوں کہا گیا، شاعر کہا گیا، ساحر کہا گیا، مگر کسی نے آپ ﷺ پر کوئی اخلاقی بہتان نہ باندھا۔ کوئی ایسا نہ تھا جو یہ کہتا کہ میں نے تو آپ ﷺ کی زندگی میں فلاں بات ایسے دیکھی ہے۔ نہ صرف آپ ﷺ نے خود ہی ان اخلاق کریمانہ کا مظاہرہ فرمایا بلکہ آپ ﷺ نے دنیا کو بھی اخلاق کا ہی درس دیا۔ آپ نے اپنے اخلاق حمیدہ کے ذریعے ان لوگوں کے دلوں کو فتح کیا۔ نبی اکرم ﷺ کے اخلاق ہی ایسے تھے کہ جو آپ ﷺ کے جتنا زیادہ قریب ہوتا جاتا تھا اتنا ہی وہ آپ ﷺ کا جانثار پروانہ بنتا جاتا تھا۔ اسی لئے احادیث میں لکھا ہے کہ **فُتِحَتِ الْمَدِیْنَةُ بِالْاَخْلَاقِ** کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اخلاق کے ذریعے مدینہ منورہ فتح کیا تھا۔

اخلاق کی تلوار :-

کسی ملک میں ایک صاحب اعتراض کرنے لگے کہ آپ کے پیغمبر ﷺ نے تو تلوار

کے زور پر دین کو پھیلا دیا تھا۔ اس عاجز نے پوچھا، وہ کیسے ؟ کہنے لگے، وہ ایسے کہ ان کے گرد چند جنگجو اکٹھے ہو گئے تھے، وہ تلوار کے دھنی تھے اس لئے انہوں نے تلوار کے زور پر پوری دنیا کے اندر زبردستی اسلام پہنچایا۔ میں نے ان سے دو سوال پوچھے۔ ایک سوال تو یہ پوچھا کہ ان تلوار کے دھنی لوگوں کو آپ ﷺ کے گرد کس تلوار نے اکٹھا کیا تھا؟ کہنے لگے، جی وہ تو ان کے اخلاق سے متاثر ہوئے تھے۔ میں نے کہا کہ یہ میرے پیارے پیغمبر ﷺ کے اخلاق کی تلوار تھی جس نے حقیقت میں دنیا کو فتح کر دیا تھا۔

میں نے دوسرا سوال یہ پوچھا کہ آپ جو یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ ﷺ کے جنگجو ساتھیوں نے تلوار کے ذریعے دنیا کو فتح کیا تھا تو یہ بتایئے کہ تلوار خود چلتی ہے یا تلوار کو چلانے والے ہاتھ ہوتے ہیں۔ کہنے لگے کہ تلوار خود تو نہیں چلتی، اس کو چلانے والے ہاتھ ہوتے ہیں۔ میں نے کہا کہ ان ہاتھوں کو بھی کسی نے فتح کیا ہوا تھا، وہ ہاتھ بھی کسی کے ہاتھ میں آچکے تھے۔ ان ہاتھوں میں آکر ان میں وہ جرأت، وہ شجاعت، وہ دلیری، وہ جہانگیری، وہ جہان بانی، اور کردار کی وہ پختگی آگئی تھی کہ ان ہاتھوں نے جب تلوار اٹھائی تو پوری دنیا میں اسلام کی شمعیں فروزاں کر دیں۔

ام جمیلؓ کا قبول اسلام :-

دیکھئے کہ ام جمیل ایک عورت نبی اکرم ﷺ کے اوپر کوڑا کرکٹ ڈالتی تھی۔ وہ بیمار ہو گئی۔ اس کی بیٹی اس کی تیمارداری کرتی۔ ان کے گھر میں کوئی مرد نہیں تھا۔ ان کا حال پوچھنے والا کوئی نہ تھا۔ وہ ماں اور بیٹی زندگی کا تکلیف دہ وقت گزار رہی تھیں۔ قریب کے لوگوں کے پاس فرصت ہی نہیں تھی کہ ان غریبوں کے کھانے یا دوائی کے بارے میں پوچھ لیتے۔ اس کسمپرسی کے عالم میں کئی دن گزر گئے۔

ایک مرتبہ بیٹی اپنی ماں کے پاس بیٹھی کچھ باتیں کر رہی تھی مگر ماں نقاہت کی

وجہ سے جواب بھی نہیں دے پاتی تھی۔ اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ ماں نے کہا، بیٹی! جاؤ دیکھو کون ہے؟ بیٹی دروازے پر آئی اور دروازہ کھول کر باہر دیکھا۔ باہر حضور نبی کریم ﷺ ابو بکرؓ اور عمرؓ کے ہمراہ کھڑے تھے۔ وہ دیکھ کر بڑی حیران ہوئی۔ وہ بھاگ کر ماں کے پاس گئی اور کہا کہ جن کے اوپر تو کوڑا کرکٹ پھینکتی تھی آج وہ بدلہ لینے کے لئے اپنے دوستوں کو لے کر آ گئے ہیں، ہمارے پلے تو کچھ نہیں ہے، وہ تو ہمیں گلا گھونٹ کر جان سے مار دیں گے۔ اس بیمار بڑھیا کے دل پر بہت پریشانی گزری، چنانچہ کہنے لگی، اب ہم کیا کر سکتے ہیں، پوچھو وہ ہمیں کیا کہتے ہیں، ہم رحم کی اپیل کر لیں گے، بہر حال ان کو آنے دو، ہم معافی طلب کر لیں گے۔

چنانچہ نبی کریم ﷺ اندر تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ ام جمیل پریشان حال ہو کر بستر پر بیٹھی ہے، نگاہیں نیچی ہیں، پوچھتی ہے، اے محمد ﷺ! آج آپ نے یہاں کیسے قدم رنجہ فرمایا؟ آپ فرماتے ہیں کہ کئی دنوں سے تو نے میرے اوپر کوڑا کرکٹ نہیں ڈالا تھا۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ اس کی وجہ کیا ہے۔ لوگوں نے مجھے بتایا کہ جو عورت آپ پر کوڑا کرکٹ ڈالتی تھی وہ اب بیمار ہو چکی ہے۔ لہذا میں تیری بیمار پرسی کے لئے تیرے پاس چل کر آیا ہوں۔ اب بتائیے کہ اس عورت کے دل میں کیا ہی محبت پیدا ہوئی ہوگی۔ وہ کوڑا کرکٹ ڈالنے والی عورت عین اسی وقت کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئی۔

تین سو آدمیوں کا قبول اسلام :-

حدیث پاک میں آیا ہے کہ ایک اعرابی مسجد نبوی میں آکر بیٹھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کو رفع حاجت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس نے مسجد کے صحن میں ہی ایک طرف جا کر پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ صحابہ کرامؓ نے دیکھا تو انہوں نے اس کو منع کیا کہ تم یہ

کیا کر رہے ہو۔ نبی اکرم ﷺ نے دیکھا تو صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ جو یہ کر رہا ہے تم اسے اس حال میں مت روکو۔ چنانچہ جب وہ فارغ ہو کر آپ ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے، اللہ تعالیٰ عظمتوں والے ہیں اور عظمتوں والے اللہ پاک کے گھر کو بھی پاکیزہ رکھنا چاہئے۔ آپ ﷺ نے اتنے پیار سے اسے سمجھایا کہ وہ بڑا متاثر ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ کہنے لگا کہ میں واپس جانا چاہتا ہوں۔ نبی اکرم ﷺ نے اس کو پہننے کے لئے ایک لباس بھی ہدیہ کے طور پر دیا اور جب وہ پیدل جانے لگا تو اللہ کے محبوب ﷺ نے اپنی سواری بھی اس کو ہدیہ کے طور پر دے دی۔ اس نے لباس زیب تن کیا اور سواری پر سوار ہو کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

جب وہ اپنے قبیلے کے لوگوں میں داخل ہونے لگا تو آبادی کے باہر سے ہی پکارنے لگا، او میرے بھائی، او میرے ماموں، او میرے چچا، ذرا میری بات سننا۔ لوگ بھاگ کر اکٹھے ہو گئے کہ کیا بات ہے، پوچھا کہ تمہیں کیا ہو گیا؟ کہنے لگا، میں نے ایک ایسے معلم کو دیکھا جو یقیناً ایک بڑی شفیق اور بااخلاق ہستی ہیں۔ میں نے اتنا بڑا جرم کیا کہ اللہ کے گھر میں گندگی پھیلا دی مگر انہوں نے مجھے ڈانٹا نہیں، مارا نہیں، گالی نہیں دی، انہوں نے مجھ سے سختی نہیں کی بلکہ مجھے پیار سے سمجھا دیا اور پھر مجھے آتے ہوئے یہ ہدیے اور تحفے دے کر بھیجا۔ سب لوگ کہنے لگے کہ اچھا ہم بھی جا کر ان کو دیکھیں گے۔ چنانچہ اس قبیلے کے 300 آدمی اس کے ساتھ آئے اور اسلام کے دامن میں داخل ہو گئے۔ سبحان اللہ۔

فتح مکہ کے دن عام معافی کا اعلان :-

آیئے، اپنے محبوب ﷺ کی زندگی کی عظمتوں کو دیکھنا ہے تو فتح مکہ کے واقعہ کو

دیکھ لیجئے۔ رسول اللہ ﷺ فاتح بن کر مکہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ آپ ﷺ کے پاس افرادی قوت موجود ہے، غلبے کی حالت میں ہیں، آج وقت ہے کہ ان کافروں سے بدلہ چکائیں، انہوں نے جو آپ ﷺ کے اوپر ظلم کئے تھے ان کا بدلہ لیں لیکن آپ ﷺ عاجزی کیساتھ مکہ میں داخل ہوتے ہیں۔

رات کا وقت تھا، مکہ کی عورتیں پریشان تھیں کہ آج ہمارے گھروں میں پتہ نہیں کیا نقشے پیش کئے جائیں۔ ان کو یاد آ رہا تھا کہ انہوں نے سیدنا بلالؓ کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا، انہوں نے سمیہؓ کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا، انہوں نے دوسرے صحابہ کرامؓ کے ساتھ کیا کیا ظلم کئے تھے۔ آج ان کو پرانی یادیں ستا رہی تھیں۔

رات کا کافی وقت گزر چکا تھا۔ آخری پہر آ گیا۔ بالآخر عورتوں نے اپنے مردوں سے کہا کہ نہ کوئی گلیوں میں شور ہے نہ ہی کوئی ہمارے گھروں تک پہنچا ہے اور نہ ہی کسی آدمی کی چیخ و پکار کی آواز آئی ہے۔ یہ مسلمان ہیں کہاں ؟ اور کیا کر رہے ہیں ؟ مردوں نے کہا کہ وہ آپس میں مشورے کر رہے ہوں گے۔ عورتوں نے کہا کہ جا کر دیکھو تو سہی، کہیں ایسا نہ ہو کہ اچانک حملہ کر دیں، کہیں ہماری عزتیں نہ لوٹ لیں، کہیں ہمیں جان سے نہ مار دیں، پتہ نہیں کہ ہم کل کی صبح دیکھیں گے بھی یا نہیں۔ چنانچہ مرد باہر نکلتے ہیں۔ کیا دیکھتے ہیں کہ گلیاں سنسان پڑی ہیں۔ وہ حیران ہوئے کہ مسلمان کہاں چلے گئے۔ بالآخر وہ اللہ کے گھر کی طرف چل کر آتے ہیں۔ وہاں پہنچ کر مطاف کے اندر ایک عجیب منظر دیکھا۔ صحابہ کرامؓ میں سے بعض طواف کر رہے ہیں، کوئی حجر اسود کو بوسے دے رہا ہے، کوئی مقام ابراہیم پر سجدہ ریز ہے۔ سب کی آنکھوں میں آنسو دیکھے، سب کی زبانوں سے اللہ تعالیٰ کی تعریفیں سنیں۔

جب انہوں نے دیکھا کہ یہ سب ایک اللہ کی عبادت میں مشغول ہیں تو وہ سمجھ گئے کہ یہ دنیا کے بدلے چکانے والے لوگ نہیں ہیں بلکہ اللہ کے سامنے سر جھکانے والے

لوگ ہیں۔ لہٰذا صبح کی روشنی کیا آئی کہ اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان کی روشنی پیدا فرمادی۔ چنانچہ صبح ہوئی تو وہ ہندہ جو حضرت امیر حمزہؓ کا قلب و جگر چبانے والی تھی وہ آرہی ہے اور کہتی ہے کہ اے اللہ کے محبوب ﷺ! مجھے مسلمان بنا لیجئے۔ اے ہندہ! تو نے تو حضرت امیر حمزہؓ کے قلب و جگر کا ہار پہنا تھا، آج تو بازی کیوں ہار گئی۔ کس لئے چل کر آئی ہے، تو قسمیں کھاتی تھی کہ بدلے لوں گی، آج تجھے کس چیز نے ہرادیا۔ وہ میرے محبوب ﷺ کا اخلاق اور صحابہ کرامؓ کا کردار تھا جو ان کے دلوں کو گھائل کر چکا تھا۔ چنانچہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتی ہے۔

ارے! کلمہ پڑھنے والوں نے بعد میں یہ کہا کہ جب ہم کافر تھے اس وقت ہمیں آپ سے اتنی نفرت اور دشمنی تھی کہ دنیا میں کسی سے نہیں تھی، آج کلمہ پڑھ لیا ہے، آج جتنی محبت آپ سے ہے اتنی کسی اور سے نہیں ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے عفو و درگزر کا یہ معاملہ ایسا تھا کہ آپ ﷺ نے مکہ کے پورے کے پورے لوگوں کے دل جیت لئے۔ آج دنیا اگر اپنے دشمن پر غالب آتی ہے تو بھلا کیا کرتی ہے؟ ذرا ان Cvilized (تہذیب یافتہ) ممالک کے حالات پڑھ کر دیکھ لیجئے کہ جب ان تہذیب و تمدن کا پرچار کرنے والوں نے کسی ملک کو فتح کیا یا دشمن کو فتح کیا تو انہوں نے دشمنوں کے ساتھ کیا سلوک اختیار کیا۔ میرے محبوب ﷺ کو اللہ نے فتح عطا فرمائی تو آپ ﷺ نے عفو و درگزر کا کیسا سبق عطا فرمایا۔ سبحان اللہ

عثمانؓ بن طلحہ کا قبول اسلام :-

مکہ مکرمہ میں بیت اللہ شریف کی کنجی عثمانؓ بن طلحہ کے پاس تھی۔ جب حضور نبی کریم ﷺ نے مکہ کو فتح کیا تو آپ ﷺ نے عثمان کو بلا کر ان سے وہ کنجی لی اور بیت اللہ شریف کا دروازہ کھولا۔ آپ ﷺ اندر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے اللہ کی

عبادت کی۔ سب صحابہ کرامؓ کو معلوم تھا کہ آج بیت اللہ شریف کی کنجی ہمارے محبوب ﷺ کے ہاتھ میں ہے، جب آپ ﷺ بیت اللہ شریف سے باہر تشریف لائے تو سب صحابہ کرامؓ منتظر تھے کہ آپ ﷺ بیت اللہ شریف کی کنجی اپنے غلاموں میں سے کسی غلام کے ہاتھ میں دے دیں گے۔ مگر آپ ﷺ اسی عثمان کو بلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ کنجی پہلے بھی تمہارے ہاتھ میں تھی، اب یہ کنجی پھر میں تمہارے ہاتھ میں دیتا ہوں۔ یہ کنجی قیامت تک تمہاری نسل میں رہے گی اور تم سے کوئی نہیں لے گا مگر وہی جو ظالم ہوگا۔

اس وقت صحابہ کرامؓ حیران رہ گئے کہ اللہ کے محبوب ﷺ نے عدل وانصاف کا کیا منظر پیش کیا۔ قریشی حیران ہیں، ہاشمی حیران ہیں، دوسرے قبائل کے لوگ حیران ہیں کہ جس کو چاہتے کنجی دے سکتے تھے مگر نہیں، جس سے لی تھی اللہ کے محبوب ﷺ نے غلبہ حاصل ہونے کے بعد کنجی اسی کے ہاتھ میں دے دی۔ اس کے ہاتھ میں کنجی کا آنا تھا کہ اس نے کہا، اے اللہ کے محبوب ﷺ! کنجی تو آپ ﷺ نے پکڑا دی، اب مجھے اپنا دامن بھی پکڑا دیجئے تا کہ کعبے کا پروردگار بھی مجھ سے راضی ہو جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو کلمہ پڑھا کر مشرف بہ اسلام فرما دیا۔ سبحان اللہ۔

حضرت عمرؓ کا قبول اسلام:-

دنیا کہتی ہے کہ جنگجو لوگوں کے ہاتھوں اسلام پھیلا۔ ارے! بتاؤ تو سہی کہ عمرؓ ابن الخطاب تو نبی اکرم ﷺ کو شہید کرنے کے لئے نکلے تھے مگر تھوڑی ہی دیر کے بعد محبوب ﷺ کے سامنے سر جھکائے ہوئے کیوں بیٹھے نظر آتے ہیں۔ کسی تلوار نے ان کو مجبور کیا تھا کہ آؤ اور اس یتیم مکہ کے سامنے تم اپنا سر جھکا کر بیٹھو۔ معلوم ہوا کہ بات

دراصل کچھ اور تھی۔

حضرت خالدؓ بن ولید کا قبول اسلام :-

حضرت خالدؓ بن ولید کی زندگی کو کیوں نہیں دیکھتے۔ اتنے بڑے سپہ سالار آکر مؤدبانہ بیٹھ جاتے ہیں تو معلوم ہوا کہ اتنے بڑے جنگجو، جرأت مند اور دلیر انسان کو اگر نبی کریم ﷺ کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھنے کا شرف ملا ہے تو فقط آپ ﷺ کے اخلاق کی وجہ سے ملا ہے۔ کیونکہ یہ ایک ایسے بہادر انسان تھے جو تلواروں سے ماننے والے نہیں تھے، وہ تو تلوار کے دھنی تھے اور ٹکرا جایا کرتے تھے مگر محبوب ﷺ کا کردار جب سامنے آیا تو ان کی تلواریں بے کار ہو گئیں، انہوں نے تلواریں پیچھے رکھ دیں اور آکر محبوب ﷺ کے دامن کو پکڑ لیا۔ سہیل بن عمرو دوسی اور ثمامہ بن عصال کو بھی میرے محبوب ﷺ کے اخلاق کی تلوار نے مسلمان کیا۔

جاذبیت اسلام :-

دنیا میں کچھ ایسے علاقے بھی تھے جن میں کوئی مسلمان فوجی نہیں گیا مگر وہاں بھی اسلام کی شمع روشن ہو گئی۔ حیرہ کے اندر کوئی مسلمان فوجی نہ گیا، حبشہ، بحرین اور حیفہ کے اندر کوئی فوجی نہ گیا مگر وہاں کے لوگوں نے بھی اسلام کو قبول کر لیا۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ جنگجو ابھی نہیں پہنچے تھے کہ اسلام پہلے پہنچ گیا۔ اسلام میں ایسی جاذبیت، ایسی کشش، اور ایسی مقناطیسیت تھی کہ اس نے لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کر لیا تھا۔ سبحان اللہ، یہ کردار کی عظمت تھی کہ جس نے پوری دنیا کو مسخر کر لیا۔

محمدیؐ انقلاب کی خصوصیات

دنیا میں اب تک کئی انقلابات رونما ہو چکے ہیں۔ ایک انقلاب حضور نبی کریم ﷺ

نے بھی برپا کیا تھا۔ اس محمدی ﷺ انقلاب کی چند اہم خصوصیات ذہن میں نقش کر لیجئے۔ یہ وہ پکی باتیں ہیں جن کا کفر کی دنیا کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا۔ جب آپ ان سے پوچھیں گے تو وہ اپنی بغلیں جھانکنا شروع کر دیں گے۔

1۔ کم وسائل کے ساتھ انقلاب :-

سب سے پہلی خصوصیت تو یہ تھی کہ اللہ کے محبوب ﷺ نے دنیا کے اندر اتنا بڑا انقلاب اتنے کم وسائل کے ساتھ پیدا کیا کہ پوری دنیا میں اتنے کم وسائل کے ساتھ اتنا بڑا انقلاب برپا نہیں کیا گیا۔ یہ معمولی بات نہیں بلکہ یہ خدائی مدد کی دلیل ہے۔

2۔ کم وقت میں انقلاب :-

انقلاب پیدا کرنے کے لئے وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ محمدی ﷺ انقلاب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ فقط دس سال کے عرصہ میں برپا ہو گیا۔ جب آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اصل میں اس وقت کام کے کھل کر کرنے کی ابتداء ہوئی۔ فقط دس سال کے عرصہ میں قرآن بھی مکمل نازل ہو چکا تھا۔ اور پھر اسلام کا پیغام لے کر بھی چل پڑے تھے۔ اس قلیل عرصہ میں اللہ کے محبوب ﷺ نے اس دنیا کو علم واخلاق کا انقلاب برپا کر کے دکھادیا۔ اتنے کم وقت میں کوئی بھی اتنا بڑا انقلاب پیدا نہیں کر سکتا۔ دس سال کے قلیل عرصہ میں قوموں کا رخ بدل دینا کوئی آسان بات نہیں ہے۔

3۔ غیر خونی انقلاب :-

محمدی ﷺ انقلاب کی تیسری خصوصیت یہ تھی کہ اس انقلاب کے دوران سب سے کم جانی نقصان ہوا۔ تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی مبارک زندگی میں جتنی بھی جنگیں لڑی گئیں ان میں مسلمان شہداء اور مقتول کفار کی کل تعداد 1062 افراد تھی ۔ اس اعتبار سے آپ اس انقلاب کو ,, غیر خونی انقلاب،، کہہ سکتے ہیں۔

میرے دوستو! ہمارا یہ اسلامی ملک ہے۔اس میں امن بھی ہے مگر یہاں پر بھی آپ دیکھیں تو مختلف شہروں میں جھگڑوں کے دوران ایک دو ماہ میں سینکڑوں انسان قتل ہو چکے ہوں گے۔ لیکن میرے محبوب ﷺ نے پوری دنیا میں دس سالوں میں جو انقلاب پیدا کیا اس میں فقط 1062 انسان کام آئے۔

غور سے سنئے کہ بغداد کے اندر ہلاکو خان نے بھی ایک انقلاب برپا کیا تھا۔ مگر ایک دن کے اندر بغداد میں دو لاکھ مسلمانوں کا خون بہایا گیا۔ یہ تو ایک دن کی بات ہے اور پورے انقلاب میں نہ معلوم کتنے لاکھ مسلمان کام آئے تھے۔ فرانس کے انقلاب میں 25 لاکھ انسان کام آئے۔ رشیا میں کمیونزم کا انقلاب آیا اور اس انقلاب کے دوران 40 لاکھ انسانوں کو قتل کیا گیا۔ قیام پاکستان کے وقت بھی ایک کروڑ انسانوں کو جانیں دینا پڑیں۔ مگر میرے محبوب ﷺ نے اتنے کم جانی نقصان کے ساتھ دنیا کو ہدایت کا راستہ دکھا دیا۔ پوری دنیا میں اس انقلاب کی مثال نہیں ملتی۔

کفار کا اعتراف :-

اس عاجز نے ایک محفل میں کفار سے کہا کہ تم بڑی باتیں کرتے ہو کہ ہم دنیا میں یہ انقلاب بھی لائیں گے اور وہ انقلاب بھی لائیں گے۔ ایک انقلاب 1,400 سال پہلے بھی آیا تھا۔ بتاؤ کہ اتنے کم وسائل کے ساتھ، اتنے کم وقت میں، اتنے کم نقصان کے ساتھ دنیا میں اتنا بڑا انقلاب آسکتا ہے ؟

میرے سامنے کفر کے بڑے بڑے گرو بیٹھے تھے۔ ان سب نے کہا کہ اتنے کم

وسائل کے ساتھ، اتنے کم وقت میں، اتنی کم خونریزی کے ساتھ اتنا بڑا انقلاب برپا کرنا تو کسی کے بس کی بات نہیں۔ جب انہوں نے اس بات کا اعتراف کیا تو میں نے انہیں کہا کہ پھر تم کیوں تسلیم نہیں کرتے کہ یہ کام کر کے دکھانے والے اللہ کے پیغمبر ہیں۔ مگر وہ کہنے لگے کہ ہم آپ کے پیغمبر کی تو بڑی عزت کرتے ہیں، ہم تو ان سے محبت کرتے ہیں، ہمیں ان سے تو کوئی گلہ نہیں، ہمیں تو موجودہ دور کے مسلمانوں سے گلہ ہے۔ یہ کفر کا ایک داؤ تھا کہ اس بات کو ٹالنے کے لئے انہوں نے موجودہ مسلمانوں کی زندگی پر کیچڑ اچھالنا شروع کر دیا۔

میرے دوستو! نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی اتنی پاکیزہ زندگی تھی کہ دنیائے کفر کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ ہمیں آپ ﷺ کی ذات پر کوئی گلہ نہیں۔

انسان کامل :-

ایک اور بات پر غور کیجئے۔ دنیا کے اندر بڑے بڑے لوگ آئے۔ کوئی جرنیل بنا، کوئی سپہ سالار بنا، کوئی وقت کا حکمران بنا، کوئی فلاسفر بنا، اور کوئی حکماء میں شامل ہوا۔ ان سب نے دنیا میں اپنی عظمت کا لوہا منوایا۔ کسی نے سائنس کے میدان میں، کسی نے شاعری اور فلاسفی کے میدان میں، کسی نے لغت اور ادب کے میدان میں تاریخ کے انمٹ نقوش چھوڑے۔ لیکن جب ان سب کی زندگیوں کو میں پڑھتا ہوں تو مجھے ان سب میں ایک بات Common (یکساں) نظر آتی ہے۔ وہ بات یہ ہے کہ اگر ہم نے کسی فاتح کے حالات زندگی کا مطالعہ کیا تو سب سے آخر میں یہ بات پڑھنے کو ملی کہ انہوں نے تو اور بھی علاقوں کو فتح کرنا تھا مگر زندگی نے ساتھ نہ دیا اور مزید علاقوں کو فتح نہ کر سکے۔ میں نے مختلف شعراء کی زندگیوں کا مطالعہ کیا۔ ان میں سے ہر ایک کے حالات زندگی کے آخر میں یہ الفاظ پڑھے کہ اس نے بہت ہی اچھا کلام کہا، مگر زندگی

نے وفانہ کی ورنہ اور بھی اچھا کلام کہہ جاتے۔ ہم نے سائنس دانوں کی زندگیوں کا مطالعہ کیا۔ آخر میں یہی نظر آیا کہ وہ بڑے اعلیٰ سائنس دان تھے، آخری عمر میں انہوں نے یہ کمال کر کے دکھادیا، زندگی نے وفانہ کی، اگر اور لمبی زندگی ملتی تو وہ اور بھی زیادہ سائنسی تحقیقات پیش کر جاتے۔ اسی طرح ہم نے مصنفین کے حالات زندگی پڑھے۔ آخر میں یہی پڑھنے کو ملا کہ انہوں نے بہت اچھی اچھی کتابیں لکھیں مگر زندگی نے وفانہ کی ورنہ اور بھی بہترین کتابیں لکھ لیتے۔ اس طرح جس مشہور شخصیت کی زندگی کو بھی دیکھتا ہوں مجھے نامکمل نظر آتی ہے۔ کیونکہ یہ کہنا کہ وقت نے مہلت نہ دی ورنہ کچھ کر کے دکھادیتے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ لکھنے والا (رائٹر) تسلیم کر رہا ہے کہ وہ کام کو ادھورا چھوڑ کر چلا گیا۔ گویا کسی کی زندگی میں تکمیل نظر نہیں آتی۔

لیکن پوری تاریخ انسانیت میں حضور نبی کریم ﷺ کی ایک ایسی ہستی نظر آتی ہے کہ جنہوں نے حجۃ الوداع کے موقع پر ایک لاکھ پچیس ہزار جانثاروں سے پوچھا، لوگو! بتاؤ میں جس پیغام کو لے کر آیا تھا کیا میں نے وہ پیغام آپ تک پہنچادیا ہے۔ ایک لاکھ پچیس ہزار صحابہ کرامؓ گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے پیغام کو پہنچانے کا حق ادا کر دیا ہے۔ آپ ﷺ اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں اَللّٰھُمَّ اَشْھَدْ اے اللہ گواہ رہنا۔ سبحان اللہ، پوری تاریخ انسانیت میں مجھے صرف اور صرف اپنے محبوب ﷺ کی زندگی مکمل نظر آتی ہے۔ لہٰذا میں ایسی ہستی کو اپنا قائد کیوں نہ مانوں جن کی کامل اور مکمل زندگی میری آنکھوں کے سامنے ہے۔

رہبر کامل :-

میرے دوستو! جب آدمی آنکھ اٹھا کر اوپر دیکھتا ہے تو اسے آسمان نظر آتا ہے۔ آپ زمین پر کھڑے ہو کر اوپر آنکھ اٹھایئے، آپ کو آسمان نظر آئے گا، آپ سمندر میں آ

اوپر اٹھایئے آپ کو آسمان نظر آئے گا، آپ پہاڑ کی چوٹی پر آنکھ اوپر اٹھایئے آپ کو آسمان نظر آئے گا، آپ ویرانوں میں اوپر آنکھ اٹھا کر دیکھیں تو آپ کو آسمان نظر آئے گا، صحرا میں آپ آنکھ اوپر اٹھائیں تو آپ کو آسمان نظر آئے گا۔

بالکل اسی طرح جب میں عملی زندگی کی طرف دیکھتا ہوں تو میں اپنی زندگی کے کسی شعبے میں رہنمائی حاصل کرنے کے لئے ذرا نگاہ اٹھاتا ہوں تو مجھے نبی کریم ﷺ کی مبارک زندگی آسمان ہدایت کی مانند نظر آتی ہے۔ میں اگر جوانی میں تعلیم حاصل کرنا چاہوں تو اس آسمان ہدایت سے مجھے آپ ﷺ کی جوانی نظر آتی ہے۔ حتیٰ کہ مجھے زندگی کے جس شعبہ میں رہبری کی ضرورت پڑتی ہے۔ میں آنکھ اٹھا کر آسمان ہدایت سے وہ تصویر دیکھ لیتا ہوں۔ سبحان اللہ، میرے آقا ﷺ کی وہ پاکیزہ اور کامل زندگی ہے جس نے دنیا کے اندر ہر میدان میں انسانیت کو رہبری عطا فرمائی۔

معلم کامل :-

میرے دوستو! مذہبی اداروں میں شخصیت پرستی کی بجائے خدا پرستی کی بنیاد کس نے ڈالی؟ میرے محبوب ﷺ نے ڈالی، چنانچہ ارشاد فرمایا **لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ** کہ خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں کی جاتی۔ اعتقادات کے اندر توہم پرستی کے بجائے حقیقت کی راہ دکھانے والے کون ہیں؟ وہ میرے آقا ﷺ ہیں۔ سائنس میں فطرت کی پوجا کرنے کی بجائے اس کو مسخر کرنے کا درس دینے والے کون ہیں؟ وہ میرے آقا ﷺ کی ذات بابرکات ہے۔ سیاسیات کے میدان میں نسلی بادشاہت کی بجائے اخلاق و صفات کے اعتبار سے عوام میں سب سے بہترین کو خلیفہ چننے کی تعلیمات کس نے دیں؟ میرے آقا ﷺ نے دیں۔ علم کی دنیا میں خیال آرائی کے بجائے حقیقت نگاری کا درس کس نے دیا؟ میرے آقا ﷺ نے دیا۔ ارے

سماجی تنظیم میں ظلم کے بجائے عدل کو بنیاد بنانے کی تعلیم کس نے دی ؟ میرے آقا ﷺ نے دی۔ میرے آقا ﷺ ہی تو تھے جنہوں نے مشرق و مغرب میں انقلاب برپا کر دیا۔ آج دنیا میں جتنی تعلیمات ہیں وہ سب کی سب اسی آفتاب ہدایت سے پھوٹی ہوئی کرنیں ہی نظر آتی ہیں۔ سبحان اللہ

عدل نبوی ﷺ کفار کی نظر میں :-

پچھلے دنوں امریکہ میں ایک بات بڑی مشہور ہوئی کہ وہاں کی سپریم کورٹ کے اندر انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی شبیہ بنائی، پوری صورت تو نہیں بنائی مگر ایسے ہی موٹا موٹا رنگ بھرا۔ اور پھر انہوں نے اس کے نیچے لکھا کہ یہ مسلمانوں کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ وہاں کے مسلمانوں کو اس پر بڑا دکھ ہوا۔ انہوں نے صدر اور سپریم کورٹ کے جج صاحبان کو خطوط لکھے کہ تم نے یہ تصویر کیوں بنائی ہے، ایسا کرنے کی اجازت نہیں ہے اور اس سے ہمارے جذبات مجروح ہو رہے ہیں۔ امریکہ کے صدر نے ان خطوط کا جواب دیا جو اخبارات اور دوسرے رسائل میں بھی چھپا۔ اس نے وضاحت کی کہ یہ ہمارے ملک کی سپریم کورٹ ہے، یہ عدل و انصاف پر قائم ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہاں ہر بات انصاف کے مطابق ہو۔ ہم نے پوری تاریخ کو اٹھا کر دیکھا، کہ دنیا میں انصاف کی تعلیم دینے والا کون تھا؟ ہم نے مسلمانوں کو دیکھا، غیر مسلموں کو دیکھا، حتیٰ کہ مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک جتنے انسان دنیا میں پیدا ہوئے ہم نے ان سب کی زندگیوں کا مطالعہ کیا۔ ہمیں پوری انسانیت میں ایک یہ ہستی نظر آتی ہے جنہوں نے عدل کی تعلیم دی ہے۔ ہم نے ان کی عظمت کو مانتے ہوئے ان کا نام اپنی سپریم کورٹ میں لکھا ہے۔ لوگو! جہاں دنیا میں عدل کی بات کی جائے گی وہاں ہمارے پیغمبر ﷺ کا نام لیا جائے گا۔ سبحان اللہ

برطانیہ اور سویڈن کے شہزادوں کے تاثرات :-

میرے پیارے پیغمبر ﷺ کی مبارک زندگی کفار کے دلوں کو بھی متاثر کر رہی ہے۔ اسی لئے کبھی برطانیہ کے شہزادے کا بیان آتا ہے کہ مسلمانوں کے پیغمبر ﷺ سے مجھے بڑی رہبری ملی ہے اور کبھی سویڈن کا شہزادہ 120 مذاہب کا مطالعہ کر کے بالآخر اسلام قبول کر لیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میرے آقا ﷺ کی زندگی میں وہ جاذبیت تھی کہ اس نے غیروں کے دلوں کو بھی متاثر کر دیا۔

صداقت نبوی ﷺ ابو جہل کی نظر میں :-

ابو جہل حضور اکرم ﷺ کا بد ترین دشمن تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کا فرعون چھوٹا تھا اور میرا فرعون (ابو جہل) بڑا فرعون ہے۔ بدر کے میدان میں ایک کافر نے ابو جہل سے پوچھا اے ابو الحکم! تمہاری عظمت کو میں جانتا ہوں۔ تم قریشیوں کے سردار ہو، مگر سچی بات بتاؤ کہ کیا تم اس پیغمبر ﷺ کو سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا؟ کہنے لگا کہ میں اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ وہ سچا انسان ہے اور اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اس نے کہا کہ جب تم سمجھتے ہو کہ وہ سچا انسان ہے تو اس کے پیغام کو قبول کیوں نہیں کر لیتے؟ کہنے لگا کہ اس سے میری سرداری چلی جائے گی۔ ارے! میرے پیغمبر ﷺ کے اخلاق کریمانہ نے تو ابو جہل جیسے دشمن اسلام کے دل کو بھی فتح کر لیا تھا لیکن حَمِیَةً جَاهِلِیَةً کی وجہ سے اس کو ایمان کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔ ارے! کفار کے دل بھی مانتے ہیں مگر جسے اللہ چاہتا ہے ہدایت عطا فرما دیتا ہے۔

ہماری ذمہ داری :-

ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے آقا ﷺ کی تعلیمات کو حاصل کریں اور ان کے مطابق اپنی زندگی گزارتے چلے جائیں۔ کیونکہ

مرا قائد ہے وہ زندگی پیغام تھا جس کا
صداقت ذات تھی جس کی امانت نام تھا جس کا
وہ رفتہ رفتہ جس نے قوم کو منزل عطا کر دی
کلی آغاز تھی جس کی چمن انجام تھا جس کا

جب آپ ﷺ تشریف لائے تو قوم یقیناً جہالت کی اتھاہ گہرائیوں میں گری پڑی تھی۔ آپ ﷺ نے اس قوم کے نوجوانوں پر محنت فرمائی اور جب وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر پوری دنیا کے سامنے گئے تو

چڑھتے سورج سے تاج مانگا سمندروں سے خراج مانگا

کے مصداق اپنی عظمت کا لوہا منوایا۔ آیئے اس پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کی عظمتوں کو سلام کرتے ہوئے آپ ﷺ کی پاکیزہ زندگی کے مطابق ہم اپنے دلوں میں ایک اچھی زندگی گزارنے کے ارادے کرلیں۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی پاکیزہ زندگی عطا فرمادیں، گناہوں سے خالی اور اچھے اخلاق والی زندگی عطا فرمادیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے محبوب ﷺ کے نقش قدم پر چل کر زندگی گزارنے کی توفیق نصیب فرمادیں۔ (آمین ثم آمین)

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کر دے

وَ آخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o

نسبت کا مقام

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اَفَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاس وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْنُوْرُ اِذَا دَخَلَ الصَّدْرَ اِنْفَتَحَ ○ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اعمال کی دو قسمیں :

اعمال کی دو قسمیں ہیں، اعمال صالحہ اور اعمال سیئہ۔ اعمال صالحہ نیک کاموں کو کہتے ہیں اور اعمال سیئہ گناہوں کو کہتے ہیں۔ جو کام اللہ رب العزت کے حکم کے مطابق ہو اور نبی اکرم ﷺ کی سنت کی مطابق ہو وہ اعمال صالحہ میں شامل ہے اور جو کچھ اس کے علاوہ ہو وہ اعمال سیئہ میں شامل ہے۔

باطن پر اعمال کے اثرات :

انسان کے باطن پر اعمال کے اثرات پڑتے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک صحابی نماز میں آکر شریک ہوئے مگر وضو کرنے میں کوئی کمی رہ گئی تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے سلام

پھیر کر ارشاد فرمایا، کون ہے جس کی وجہ سے ہماری نماز کے اندر اثر ہوا؟ محدثین نے یہاں سے نتیجہ نکالا کہ وضو میں کمی رہ جانا ایک ظاہری عمل تھا مگر اس کا بھی باطن پر اثر ہو گیا۔ اگر ساتھ والے کے عمل کا انسان کے باطن پر اتنا اثر ہوتا ہے۔ تو اگر انسان کا اپنا عمل خراب ہو گا تو پھر اس کے باطن پر کتنا بڑا اثر ہو گا......!!!

گناہوں کی وجہ سے دل کا سیاہ ہو جانا :

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب بھی انسان کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ داغ لگ جاتا ہے۔ اگر سچی توبہ کر لے تو مٹ جاتا ہے۔ اگر توبہ نہ کرے اور دوسرا گناہ کر لے تو دوسرا داغ لگ جاتا ہے۔ اگر بالکل توبہ نہ کرے تو یہ سیاہی گناہوں کے ساتھ ساتھ اتنی بڑھتی چلی جاتی ہے کہ اس انسان کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اس کو ''رین قلب'' کہتے ہیں۔ یعنی دل کا زنگ، دل کی سیاہی۔ قرآن پاک سے اس کی دلیل ملتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے، كَلَّا بَلْ سکتہ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ کیوں نہیں، انکی بداعمالیوں کی وجہ سے ان کے دل پر زنگ لگا دیا گیا ہے۔ استغفار کی کثرت سے یہ سیاہی دھل جاتی ہے جبکہ غفلت اور گناہوں سے یہ سیاہی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ جس انسان نے کلمہ نہیں پڑھا اس کا دل بالکل سیاہ ہوتا ہے۔ اور جس نے کلمہ پڑھ لیا اس کا دل نور ایمان سے لبریز ہو جاتا ہے۔

کفر اور ایمان اللہ تعالی کی نظر میں :

اللہ رب العزت کو کفر اور کافر سے ذاتی عداوت ہے جبکہ ایمان اور مومن بندوں سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہے۔ اسی لئے ارشاد فرمایا، اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اللہ تعالیٰ دوست ہے ایمان والوں کا۔ آداب شاہانہ تو یہی تھے کہ یوں فرمایا جاتا کہ

ایمان والے ہمارے دوست ہیں۔ مگر اس نسبت کو اپنی طرف پسند فرمایا۔ سبحان اللہ، بندوں پر اتنے مہربان، اتنے کریم اور اتنے رحیم کہ نسبت اپنی طرف فرمائی۔اس نسبت کی اللہ رب العزت کے ہاں بڑی قیمت ہے۔

دو طرح کی مخلوق :

اللہ تعالیٰ کے ہاں مخلوق دو طرح کی ہے۔ هُوَالَّذِیْ خَلَقَكُمْ وہ ذات جس نے تمہیں پیدا کیا، فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ تم میں سے کافر بھی ہیں اور تم میں سے ایمان والے بھی ہیں۔ گویا اس اعتبار سے بندوں کی تقسیم دو طرح سے ہے۔ کفار کے دلوں پر ظلمت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں ان کے لئے ایک عجیب مثال بیان فرمائی گئی :فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ سمندر میں جب تلاطم آتا ہے تو لہروں پر لہریں پڑ رہی ہوتی ہیں۔ اگر اس وقت آسمان پر بادل بھی ہوں تو سمندر کی تہہ میں اتنا اندھیرا ہوتا ہے کہ آدمی کو اپنا ہاتھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ قرآن نے کفار کے دلوں کی کیفیت بیان کرتے ہوئے یہی کہا کہ ان کی مثال ایسے ہے جیسے سمندر میں لہروں کے اوپر لہریں آ رہی ہوں، آسمان کے اوپر بادل ہوں پھر نیچے اگر کوئی اپنا ہاتھ نکالے لَمْ یَكَدْ یَرٰهَا وہ کبھی اس کو دیکھ نہیں پاتا۔ کس لئے؟ وَ مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ جس کے لئے اللہ تعالیٰ کوئی نور ہی نہ بنائے پھر اس کے لئے نور نہیں ہوتا۔

نسبت کی لاج :

محترم جماعت! اگر اللہ تعالیٰ اتنی بات ہی فرما دیتے کہ اللہ تعالیٰ دوست ہے ایمان والوں کا، تو بات اپنے معانی کے اعتبار سے مکمل ہو جاتی۔ مگر ایک بات اور آگے

فرمادی جس نے مسئلہ کو بالکل واضح کر دیا۔ فرمایا یُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ اللہ تعالیٰ ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال کر لے جاتا ہے۔ چونکہ اللہ رب العزت مومن کا اندھیرے میں رہنا پسند نہیں فرماتے۔ اس لئے قرآن مجید میں فرمایا الٓرٰ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ یہ کتاب ہے جو ہم نے آپ پر نازل کی۔ لِتُخْرِجَ النَّاسَ تاکہ آپ نکالیں انسانوں کو مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ اندھیروں سے روشنی کی طرف۔ گویا قرآن مجید اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جانے والی کتاب ہے۔ اللہ رب العزت جن بندوں سے محبت فرماتے ہیں ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے جاتے ہیں اور یہ روشنی ایمان والوں کو نصیب ہوتی ہے۔ کلمہ پڑھنے سے بندے کو اللہ رب العزت کے ساتھ ایک نسبت ہو جاتی ہے۔

عبرتناک واقعہ :

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی میرے کسی تعلق والے کا قریبی عزیز تھا۔ وہ بیمار ہو گیا۔ قریب تھا کہ اسے موت آجائے۔ وہ تعلق والا بندہ میرے پاس آیا اور اس نے بڑی منت سماجت کی کہ حضرت! آخری وقت ہے، تشریف لائیں اور کچھ توجہات فرمائیں۔ اس کی آخرت اچھی بن جائے گی۔ فرماتے ہیں کہ میں وہاں گیا۔ میں نے بہت دیر تک توجہ دی مگر میں نے دیکھا کہ اس کے دل کی ظلمت پر کوئی فرق نہ پڑا۔ میں بڑا حیران ہوا کہ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ پہلے تو جب بھی اللہ تعالیٰ کی مدد سے متوجہ ہوا، رب کی رحمت نے یاوری فرمائی اور سالکین کے دلوں کی ظلمتوں کو دور کر دیا۔ یہ عجیب معاملہ تھا کہ اتنی توجہ بھی کی مگر اس کے دل پر ذرہ برابر بھی اثر نہ ہوا۔ بے اختیار اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا تو دل میں القاء

فرمایا گیا کہ آپ کی توجہ سے یہ ظلمت دور نہیں ہو گی، اس لئے کہ اس آدمی کے کفار کے ساتھ محبت کے تعلقات ہیں۔ کافروں سے محبت رکھنے کی وجہ سے دل پر ایسی ظلمت آئی جو وقت کے مجدد کی توجہات سے بھی دور نہ ہو سکی۔

عقائد کا فساد :

حضرت خواجہ فضل علی قریشیؒ کے خلفاء میں سے حضرت خواجہ احمد سعیدؒ احمد پور شرقیہ میں رہتے تھے۔ وہ اپنے حالات زندگی میں خود فرماتے ہیں کہ میں بسا اوقات سالکین کے دل پر توجہ کرتا ہوں تو اس کے اثرات محسوس ہوتے ہیں مگر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے دلوں سے وہ فیض ٹکرا کر واپس آجاتا اور مجھے اس میں سے آواز آتی ہے کہ ہمارے لئے اس دل میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ فرمایا جب میں نے تحقیق کی تو مجھے پتہ چلا کہ وہ آدمی عقائد کے فساد میں مبتلا ہیں۔

حضرت یوسفؑ کے نزدیک نسبت کا مقام :

جس کو کسی سے نسبت ہو جاتی ہے وہ اس نسبت کی لاج رکھا کرتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت یوسفؑ کے پاس قحط کے زمانے میں ایک لڑکا غلہ لینے کے لئے آیا۔ آپ نے اسے کچھ غلہ دے دیا۔ اس کے بعد اس نے آپ کو کوئی بات بتائی تو آپ اتنے خوش ہوئے کہ اس کو اور زیادہ غلہ دیا، اور انعامات و اعزازات کے ساتھ رخصت کیا۔ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی۔ اے میرے پیارے پیغمبرؑ! آپ نے اس لڑکے کا اتنا زیادہ اکرام کیوں کیا؟ عرض کیا، رب کریم! میں نے تو ابتداء میں اس کو وہ حصہ دیا جو بنتا تھا لیکن اس نے مجھے بتایا کہ میں وہ لڑکا ہوں جس نے بچپن میں آپ کی پاکدامنی کی گواہی دی تھی۔ اس بات کو سن کر میرے دل میں محبت تڑپ اٹھی کہ یہ وہ لڑکا ہے

جس نے بچپن میں میری پاکدامنی کی گواہی دی تھی۔ آج یہ بے حال ہو کر میرے پاس کچھ لینے کیلئے آیا ہے، میں کیوں نہ اس گواہی کی وجہ سے اس کا اکرام کروں۔ اس لئے اے اللہ! میں نے اس کا اکرام کیا، میں نے اسے وہ کچھ دیا جو میرے اختیار میں تھا۔ رب کریم نے وحی نازل فرمائی، اے میرے پیغمبرؑ! جس نے آپ کی پاکدامنی کی گواہی دی آپ نے اس کو اتنا کچھ دیا جو آپ دے سکتے تھے، آپ نے وہ کچھ کیا جو آپ کی شان کے مطابق تھا۔ یاد رکھئے! جو بندہ دنیا میں میری الوہیت کی گواہی دے گا، میری ربوبیت کی گواہی دے گا، جب وہ میرا بندہ قیامت کے دن میرے سامنے آئے گا تو میں پروردگار بھی وہ کچھ دوں گا جو میری شان کے مطابق ہوگا۔ سبحان اللہ

بندی اور بندے کی معافی :

ایک آدمی کی بیوی سے کوئی غلطی ہوگئی۔ نقصان کر بیٹھی۔ اگر وہ چاہتا تو اسے سزا دے سکتا تھا، اگر وہ چاہتا تو اسے طلاق دے کر گھر بھیج سکتا تھا کیونکہ وہ حق بجانب تھا۔ تاہم اس آدمی نے یہ سوچا کہ میری بیوی نقصان تو کر بیٹھی ہے، چلو میں اس اللہ کی بندی کو معاف کر دیتا ہوں۔ کچھ عرصہ کے بعد اس شخص کی وفات ہوگئی۔ کسی کو خواب میں نظر آیا۔ خواب دیکھنے والے نے پوچھا کہ سناؤ آگے کیا معاملہ بنا؟ کہنے لگا کہ اللہ رب العزت نے میرے اوپر مہربانی فرمادی۔ اس نے پوچھا، وہ کیسے؟ کہنے لگا کہ ایک مرتبہ میری بیوی غلطی کر بیٹھی تھی۔ میں چاہتا تو سزا دے سکتا تھا مگر میں نے اس کو اللہ کی بندی سمجھ کر معاف کر دیا۔ پروردگار عالم نے فرمایا کہ تو نے اسے میری بندی سمجھ کر معاف کر دیا، جا میں تجھے اپنا بندہ سمجھ کر معاف کر دیتا ہوں۔

نسبت کی قدر و قیمت

ایمان والوں کو اللہ رب العزت سے ایک نسبت ہے۔ اور اس نسبت کی قدر و قیمت اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت زیادہ ہے۔ بندے تو سب ہی اللہ کے ہیں لیکن جس نے کلمہ پڑھ لیا وہ بندہ اللہ رب العزت کے ساتھ ایمان کی نسبت سے جڑ گیا۔

نسبت کی وجہ سے رتبے میں فرق :

ایک بھٹے میں دو اینٹیں پکیں جو کسی آدمی نے خریدیں۔ ایک کو مسجد کے صحن میں اس نے لگادیا اور دوسری کو اس نے بیت الخلاء میں لگادیا۔ اینٹیں ایک جیسی، بنانے والا ایک آدمی، قیمت بھی ایک جیسی، لگانے والا بھی ایک آدمی۔ لیکن ایک کو نسبت مسجد سے ہو گئی اور ایک کو نسبت بیت الخلاء سے ہو گئی۔ جس کی نسبت بیت الخلاء سے ہوئی، وہاں ہم ننگا پاؤں بھی رکھنا پسند نہیں کرتے اور جس کی نسبت بیت اللہ (مسجد) سے ہوئی وہاں ہم اپنی پیشانیاں ٹیکتے پھرتے ہیں۔ دونوں کے رتبے میں فرق کیوں ہوا؟ چیز ایک تھی، قیمت ایک جیسی تھی اور ایک ہی طریقے سے لگی تھیں مگر نسبت نے دونوں میں فرق پیدا کر دیا۔

قرآن مجید کے گتے کا رتبہ :

فقہاء نے مسئلہ لکھا ہے کہ اگر آپ قرآن مجید پر ایک گتہ جوڑ دیں حتی کہ وہ اس کا جزو بن جائے تو اب جس طرح لکھے ہوئے کاغذ کو آپ بے وضو نہیں چھو سکتے اسی طرح اس گتے کو بھی بے وضو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ کوئی آدمی اگر یہ کہے کہ گتے پر قرآن مجید نہیں لکھا ہوا، گتہ اور چیز ہے اور جن کاغذوں پر قرآن لکھا ہوا وہ اور چیز ہے تو فقہاء اس کا جواب دیں گے کہ گتہ تو واقعی غیر چیز تھی، جنس غیر تھی مگر سلائی کے

ذریعے سے قرآن کے ساتھ یہ جڑ گیا، لہذا اس یک جان ہونے کی نسبت کے صدقے اللہ تعالیٰ نے گتے کو بھی وہ مقام دے دیا کہ اب ہم اس گتے کو بھی بے وضو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔

سیدنا عیسیٰؑ کی اپنی قوم سے محبت:

سیدنا عیسیٰؑ اللہ رب العزت کے جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ روز محشر جب آپ کی قوم کی باری آئے گی تو اللہ رب العزت فرمائیں گے کہ یہ نصرانی تو کہتے ہیں کہ ہمیں ہمارے پیغمبر نے کہا **اِتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے ساتھ شریک بنالو، معبود بنالو۔ تو حضرت عیسیٰؑ سچ بیان فرمائیں گے کہ اے اللہ! میں نے تو ان کو یہ نہیں کہا تھا۔ اور پھر عجیب بات کہیں گے کہ اے اللہ! **اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ** اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے ہی بندے ہیں۔ سبحان اللہ! یہاں یہ نہیں کہا کہ اے اللہ! اگر آپ ان کو عذاب دیں تو یہ جھوٹے ہیں۔ اس لئے کہ امت تو اپنی تھی۔ اگرچہ گنہگار نکلی، خطاکار نکلی مگر پھر بھی اپنے ہونے کی وجہ سے اتنا خیال رکھیں گے اور آگے کہیں گے **وَاِنْ تَغْفِرْلَهُمْ** اور اے اللہ اگر تو ان کی مغفرت کردے، تو یہ نہ کہیں گے کہ بندے تیرے ہی ہیں بلکہ فرمائیں گے کہ **فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ** اے اللہ! تو مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

حضرت علیؓ کا گرانقدر ملفوظ:

اللہ رب العزت کو ایمان والی نسبت بہت محبوب ہے۔ اسی لئے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ! میرے لئے یہی عزت کافی ہے کہ تو میرا پروردگار ہے اور میرے لئے یہی فخر کافی ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں۔ سبحان اللہ! کتنی

سادہ سی بات ہے لیکن کتنی محبت بھری بات ہے۔

ایمان والوں سے اللہ تعالیٰ کا سودا :

ایمان والوں کو کلمے کی بدولت ایسا مقام ملا کہ پروردگار عالم فرماتے ہیں، اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلے خرید لیا۔ سبحان اللہ ' خود ہی اس کی خریداری کا اعلان فرما دیا۔ بندہ تو کلمہ پڑھ کر ایمان والوں کی فہرست میں شامل ہوا اور اگلا معاملہ اللہ نے خود طے فرما دیا۔ اس پر کسی نے کیا خوب کہا :

جب تک بکے نہ تھے کوئی پوچھتا نہ تھا
تم نے خرید کر ہمیں انمول کر دیا

پنجابی میں کسی بزرگ نے کیا ہی اچھی بات کہی، فرمایا :

وکانی ہاں تیڈے نام پچھوں تئیں تے کون کمینی نوں جاندا ہائی
میڈے گل پٹہ تیڈے نام والا تیڈے نام کوں جگ سنجاندا ہائی

اس لئے اللہ والے اپنے گلے میں اللہ تعالیٰ کے نام کا پٹہ ڈال لیتے ہیں اور اللہ رب العزت ان کو پوری دنیا میں عزتیں دے دیتے ہیں۔

سب سے بہترین زمانہ :

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ سب سے بہتر میرا زمانہ ہے، پھر کون لوگ ؟ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ پھر وہ جو ان سے ملے ہوئے ہیں۔ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ان کے بعد پھر وہ جو ان سے ملے ہوئے ہیں۔ تو نبی علیہ السلام کے زمانے کو اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کے ساتھ ایک نسبت ہے۔ وہ ایسا زمانہ ہے کہ

بعض مفسرین کے نزدیک وَ الْعَصْرِ کہہ کر اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کے اس دور کی قسم کھائی۔ نبی اکرم ﷺ کی عمر کی قسم کھائی لَعَمْرُكَ اے محبوب ﷺ! مجھے قسم ہے آپ کی عمر کی۔ لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ مجھے قسم ہے اس شہر کی وَ اَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ اور میرے محبوب! آپ اس شہر میں اپنی زندگی گزارتے ہیں۔ یہ قسمیں کھانے کی وجہ یہ تھی کہ ان چیزوں کو اللہ کے محبوب ﷺ سے ایک نسبت ہو گئی تھی۔ سبحان اللہ

حکیم ترمذیؒ کا سبق آموز واقعہ :

حکیم ترمذیؒ کو اللہ تعالیٰ نے دین کا بھی حکیم بنایا تھا اور دنیا کی بھی حکمت دی تھی۔ ترمذ کے رہنے والے تھے۔ اس وقت دریا آمو کے بالکل کنارے پر ان کا مزار ہے۔ اس عاجز کو ان کے مزار پر حاضری کا شرف نصیب ہو چکا ہے۔ آپ وقت کے ایک بہت بڑے محدث بھی تھے اور طبیب بھی۔ اللہ رب العزت نے آپ کو حسن و جمال اتنا دیا تھا کہ دیکھ کر دل فریفتہ ہو جاتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو باطنی حسن و جمال بھی عطا کیا ہوا تھا۔ اللہ رب العزت نے ان کو اپنے علاقے میں قبولیت عامہ تامہ عطا کر رکھی تھی۔

آپ عین جوانی کے وقت ایک دن اپنے مطب میں بیٹھے تھے کہ ایک عورت آئی اور اس نے اپنا چہرہ کھول دیا۔ وہ بڑی حسینہ جمیلہ تھی۔ کہنے لگی کہ میں آپ پر فریفتہ ہوں، بڑی مدت سے موقعہ کی تلاش میں تھی، آج تنہائی ملی ہے آپ میری خواہش پوری کریں۔ آپ کے دل پر خوف خدا غالب ہوا تو رو پڑے۔ آپ اس انداز سے روئے کہ وہ عورت نادم ہو کر واپس چلی گئی۔ وقت گزر گیا اور آپ اس بات کو بھول ہی گئے۔

جب آپ کے بال سفید ہو گئے اور کام بھی چھوڑ دیا تو ایک مرتبہ آپ مصلے پر بیٹھے تھے۔ ایسے ہی آپ کے دل میں خیال آیا کہ فلاں وقت جوانی میں ایک عورت نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ اس وقت اگر میں گناہ کر بھی لیتا تو آج میں توبہ کر لیتا۔ لیکن جیسے ہی دل میں یہ خیال گزرا تو رونے بیٹھ گئے۔ کہنے لگے، اے رب کریم! جوانی میں تو یہ حالت تھی کہ میں گناہ کا نام سن کر اتنا رویا کہ میرے رونے سے وہ عورت نادم ہو کر چلی گئی تھی، اب میرے بال سفید ہو گئے تو کیا میرا دل سیاہ ہو گیا۔ اے اللہ! میں تیرے سامنے کیسے پیش ہوں گا۔ اس بڑھاپے کے اندر جب میرے جسم میں قوت ہی نہیں رہی تو آج میرے دل میں گناہوں کا خیال کیوں پیدا ہوا۔

روتے ہوئے اسی حال میں سو گئے۔ خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ پوچھا، حکیم ترمذی! تو کیوں روتا ہے؟ عرض کیا، میرے محبوب ﷺ! جب جوانی کا وقت تھا، جب شہوات کا دور تھا، جو قوت کا زمانہ تھا، جب اندھے پن کا وقت تھا، اس وقت تو خشیت کا یہ عالم تھا کہ گناہ کی بات سن کر میں اتنا رویا کہ وہ عورت نادم ہو کر چلی گئی۔ لیکن اب جب بڑھاپا آیا ہے تو اے اللہ کے محبوب ﷺ! میرے بال سفید ہو گئے لگتا ہے کہ میرا دل اس قدر سیاہ ہو گیا ہے کہ میں سوچ رہا تھا کہ میں اس عورت کی خواہش پوری کر دیتا اور بعد میں توبہ کر لیتا۔ میں اس لئے آج بہت پریشان ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا "یہ تیری کمی اور قصور کی بات نہیں، جب تو جوان تھا تو اس زمانے کو میرے زمانے سے قرب کی نسبت تھی۔ ان برکتوں کی وجہ سے تیری کیفیت اتنی اچھی تھی کہ گناہ کی طرف خیال ہی نہ گیا۔ اب تیرا بڑھاپا آگیا ہے تو میرے زمانے سے دوری ہو گئی ہے اس لئے اب دل میں گناہ کا وسوسہ پیدا ہو گیا"۔

سلف صالحین اور نسبت کا خیال

سلف صالحین نسبتوں کا بڑا اکرام فرماتے تھے۔ اس کی بھی چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

باسی روٹی کی نسبت :

ایک بزرگ کے سامنے جب بھی دستر خواں پر روٹیاں رکھی جاتیں تو وہ ٹھنڈی روٹی پہلے کھاتے اور گرم روٹی بعد میں۔ کسی نے کہا، حضرت! جب ٹھنڈی اور گرم دونوں قسم کی روٹیاں موجود ہوں تو جی تو چاہتا ہے کہ گرم روٹی پہلے کھائیں کیونکہ ٹھنڈی روٹی تو ٹھنڈی ہو چکی ہوتی ہے اس لئے وہ بعد میں کھانی چاہئے۔ مگر اللہ والوں کی نگاہ کہیں اور ہوتی ہے۔ انہوں نے فرمایا، نہیں یہ ٹھنڈی اور گرم دونوں میرے سامنے ہوتی ہیں، میں ان پر نظر دوڑاتا ہوں اور اپنے دل سے پوچھتا ہوں کہ اے دل! تیرا جی چاہتا ہے کہ گرم روٹی کھا کر لطف اٹھائے مگر سوچ تو سہی کہ ٹھنڈی روٹی پہلے پکی اس لئے اس کو قرب کی نسبت زیادہ حاصل ہے اور گرم روٹی بعد میں پکی اس لئے اس کو دور کی نسبت ہے۔ لہذا میں قرب کی نسبت والی روٹی پہلے کھاتا ہوں اور بعد والی روٹی کو بعد میں کھاتا ہوں۔ اندازہ لگائیے کہ دستر خوان پر بیٹھے ہوئے ان چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی اللہ رب العزت کے محبوب ﷺ سے جو نسبت ہوتی تھی اللہ والے اس نسبت کا بھی خیال فرماتے تھے۔ سبحان اللہ

حضرت عمرؓ کے نزدیک نسبت کا مقام :

سیدنا عمرؓ ابن الخطاب نے اپنے دورِ خلافت میں اپنے بیٹے عبداللہ ابن عمرؓ کا مشاہرہ (تنخواہ) کم متعین کیا اور حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کا مشاہرہ زیادہ متعین فرمادیا۔ حضرت زیدؓ نبی اکرم ﷺ کے منہ بولے بیٹے تھے۔ جب مشاہرہ متعین ہو گیا تو حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے پوچھا، ابا جان! علم و فضل میں اللہ تعالیٰ نے مجھے بڑھادیا مگر آپ نے اسامہؓ کا مشاہرہ مجھ سے زیادہ متعین فرمایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں ارشاد فرمایا، بیٹے! اسامہؓ تیری نسبت اللہ کے محبوب ﷺ کو زیادہ پیارا تھا اور اسامہؓ کا باپ تیرے باپ سے زیادہ حضور اکرم ﷺ کو پیارا تھا اس لئے میں نے اسامہؓ کا مشاہرہ زیادہ مقرر کیا ہے۔ اللہ اکبر

نسبت کے احترام سے ولایت ملنے کا واقعہ :

حضرت جنید بغدادیؒ اپنے وقت کے شاہی پہلوان تھے۔ بادشاہ وقت نے اعلان کروا رکھا تھا کہ جو شخص ہمارے پہلوان کو گرائے گا اس کو بہت زیادہ انعام دیا جائیگا۔ سادات کے گھرانے کا ایک آدمی بہت کمزور اور غریب تھا۔ نان شبینہ کو ترستا تھا۔ اس نے سنا کہ وقت کے بادشاہ کی طرف سے اعلان ہو رہا ہے کہ جو ہمارے پہلوان کو گرائے گا ہم اسے اتنا زیادہ انعام دیں گے۔ اس نے سوچا کہ جنید کو رستم زماں کہا جاتا ہے۔ میں اسے گرا تو نہیں سکتا مگر میرے گھر میں غربت بہت زیادہ ہے۔ مجھے پریشانی بھی بہت ہے اور سادات میں سے ہوں اس لئے کسی کے آگے جا کر اپنا حال بھی نہیں کھول سکتا، چلو میں مقابلہ کی کوشش تو کرتا ہوں۔ چنانچہ اس نے جنید سے کشتی لڑنے کا اعلان کر دیا۔ وقت کا بادشاہ بہت حیران ہوا کہ اتنے بڑے پہلوان

کے مقابلے میں ایک کمزور سا آدمی۔ بادشاہ نے اس شخص سے کہا کہ تو شکست کھا جائے گا۔ اس نے کہا کہ نہیں میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ چنانچہ مقابلے کیلئے دن متعین کر دیا گیا۔ بادشاہ وقت بھی کشتی دیکھنے کے لئے آیا۔ جب دونوں پہلوانوں نے پنجہ آزمائی شروع کی تو وہ سید صاحب کہتے ہیں، جنید! تو رستم زماں ہے، تیری بڑی عزت ہے، تجھے بادشاہ سے روزینہ ملتا ہے، لیکن دیکھ لے میں سادات میں سے ہوں، غریب ہوں، میرے گھر میں اس وقت پریشانی اور تنگی ہے، آج اگر تو گر جائے گا تو تیری عزت پر وقتی طور پر حرف آئے گا لیکن میری پریشانی دور ہو جائے گی۔ اس کے بعد اس نے کشتی کرنا شروع کر دی۔ جنید حیران تھے کہ اگر چاہتے تو بائیں ہاتھ کے ساتھ اس کو نیچے پٹخ سکتے تھے، مگر اس نے نبی اکرم ﷺ کی قرابت کا واسطہ دیا تھا۔ یہ محبوب ﷺ کی نسبت تھی جس سے جنید کا دل پسیج گیا تھا۔ دل نے فیصلہ کیا کہ جنید! اس وقت عزت کا خیال نہ کرنا، تجھے محبوب ﷺ کے ہاں عزت مل جائے تو تیرے لئے یہی کافی ہے۔ چنانچہ تھوڑی دیر پنجہ آزمائی کی اور اس کے بعد جنید خود ہی چت ہو گئے اور وہ کمزور آدمی ان کے سینے پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ میں نے ان کو گرا لیا۔ بادشاہ نے کہا کہ نہیں کوئی وجہ بن گئی ہو گی لہذا دوبارہ کشتی کروائی جائے۔ چنانچہ دوبارہ کشتی ہوئی، جنید خود ہی گر گئے اور اسے اپنے سینے پر بٹھا لیا۔ بادشاہ بہت ناراض ہوا، اس نے جنید کو بہت زیادہ لعن طعن کی۔ حتیٰ کہ اس نے کہا کہ جی چاہتا ہے کہ جوتوں کا ہار تیرے گلے میں ڈال کر پورے شہر میں پھرا دوں، تو اتنے کمزور آدمی سے ہار گیا۔ آپ نے وقتی ذلت کو برداشت کر لیا۔ گھر آکر بتایا تو بیوی بھی پریشان ہوئی اور باقی اہل خانہ بھی پریشان ہوئے کہ تو نے اپنی عزت کو آج خاک میں ملا دیا۔ مگر جنید کا دل مطمئن تھا۔

رات کو سوئے تو خواب میں اللہ کے محبوب ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ پ ﷺ نے فرمایا جنید! تو نے ہماری خاطر یہ ذلت برداشت کی ہے، یاد رکھنا کہ ہم یری عزت کے ڈنکے دنیا میں بجادیں گے۔ چنانچہ وہ جنید بغدادی جو ظاہری پہلوان تھا اللہ رب العزت نے اسے روحانی دنیا کا پہلوان بنادیا۔ آج جہاں بھی تصوف کی بات ی جائے گی جنید بغدادی کا تذکرہ ضرور کیا جائے گا۔

بعض مشائخ کا معمول:

ہمارے بعض مشائخ کا معمول رہا ہے کہ اگر ان کے ہاں کوئی صاحب نسبت بزرگ مہمان آتے تو وہ ان کا کھانا اپنے سر پر اٹھا کر لے جاتے۔ حالانکہ ہاتھوں میں بھی اٹھا کر لے جا سکتے تھے مگر نسبت کے اکرام کی وجہ سے وہ صاحب نسبت بزرگ کا کھانا اپنے سر پر اٹھا کر لے جاتے تھے۔

صاحب نسبت بزرگ کے تحفے کا اکرام:

دو بزرگ صاحب نسبت تھے۔ ان کی آپس میں محبت بہت زیادہ تھی۔ ان میں سے ایک بزرگ دوسرے بزرگ سے ملنے کیلئے گئے۔ سوچا کہ میں ان کے پاس کوئی تحفہ لے جاؤں۔ کیونکہ حدیث پاک میں آیا ہے تھادوا تحابوا تم ایک دوسرے کو ہدیہ دو محبت بڑھے گی۔ چنانچہ سوچا کہ میں کیا لے کر جاؤں کیونکہ کچھ بھی اپنے پاس نہیں تھا۔ مگر دل میں اخلاص تھا۔ اس لئے دل میں خیال آیا کہ جنگل میں سے لکڑیاں کاٹ کر لے جاؤں۔ چنانچہ لکڑیاں کاٹیں، ان کا گٹھا بنایا اور سر پر اٹھا کر لے چلے کہ میں اپنے ایک بھائی کو تحفہ دینے کیلئے جا رہا ہوں۔ جب لکڑیاں وہاں جا کر رکھیں تو انہیں کہا کہ میں آپ کیلئے تحفہ لایا ہوں۔ انہوں نے یہ تحفہ گھر بھجوا دیا اور اپنے اہل خانہ کو

وصیت کی یہ ایک صاحب نسبت بزرگ کا تحفہ ہے۔ جب میں مر جاؤں تو میری میت کے غسل کا پانی ان لکڑیوں سے گرم کیا جائے۔ سبحان اللہ

نسبت کے احترام پر گناہوں کی بخشش :

کعب احبارؓ وہ صحابی تھے جو علمائے بنی اسرائیل میں سے تھے۔ انہوں نے بعد میں اسلام قبول کر لیا۔ انہیں دو پیغمبروں پر ایمان لانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ دنیا میں بھی سعادت ملی اور قیامت کے دن بھی ان کو دوہرا اجر ملے گا۔ وہب بن منبہ ان کا عمل نقل کرتے ہیں کہ جب نماز کا وقت ہوتا تو ان کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ آخری صف میں نماز پڑھیں۔ جبکہ دوسرے لوگ دوڑ دوڑ کر پہلی صف میں جاتے کیونکہ پہلی صف کے اجر اور اس کی فضیلت کے بارے میں احادیث میں بتایا گیا ہے۔ ان کے شاگردوں نے جب ان کا یہ عمل دیکھا تو پوچھا، حضرت! دوسرے لوگ تو پہلی صف کیلئے کوشش کرتے ہیں اور آپ پہلی صف کی کوشش نہیں کرتے، پچھلی صف میں ہی کھڑے ہو کر نماز پڑھ لیتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ حضرت کعبؓ نے فرمایا کہ میں نے تورات اور اس کے علاوہ باقی آسمانی کتابوں میں پڑھا ہے کہ امت محمدیہ ﷺ میں سے بعض ایسے بندے ہوں گے جو اپنے پروردگار کو اتنے مقبول ہوں گے کہ جہاں کھڑے ہو کر وہ نماز پڑھیں گے ان کے پیچھے اقتداء کرنے والے جتنے ہوں گے اللہ تعالیٰ ان سب کے گناہوں کو معاف فرمادیں گے، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ میرے نیک بھائی سب آگے ہوں، ممکن ہے کہ کسی کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہم سب کے گناہوں کو معاف فرمادیں گے۔

تصوف کا مقصد :

ایک نسبت تصوف کی بھی ہوتی ہے۔ یہ ایک نور ہے جو سینے میں داخل ہوتا ہے۔ انسان کو یہ نسبت شریعت پر استقامت سے نصیب ہوتی ہے۔ یاد رکھئے کہ تصوف کا مقصد کوئی رنگ دیکھنا نہیں، کوئی کشف حاصل کرنا نہیں، کوئی کرامات حاصل کرنا نہیں، کوئی مقدمے فتح ہونا نہیں، کوئی دعاؤں کا قبول ہونا نہیں، کوئی نمازوں کے اندر خاص کیفیت کا حاصل ہونا نہیں، بلکہ تصوف کا بنیادی مقصد شریعت کے اوپر استقامت کے ساتھ عمل کی توفیق نصیب ہو جانا ہے۔ اسی لئے فرمایا، اَلْاِسْتَقَامَةُ فَوْقَ الْكَرَامَةِ استقامت کرامت کے اوپر فائق ہے۔ استقامت کا درجہ کرامت سے بلند ہے۔

نسبت کا مقام

شاہ عبدالعزیزؒ فتح القدیر میں نسبت کی چار قسمیں بیان فرماتے ہیں۔

1 - نسبت انعکاسی :

پہلی نسبت نسبت انعکاسی کہلاتی ہے۔ یہ سب سے کمزور نسبت ہوتی ہے۔ جب سالک اپنے شیخ کی صحبت میں ہوتا ہے تو شیخ کے قلب کی کیفیات اس کے دل میں منعکس ہو رہی ہوتی ہیں اور آدمی کو دنیا کی محبت کم معلوم ہوتی ہے، اللہ کی محبت غالب معلوم ہوتی ہے، گناہوں کے خیالات کم ہو جاتے ہیں اور نیکی کا جذبہ بڑھ جاتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ انعکاسی چیز ہوتی ہے۔ جب شیخ سے ذرا دور ہو گئے تو رفتہ رفتہ یہ کیفیت ٹھنڈی پڑ جاتی ہے۔ اسی لئے سالکین کہتے ہیں کہ جب ہم اجتماع میں آتے ہیں یا

شیخ سے ملنے آتے ہیں تو بڑی عجیب کیفیات ہوتی ہیں لیکن واپس جا کر وہ کیفیت نہیں رہتی۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ شیخ کی موجودگی میں وہ نسبت منعکس ہو رہی ہوتی ہے جس کی وجہ سے انسان کے دل پر اس کے اثرات محسوس ہوتے ہیں۔

اس نسبت کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی آگ کے پاس بیٹھے تو اس کو گرمی محسوس ہوتی ہے لیکن جب آگ کے قریب سے اٹھ کر چلا جائے تو پھر اس کی وہ گرمی آہستہ آہستہ زائل ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ وہ گرمی اپنی نہیں ہوتی بلکہ وہ وقتی ہوتی ہے جو دور ہو جاتی ہے۔

اسی طرح اگر کسی نے عطر لگایا ہوا ہو تو جو آدمی پاس بیٹھ جائے وہ جب تک بیٹھا رہے گا اس کو عطر کی خوشبو ملتی رہے گی اور جب دور چلا جائے گا تو وہ خوشبو بھی آنا بند ہو جائے گی۔ یہ نسبت انعکاسی کہلاتی ہے۔

2 - نسبت القائی :

دوسری قسم کی نسبت کو نسبت القائی کہتے ہیں۔ یہ ایسی نسبت ہے کہ جس کے حصول کیلئے سالک شیخ کی صحبت میں اتنا وقت گزارتا ہے کہ اس نسبت کی کچھ برکات سالک کے دل کے اندر جم جاتی ہیں اور اس کے دل کا حصہ بن جاتی ہیں۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کہیں آگ جل رہی ہو اور ایک آدمی اس سے اپنا چراغ جلا لے تو اب چراغ جلانے والے کے اپنے پاس بھی آگ آگئی۔ اب یہ چاہے تو اس سے اندھیرے میں بھی روشنی کا کام لے سکتا ہے لیکن یہ نسبت بھی کمزور ہے۔ کیونکہ اسے چراغ کی بتی اور تیل کا بھی خیال رکھنا پڑے گا اور ہوا کے جھونکوں سے بھی بچانا پڑے گا۔ ورنہ بتی کسی وقت بھی گل ہو سکتی ہے۔ اس لئے یہ نسبت بھی کمزور ہے۔

3- نسبت اصلاحی :

تیسری قسم کی نسبت کو نسبت اصلاحی کہتے ہیں۔ یہ وہ نسبت ہے جو سالک کو اپنے شیخ کی صحبت میں بہت عرصہ رہنے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ سالک اس نسبت کے حصول کیلئے اپنے آپ کو شیخ کے سامنے اس طرح پیش کر دیتا ہے کَا لْمَیِّتِ بَیْنَ یَدَیِ الْغُسَّالِ جیسے کوئی میت غسل دینے والے کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ شیخ اس پر جو چاہے روک ٹوک کرے، زجر و توبیخ کرے، اس کے اوپر سختی کرے، مجاہدہ کروائے۔ یہ کرتا چلا جاتا ہے، ریاضت کی بھٹی میں پکتا چلا جاتا ہے حتی کہ کندن بن جاتا ہے۔ اس کے بعد جو نسبت اس کو حاصل ہوتی ہے اسے نسبت اصلاحی کہتے ہیں۔

اس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے کوئی دریا سے ایک نہر نکال کر اپنے باغ میں لے آئے۔ اب اس کو پانی مل گیا۔ یہ جاری پانی کہلاتا ہے۔ اگر اس کے اندر چھوٹی موٹی کوئی نجاست بھی ہے تو یہ جاری پانی اس کی نجاست کو دھو ڈالے گا اور اگر کوئی تنکا بھی ہو تو یہ اس تنکے کو بھی بہا لے جائے گا۔ یہ نسبت اللہ رب العزت کے ہاں مقبول ہوتی ہے۔ اس نسبت کی برکت سے ایسے حضرات صغائر پر اصرار نہیں کرتے اس لئے کہ صغیرہ گناہوں پر اصرار کرنے سے وہ گناہ کبیرہ بن جایا کرتے ہیں۔

نسبت اصلاحی کی برکات

نسبت اصلاحی کی بہت زیادہ برکات ہیں۔ اس سے انسان کے اندر سے "میں" نکل جاتی ہے اور رذائل کی جگہ اخلاق حمیدہ پیدا ہو جاتے ہیں۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ میں عاجزی :

حضرت گنگوہیؒ نے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی خدمت میں وقت

گزارا۔ حضرت حاجی صاحب نے ان کی خوب اصلاح فرمائی۔ حتی کہ ان کو اپنے پاس رکھ کر ان کے اندر نسبت سلسلہ عالیہ چشتیہ القاء فرمائی۔

حضرت حاجی صاحبؒ ایک مرتبہ دستر خوان پر بیٹھے۔ حضرت گنگوہیؒ اور حضرت فضل الرحمن گنج مراد آبادیؒ بھی ساتھ تھے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے ایک پلیٹ میں دال ڈال دی۔ اور ایک روٹی حضرت گنگوہی کے ہاتھ میں پکڑا دی اور فرمایا کہ وہاں پیچھے دستر خوان کے کونے میں بیٹھ کر کھالو۔ اور خود دستر خوان پر بڑی طرح طرح کی نعمتیں کھانا شروع کر دیں۔ آج کا کوئی مرید ہوتا تو پیر سے بد ظن ہو جاتا کہ اس پیر کو تو مساوات ہی نہیں آتی، اس پیر کو تو آداب معاشرت نہیں آتے، اس پیر کو تو شریعت کا پتہ ہی نہیں ہے، یہ بندے کو بندہ ہی نہیں سمجھتا، اس کے اندر تو تکبر ہے، اس کے اندر عجب ہے، اس کے اندر دنیا کی محبت ہے۔ معلوم نہیں کیا کیا فتوے لگ جاتے۔ مگر وہ کامل تھے، طالب صادق تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اس میں کوئی حکمت ہو گی۔ لہذا آرام سے بیٹھ کر کھانا شروع کر دیا۔ ادھر حضرت حاجی صاحبؒ اپنے کھانے میں تو بریانی اور بوٹیاں کھا رہے ہیں اور ادھر دال دی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر کھانا کھاتے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد کہا، میاں رشید احمد! جی تو یہ چاہتا تھا کہ تجھے ادھر جوتوں پر بٹھا دیتا کہ وہاں بیٹھ کر کھانا کھاؤ، مگر تم پر احسان کیا کہ تمہیں اپنے دستر خوان کے کونے پر بٹھا لیا۔ یہ کہنے کے بعد حضرت حاجی صاحبؒ نے ان کی طرف دیکھا۔ حضرت گنگوہیؒ نے مسکرا کر کہا، حضرت! میری اوقات تو یہی ہے کہ میں جوتوں میں بیٹھنے کے بھی قابل نہ تھا، آپ نے احسان فرمایا کہ اپنے دستر خوان کے کونے پر بٹھا لیا۔ جب حضرت حاجیؒ صاحب نے دیکھا کہ ایسی بات کو سن کر نفس بھڑکا

بس چمکا نہیں بلکہ عاجزی کا بول نکالا ہے تو فرمایا الحمد للہ اب کام بن گیا ہے۔ اس امتحان کے بعد حضرت حاجیؒ صاحب نے ان کو نسبت القاء کر دی۔

نفس کا اژدھا کیسے مرا؟

کئی اور مشائخ نے بھی اسی طرح اپنے مریدین کے امتحان لئے۔ ایک شیخ نے اپنے کسی نوکر سے کہا کہ فلاں آدمی کے پاس سے گزرو اور کوئی گندگی لے کر اس کے قریب سے گزرنا اور دیکھنا کہ اس کی حالت کیا ہوتی ہے۔ جب وہ آدمی قریب سے گزرا تو وہ صوفی صاحب ناک منہ چڑھا کر کہنے لگے کہ تمہیں نظر نہیں آتا کہ میں بھی بیٹھا ہوا ہوں۔ شیخ کو پتہ چلا تو فرمایا کہ ابھی کام باقی ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد پھر وہ گندگی لے کر قریب سے گزرا۔ اب یہ خاموشی کے ساتھ بیٹھے رہے۔ اس نے آکر کیفیت بتائی۔ حضرت نے فرمایا، پہلے سے کچھ بہتری ہوگئی ہے مگر اب یوں کرنا کہ جب اس کے قریب سے گزرو تو کچھ گندگی اس کے اوپر گرا دینا اور پھر دیکھنا کہ یہ کیا کہتا ہے۔ انہوں نے قریب سے گزرتے ہوئے گندگی اوپر گرا دی۔ صوفی صاحب نے ان کو غصے کی نظر سے دیکھا اور کہا تجھے نظر نہیں آتا کہ کوئی بیٹھا ہوا بھی ہے یا نہیں۔ اس نے جا کر بتا دیا۔ حضرت نے فرمایا، ہاں ابھی نفس کا اژدھا مرا نہیں۔ چنانچہ کچھ عرصہ اور محنت کروائی۔ پھر فرمایا، آئندہ ساری گندگی اس کے اوپر ڈال کر دیکھنا۔ چنانچہ اس نے قریب سے گزرتے ہوئے اس طرح گندگی گرائی کہ صوفی صاحب پر بھی گری۔ وہ صوفی صاحب کھڑے ہو کر اس کے کپڑوں سے گندگی صاف کرنے لگے اور کہنے لگے کہ آپ کو کہیں چوٹ تو نہیں لگی۔ اس نے جا کر یہی بات بتا دی۔ شیخ نے کہا، الحمد للہ اب نفس کا اژدھا مر گیا ہے۔ 'میں' مٹ چکی ہے، اب اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر عاجزی اور انکساری پیدا فرما دی ہے۔ لہٰذا ان کو اجازت و خلافت عطا فرما دی۔ ایسی

محنت جس کو کروانے کے بعد شیخ کسی سے امتحان لے اور امتحان میں وہ پورا ہو، اس کو
نسبت اصلاحی کہتے ہیں۔

ایک عجیب مثال :-

ایک بزرگ نے کسی کو خلافت دینے سے پہلے کہا کہ جاؤ یہ مرغی کسی ایسی جگہ ذبح کر کے لاؤ جہاں کوئی نہ دیکھ رہا ہو۔ کئی اور مریدوں سے بھی کہا۔ سب لوگ مرغیاں ذبح کرنے چلے گئے۔ کسی نے درخت کی اوٹ میں ذبح کی، کسی نے دیوار کی اوٹ میں ذبح کی۔ سب ذبح کر کے لے آئے۔ لیکن جن کو خلافت دینا تھی وہ جب واپس آئے تو رو رہے تھے۔ حضرت نے پوچھا، روتے کیوں ہو؟ آپ کے ہاتھ میں تو مرغی ویسے ہی ہے؟ کہنے لگے، حضرت! آپ نے حکم دیا تھا مگر میں اس پر عمل نہیں کر سکا۔ پوچھا، کیوں عمل نہیں کیا؟ کہنے لگے، حضرت! آپ نے یہ حکم دیا تھا کہ اس کو ایسی جگہ ذبح کروں جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو، لیکن میں جہاں بھی گیا میرا رب مجھے دیکھتا تھا، اس لئے میں اس کو کیسے ذبح کر سکتا تھا۔ فرمایا الحمد للہ، اسی معیت کی کیفیت کا تو امتحان لینا تھا۔ اس کے بعد ان کو نسبت عطا فرما دی۔

مرید کا امتحان لینے کا مقصد :

اللہ رب العزت نے مشائخ کو باطنی فراست دی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ وقتاً فوقتاً سالک کا امتحان لیتے رہتے ہیں۔ بعض اوقات سالک کو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ کسی بات میں امتحان بھی ہو رہا ہے یا نہیں۔ وہ بے پرواہی میں اپنا وقت گزار رہا ہوتا ہے۔ اس بات کی طرف بے دھیانی ہوتی ہے۔ مگر شیخ دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ نفس کے اندر کیا حالت ہے، نفس کا اژدھا مرا ہے یا نہیں، 'میں' مٹ گئی ہے یا نہیں۔ جب دل کا برتن

صاف ہو جاتا ہے اور 'میں' مٹ جاتی ہے تو پھر مشائخ نسبت کا نور اس کے دل میں القاء فرما دیتے ہیں۔ یہ نسبت زیادہ مکمل ہوتی ہے۔

4- نسبت اتحادی:

نسبت کی ایک چوتھی قسم نسبت اتحادی ہے۔ یہ نسبت سب سے کامل ترین نسبت ہے۔ یہ نسبت شیخ کی محبت سے ملتی ہے۔ شیخ کے ساتھ ایسی محبت ہو جائے کہ دل سے آواز نکلے

من تو شدم تو من شدیمن تن شدم تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

جب شیخ کے ساتھ محبت کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ شیخ کی نسبت کو دل کے اندر القاء فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو شیخ کے کمالات اس طرح عطا فرما دیتے ہیں کہ وہ سالک شیخ کا نمونہ بن جایا کرتا ہے۔ لوگ اس سالک کو دیکھتے ہیں تو نہیں انکا شیخ یاد آ جاتا ہے۔ اس کا چلنا پھرنا، رفتار گفتار، بیٹھنا اٹھنا حتیٰ کہ اس کا سب کچھ اس کے شیخ کی طرح ہو جاتا ہے۔ اس کو نسبت اتحادی کہتے ہیں۔

اس نسبت کی مثالیں تو بہت ہیں لیکن سب سے بڑی مثال سیدنا صدیق اکبرؓ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو نسبت اتحادی عطا کی تھی۔ ان کو یہ نسبت رسول اللہ ﷺ سے ملی۔

سیدنا صدیق اکبرؓ کی نسبت اتحادی کے دلائل

سیدنا صدیق اکبرؓ ہمارے سلسلہ عالیہ کے سرخیل امام ہیں لہذا ان کے بارے میں

چند باتیں گوش ہوش سے سنیں۔

دلیل نمبر 1 :

حضرت ابو بکرؓ کے دل میں نبی اکرم ﷺ کی بے پناہ محبت تھی۔ ایک محفل میں
اللہ کے محبوب ﷺ نے فرمایا کہ مجھے تین چیزیں محبوب ہیں۔ جب سیدنا صدیق اک
نے سنا تو تڑپ کر بولے، اے اللہ کے محبوب ﷺ! مجھے بھی تین چیزیں محبوب ہیں
آپ ﷺ نے فرمایا، کونسی؟ عرض کیا، اے اللہ کے محبوب ﷺ! ایک آپ ﷺ
کے چہرے انور کو دیکھتے رہنا اور دوسرا آپ ﷺ پر اپنا مال خرچ کرنا اور تیسرا یہ
میری بیٹی آپ کے نکاح میں ہے۔ سبحان اللہ، انھوں نے تین باتیں کہیں ا
دیکھیں تو سہی کہ تینوں کا مرکز اور محور محبوب ﷺ کی ذات اقدس بن رہی ہے
مرشد کی ذات بن رہی ہے۔ محبت شیخ کا اس سے اعلیٰ کوئی اور مقام نہیں ہو سکتا جو سی
صدیق اکبرؓ کو نصیب تھا۔ عشق رسول ﷺ کی وجہ سے ہی اللہ رب العزت نے ان
نسبت اتحادی نصیب فرمائی تھی۔

دلیل نمبر 2 :

حدیث پاک میں آیا ہے کہ اللہ کے محبوب ﷺ نے فرمایا مَا صَبَّ اللّٰهُ
صَدْرِی شَیْئًا اللہ نے میرے سینے میں جو کچھ ڈالا اِلَّا وَ قَدْ صَبَبْتُهُ فِی صَ
اَبِی بَکْرٍؓ میں نے اس سب کچھ کو ابو بکر کے سینے میں ڈال دیا ہے۔ یہ نسبت اتحادی
دوسری دلیل ہے۔

دلیل نمبر 3 :

سیدنا عمر ابن الخطابؓ نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ حضور نبی کریم ﷺ

بارش ہو رہی ہے۔ آپ ﷺ کے جہاں قدم مبارک ہیں وہاں ابو بکر صدیقؓ کا سر ہے۔ بارش کا جو پانی نبی اکرم ﷺ پر آرہا ہے وہ سارے کا سارا ابو بکر صدیقؓ پر آرہا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے آپ کو بھی قریب کھڑے دیکھا۔ عمر ابن الخطاب کہتے ہیں کہ ابو بکر صدیقؓ سے چھینٹے اڑ کر میرے اوپر پڑ رہے ہیں اور میں بھی بھیگا چلا جا رہا ہوں۔ صبح اٹھے اور نبی اکرم ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر عرض کیا، اے اللہ کے محبوب ﷺ! میں نے رات خواب میں یہ چیزیں دیکھی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، عمر! یہ علوم نبوت تھے جو بارش کی طرح میرے اوپر برس رہے تھے، صدیقؓ کو چونکہ میرے ساتھ کمال مناسبت نصیب ہے اس لئے وہ مجھ سے سب سے زیادہ کمالات پا رہا ہے اور اس کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے تم بھی ان علوم کو حاصل کر رہے ہو۔ کمالات نبوت سب سے زیادہ سیدنا صدیق اکبرؓ نے حاصل کئے۔ اور علوم ولایت کو حضرت علیؓ نے سب سے زیادہ حاصل کیا۔ یہ کمالات نبوت نسبت اتحادی کی تیسری دلیل ہیں۔

دلیل نمبر 4 :

ایک مرتبہ چودہ سو صحابہ کرامؓ حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ عمرہ کی نیت سے مدینہ منورہ سے چلے۔ مکہ مکرمہ کے قریب پہنچ کر نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے کفار سے صلح کیلئے بات طے کر دی اور صحابہؓ سے فرمادیا کہ احرام کھول دو، ہدی کے جانوروں کو ذبح کر دو اور تم واپس چلو۔ صحابہ کرامؓ حیران ہوئے کہ ہم تو دل میں عمرہ کرنے کی تمنا لے کر چلے تھے، ہم کیسے واپس جائیں۔ صحابہ کرامؓ کو حیرانی اس بات پر ہوئی کہ ایک طرف تو ظاہراً اللہ کے محبوب ﷺ اتنا دب کر صلح کر رہے ہیں اور دوسری طرف آیتیں اتر رہی ہیں کہ یہ فتح مبین ہے۔ اس وقت عمر ابن الخطابؓ نبی کریم ﷺ

کے پاس پہنچے اور عرض کیا، اے اللہ کے محبوب ﷺ! ہم نے ان کفار کی سب شرائط مان لیں اور اپنی سب شرائط چھوڑ دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، عمر! اللہ رب العزت نے ہمیں فتح مبین عطا فرمادی ہے۔ حضرت عمر ابن الخطابؓ خاموشی سے واپس آگئے۔ واپس آکر حضرت ابو بکر صدیقؓ سے کہا، ابو بکر! کیا ایسا نہیں ہے کہ ہم نے ان کی سب شرائط مان لیں حالانکہ اللہ نے اسلام کو عزت دی ہے مگر ہم تو دب کر صلح کر رہے ہیں۔ ابو بکر صدیقؓ نے بھی وہی الفاظ ادا کئے۔ فرمایا، عمر! تمہاری آنکھ دیکھ رہی ہے کہ ہم نے دب کر صلح کی ہے مگر میرے مالک کا فرمان ہے کہ یہ فتح مبین ہے۔ سبحان اللہ، صحابہ کرامؓ میں سے ایک ابو بکر صدیقؓ کی ذات ہی ایسی تھی جس نے اس کو اس وقت فتح مبین سمجھ لیا تھا جب باقی صحابہؓ کو یہ بات تھوڑی دیر کیلئے سمجھ میں نہ آئی تھی۔ جب نبی اکرم ﷺ نے جانور ذبح کیا اور اپنا احرام مبارک اتارا تو باقی صحابہؓ کا بھی شرح صدر ہو گیا۔ مگر سیدنا صدیق اکبرؓ کا شرح صدر محبوب ﷺ کے قول مبارک سے ہی ہو گیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ان کو نسبت اتحادی نصیب تھی۔

دلیل نمبر 5:

ہجرت کے موقع پر نبی اکرم ﷺ صدیق اکبرؓ کو لے کر مدینہ طیبہ پہنچتے ہیں۔ اہل مدینہ کے دید و دانش رکھنے والے لوگ سامنے کھڑے دیکھ رہے ہیں کہ مہمان آ رہے ہیں۔ انہوں نے اس وقت سیدنا صدیق اکبرؓ کو اللہ کا پیغمبر سمجھ کر سلام کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ صدیق اکبرؓ مصافحہ کرتے رہے تاکہ میرے محبوب ﷺ کی تھکاوٹ میں مزید اضافہ نہ ہو۔ جب سب حضرات مصافحہ کر کے بیٹھ چکے اس وقت سورج نکل آیا۔ اس وقت لوگوں نے دیکھا کہ جس کو وہ نبی اکرم ﷺ سمجھ رہے تھے انہوں نے اپنی چادر اٹھائی اور اپنے ساتھی کے سر پر بچھادی۔ دنیا کو پھر پتہ چلا کہ تابع

کون ہے اور متبوع کون ہے، نبی کون ہے اور امتی کون ہے۔ قربان جائیں صدیق اکبرؓ، آپ کی اتباع سنت پر کہ آپ کے سامنے اتنے لوگ موجود تھے مگر وہ آقا اور غلام میں فرق نہ کر سکے۔ گفتار میں، کردار میں، رفتار میں، اور لباس میں اتنی مشابہت تھی، نقل اپنے آپ کو اصل کے اتنا قریب کر چکی تھی کہ کسی کو فرق کا پتہ ہی نہ چلا۔

دلیل نمبر 6 :

جب نبی اکرم ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی اور آپ ﷺ اپنے گھر تشریف لائے اور اپنی زوجہ محترمہ سے ارشاد فرمایا زَمِّلُوْنِی زَمِّلُوْنِی مجھے کمبل اوڑھا دو، مجھے کمبل اوڑھا دو۔ اس وقت آپ ﷺ پریشان تھے کہ کہیں میں ہلاک نہ ہو جاؤں۔ فرمایا، اِنِّی خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِی (مجھے اپنی جان کا خوف ہے)۔ سیدہ خدیجۃ الکبرایٰؓ نے یہ سنتے ہی فرمایا کَلَّا ہرگز نہیں۔ واللہ، اللہ کی قسم اِنَّکَ لَتَصِلُ الرَّحِم آپ تو صلہ رحمی کرنے والے ہیں وَ تَحْمِلُ الْکَلّ آپ بے سہاروں کا سہارا بننے والے ہیں۔ وَتَکْسِبُ الْمَعْدُوم اور جن کے پاس کچھ نہ ہو ان کو کما کر دینے والے ہیں۔ وَ تَقْرِیءُ الضَّیْف آپ مہمان نوازی کرنے والے ہیں۔ وَ تُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَق اور اچھی باتوں پر آپ مدد کرنے والے ہیں۔ اس طرح حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے اپنے آقا کی پانچ صفتیں گنوائیں اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ضائع نہیں کریں گے۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات ہوئی تو آپ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد آپ کے غلام کو ایک صاحب ملے۔ انہوں نے کہا کہ تو ہمیں ذرا اپنے آقا کے بارے میں تو بتا دے کہ تیرے آقا کیسے تھے؟ کیونکہ تو نے ان کی خدمت کی، تو ان کے ساتھ دن رات اکٹھا رہا اور تو نے ان کے ساتھ زندگی کا بیشتر وقت

اکٹھے گزارا۔ ذرا ان کا نقشہ تو کھینچ دیجئے؟ اس غلام نے جواب دیا **اِنَّهُ لَيَصِلُ الرَّحِمَ** وہ تو صلہ رحمی کرنے والے تھے، **وَ يَحْمِلُ الْكَلَّ** اور وہ بے سہاروں کا سہارا بننے والے تھے اور مہمان نوازی کرنے والے تھے اور نیک باتوں پر لوگوں کی مدد کرنے والے تھے۔ سبحان اللہ، وہی پانچ صفتیں گنوائیں جو حضرت خدیجہؓ نے اپنے آقا ﷺ کی گنوائی تھیں۔ اس لئے کہ نسبت اتحادی نصیب تھی۔

نسبت اتحادی سے ایمان میں وزن :

اس نسبت اتحادی سے اللہ رب العزت نے ابو بکرؓ کو وہ مقام عطا فرمادیا کہ میرے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا **لَوْ اِتَّزَنَ اِيْمَانُ اَبِى بَكْرٍ مَّعَ اِيْمَانِ اُمَّتِى لَرَجِحَ** کہ اگر میری پوری امت کے ایمان کو ابو بکر کے ایمان کے ساتھ تولا جائے تو ابو بکرؓ کا ایمان بڑھ جائے۔

ایک علمی نکتہ :

یہاں پر ایک علمی نکتہ بھی یہ عاجز عرض کرتا چلا جائے۔ بعض اوقات طلباء کے ذہن میں ایک اشکال آتا ہے کہ اللہ کے محبوب ﷺ نے فرمایا **لَوْ كَانَ بَعْدِى نَبِىٌّ** اگر میرے بعد کوئی نبی آنا ہوتا **لَكَانَ عُمَرُ** وہ نبی عمر ہوتے۔ نبی اکرم ﷺ نے یہاں سیدنا صدیق اکبرؓ کا نام کیوں نہیں لیا؟ کیونکہ ان کی فضیلت بہت زیادہ ہے اور درجہ بھی بلند ہے۔ حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ جو دارالعلوم دیوبند کے بڑے اساتذہ میں سے تھے انہوں نے اس اشکال کو بڑی اچھی طرح واضح فرمادیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا **لَوْ كَانَ بَعْدِى نَبِىٌّ** "اگر کوئی میرے بعد نبی آنا ہوتا"۔ فرمایا کہ بعد کا لفظ غیر کیلئے استعمال ہوتا ہے، دوسرے کے لئے استعمال ہو

ہے جبکہ ابو بکرؓ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کے ساتھ معیت عطا فرمادی تھی۔ وہ تو اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کے مصداق ایسے مقام معیت میں داخل ہو چکے تھے کہ جدائی ممکن ہی نہیں تھی اس لئے بعدی کا لفظ ان کے اوپر آ ہی نہیں سکتا تھا۔ میرے محبوب ﷺ نے فرمایا لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيٌّ تو پھر بعد میں تو عمرؓ ہی کا نمبر آتا تھا۔

نسبت حاصل کرنے کے ذرائع :

محترم جماعت! نسبت کا حاصل کرنا آسان ہے اگر اس سلسلہ میں تین کاموں کا خیال رکھا جائے، ایک یہ کہ انسان بھوکا رہے، جتنا پیٹ بھر کر کھائے گا اتنی ہی غفلت زیادہ ہوگی۔ اور آج تو سارا فتور اسی پیٹ بھر کر کھانے کا ہے۔ تصوف کے ذکر و مراقبے اسی لئے اثر نہیں کرتے کہ ڈکار مار کر کھانے کی عادت ہوتی ہے، ڈٹ کر کھاتے ہیں اور جم کر سوتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ حضرت! اثرات ہی نہیں ہوتے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جو آدمی دن میں دو وقت کھانا کھائے اسے بھوک کا پتہ ہی نہیں کہ بھوک کیا ہوتی ہے۔ فتاوی تاتار خانیہ میں لکھا ہے کہ اگر پیٹ بھرا شخص کسی کو نصیحت کرے تو اس کی نصیحت کا اثر نہیں ہوتا اور اگر پیٹ بھرے شخص کو نصیحت کی جائے تو اس پر نصیحت کا اثر نہیں ہوگا۔

دوسری بات یہ کہ انسان معاصی (گناہوں) سے بچنے کی کوشش کرے۔ یاد رکھنا کہ نیکی کرنا آسان ہوتا ہے مگر گناہ سے بچنا مشکل کام ہوتا ہے۔ آپ ذکر و مراقبہ کئی کئی گھنٹے نہ کیجئے مگر گناہوں سے بچنے کی کوشش کیجئے۔ جتنا گناہوں سے بچیں گے نسبت کا راستہ اتنا ہی زیادہ ہموار ہو جائے گا۔ اور تیسری بات یہ کہ کسی کو تکلیف نہ دیجئے۔ ان تین باتوں کو پورے اجتماع کا نچوڑ سمجھ لیجئے۔ جو آدمی ان تین باتوں کا خیال رکھتا ہے اس کیلئے نسبت کا حاصل کرنا بہت ہی آسان ہو جاتا ہے۔

اسم اعظم کی حفاظت :

محترم جماعت! نسبت کے حصول کیلئے اپنے سینوں کو پاک کر لیجئے۔ ایک صاحب اسم اعظم سیکھنا چاہتے تھے۔ لہذا اس نے اپنے شیخ سے کہا، حضرت! مجھے اسم اعظم سکھا دیجئے۔ شیخ نے ان کو ایک بر تن میں کوئی چیز بند کر کے دی اور فرمایا کہ اسے فلاں جگہ پہنچا دو مگر تم اسے کھول کر نہ دیکھنا۔ وہ بر تن لے کر چلا گیا۔ راستے میں اسے خیال آیا کہ دیکھ لیتا ہوں اس میں کیا کچھ ہے۔ جب کھولا تو دیکھا کہ اس میں چوہا تھا۔ جیسے ہی اس نے ڈھکنا اتارا وہ بھاگ گیا۔ جب وہاں بر تن پہنچایا تو وہ خالی تھا۔ شیخ نے پوچھا، کیا بنا؟ کہنے لگے، حضرت! میں نے تو صرف بر تن دیکھنے کی کوشش کی تھی۔ یہ سن کر شیخ نے فرمایا، جب تم ایک چھوٹی سی چیز کی حفاظت نہیں کر سکتے تو اسم اعظم کی حفاظت کیسے کرو گے؟

پس مشائخ کرام نسبت کا نور بھی اس آدمی کے دل میں القاء فرماتے ہیں جو اس کی حفاظت کرنے اور لاج رکھنے کے قابل ہو۔

نسبت کیلئے بر تن کی صفائی :

محترم جماعت! ہر بندہ چاہتا ہے کہ مجھے نسبت ملے مگر اس نسبت کے لئے بر تن تو صاف کر لو۔ اگر آپ کے ہاتھ میں کوئی نجاست لگا ہوا پیالا دے کر کہے کہ جی مجھے اس میں دودھ ڈال دیجئے تو یقیناً آپ کی غیرت اس بات کو گوارا نہیں کرے گی کہ اس ناپاک بر تن میں آپ دودھ ڈالیں۔ آپ کہیں گے کہ یہ آداب کے خلاف ہے۔ جس طرح نجاست والے بر تن میں دودھ نہیں ڈال سکتے بالکل اسی طرح گناہوں والے سینے میں نسبتوں کو القاء نہیں کر سکتے۔ دل کے اندر پہلے طلب پیدا کرنا پڑتی ہے پھر

للہ رب العزت مہربانی فرمادیتے ہیں۔ اللہ رب العزت کی رحمت جوش میں آتی ہے ور انسان کے دل کے برتن کو بھر دیا کرتی ہے۔ یاد رکھئے کہ جس گھر کے اندر کوئی تصویر لگی ہوئی ہو اس گھر کے اندر رحمت کا کوئی فرشتہ نہیں آتا، جس دل میں کسی غیر کی تصویر ہو بھلا اس دل کے اندر رحمت کے فرشتے کیسے آئیں گے۔ اس لئے دلوں کو اک کر لیجئے۔ آپ کا کام دلوں کو صاف کرنا ہے اور رب کریم کا کام نسبت کو القاء ر دینا ہے۔

شیخ ڈاکیے کی مانند ہوتا ہے:

اگر آپ سینہ صاف کرلیں گے تو آپ کے شیخ نسبت القاء کرنے سے رک نہیں سکیں گے۔ اور اگر کوئی شیخ کسی کو اس کا اہل پانے کے باوجود نسبت القاء نہیں کرے گا تو اس شیخ کی اپنی نسبت سلب کر لی جائے گی۔ کتنی بار ایسا ہوا کہ بعض مشائخ نے اشارہ ہونے پر بھی آگے نسبت منتقل نہ کی تو ان کو خواب میں بتایا گیا کہ یہ امانت ہے تمہارے گھر کی کوئی چیز نہیں اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتوں کو ان کے اہل کے سپرد کردو۔ لہذا یہ نسبت یک امانت ہے اور شیخ ڈاکیے کی مانند ہوتا ہے۔ آپ نے اپنے دل کو محنت، طلب، عاجزی، انکساری اور للّٰہیت سے صاف کرنا ہے، پھر اللہ تعالیٰ شیخ کے دل میں وہ کیفیت ڈال دیتے ہیں جس سے بندے کے سینے میں نسبت کا القاء ہو جاتا ہے۔ اس سے سینے روشن ہو جاتے ہیں اور پوری دنیا اس کی برکتیں دیکھتی ہے۔

لمحہ ء فکریہ:

آج نسبت کے طلبگار تو کئی ہیں مگر نسبت کیلئے سینوں کو تیار کرنے والے بہت

تھوڑے ہوتے ہیں۔ پوری دنیا میں پھر کر دیکھئے آپ کو کوئی بندہ بھی اس طرح کا نظر نہیں آئے گا۔ سب میں خواہش پرستی، نفس پرستی، اور ہوا پرستی رہ گئی ہے اور خدا پرستی سے غافل ہو کر دنیا کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔

بتوں کو توڑ تخیل کے ہوں کہ پتھر کے

جب تک ان بتوں کو نہیں توڑیں گے اس وقت تک نسبت کا نور نصیب نہیں ہو گا۔ آج تو جن دلوں پر بھی نظر ڈالی جاتی ہے وہاں دنیا بھری نظر آتی ہے، وہاں دنیا جمی ہوئی نظر آتی ہے۔ میرے پیر و مرشد حضرت مرشد عالمؒ فرمایا کرتے تھے۔

حال دل جس سے میں کہتا کوئی ایسا نہ ملا

بت کے بندے تو ملے اللہ کا بندہ نہ ملا

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نسبت کا نور عطا فرمادے تاکہ ہماری آخرت ٹھیک ہو جائے۔ (آمین ثم آمین)

وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ،اَمَّا بَعْدُ !
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○وَ
اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ
الْمَأْوٰى○سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○وَسَلٰمٌ عَلَى
الْمُرْسَلِيْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

تقویٰ کیسے نصیب ہوتا ہے؟

جو انسان اپنے آپ کو گناہوں سے بچائے اسے متقی یا پرہیز گار کہتے ہیں۔ اللہ رب العزت پرہیز گار لوگوں سے محبت فرماتے ہیں اور ان کے اعمال کو قبول کر کے ان کو اپنے اولیاء میں شمار فرما لیتے ہیں۔ یہ پرہیز گاری خوف خدا کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ جب تک دل میں اللہ رب العزت کا خوف نہ ہو تب تک انسان کسی ضابطے کا پابند نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی یاد دل سے نکلی، توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہٹی اور انسان کا خیال گناہوں کی طرف لگ گیا۔ جہاں ہم اللہ تعالیٰ سے اس کی محبت مانگتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ سے اس کی خشیت **بھی** مانگا کریں۔ یہ ایسی نعمت ہے کہ جس کو نصیب ہو جائے اس کے لئے گناہوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے اگر محبت الٰہی نصیب ہو جائے تو انسان شوق کے ساتھ نیک اعمال کرتا ہے۔

گناہوں سے بچنے کی اہمیت :-

سنئے اور دل کے کانوں سے سنئے ۔ ہم سب نے کلمہ پڑھ کر اقرار کیا کہ اے پروردگار! ہم تیرے حکموں کی فرمانبرداری کریں گے۔ اسی لئے ہمیں مخاطب کرتے ہوئے اللہ رب العزت نے بار بار فرمایا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو! مطلب یہ ہے کہ ہم نے تسلیم کر لیا ہے کہ اے پروردگار! اب ہماری زندگی تیرے حکموں کے مطابق گزرے گی۔ ہمیں ایسا قدم اٹھانا ہے جس کی وجہ سے گناہوں سے بچ جائیں اور ہماری زندگی معصیت سے خالی ہو جائے ۔ یاد رکھئے کہ جو انسان اپنے علم اور ارادے سے گناہ کرنا چھوڑ دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس بندے کی دعاؤں کو رد کرنا چھوڑ دیتا ہے۔

جب انسان گناہ کرتا ہے تو پروردگار عالم ناراض ہوتے ہیں۔ یہ بات اس سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ بندہ نفلی اعمال کم کرے مگر گناہ کرنا چھوڑ دے۔ اگر کوئی آدمی نفلی عبادات زیادہ نہیں کر سکتا، تسبیحات زیادہ نہیں کر سکتا، بہت زیادہ وظیفے نہیں کر سکتا تو کوئی بات نہیں مگر اس کو گناہوں سے مکمل بچنا چاہئے۔ کوئی کام ایسا نہ کرے جو معصیت ہو۔ اسی لئے مشائخ وضاحت کرتے ہیں کہ جو بندہ عبادت کی کثرت کرتا ہے مگر اس کے ساتھ زبان سے گناہ کرتا ہے، آنکھ سے گناہ کرتا ہے، دل و دماغ سے گناہ کرتا ہے وہ اس درجے کو نہیں پا سکتا جس کو وہ انسان پا لیتا ہے جو عبادات تو زیادہ نہیں کرتا مگر اپنے آپ کو گناہوں سے بچاتا ہے۔

خوف خدا کے درجات

خوف خدا بھی اللہ رب العزت کی بڑی نعمت ہے۔ امام غزالیؒ کے نزدیک اس کے تین درجات ہیں۔

1. عوام الناس کا خوف :-

سب سے ادنی درجہ عوام الناس کا خوف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر انسان گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو تو اس کو پتہ ہوتا ہے کہ میں نے من مرضی کر کے اللہ تعالیٰ کے احکام کو توڑا ہے، جب میں اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچوں گا تو مجھے اس کی سزا ملے گی۔ جیسے کوئی بچہ برتن توڑ دے تو اسے یہ خوف دامن گیر رہتا ہے کہ اب امی میری پٹائی کرے گی۔ یا جس چیز سے منع کیا گیا تھا وہ کام کر کے کوئی نقصان کر بیٹھا تو اس کو ڈر لگتا ہے کہ ابو جی مجھے ماریں گے۔ یہ عوام الناس کا خوف ہے۔

2. صالحین کا خوف :-

دوسرا خوف اس سے بلند درجے کا ہے اسے کہتے ہیں "صالحین کا خوف" صالحین کا خوف یہ ہے کہ انسان اپنی طرف سے تو نیکی کرے اور گناہوں سے بچے مگر پھر بھی اس کے دل میں یہ خوف رہے کہ پتہ نہیں میرے یہ اعمال اللہ رب العزت کے ہاں قبول بھی ہوتے ہیں یا نہیں ہوتے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری یہ عبادات اس قابل کہاں کہ پروردگار کی شان کے مطابق ہو سکیں۔ وہ اس بات سے ڈر رہے ہوتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ ہماری عبادات کو ہمارے منہ پر ہی مار دیا جائے۔ یہ ایک اعلیٰ درجے کا خوف ہے کہ انسان نے نیکیاں بھی کیں مگر قبولیت کے بارے میں دل کانپ بھی رہا ہوتا ہے کہ

میری قسمت سے الٰہی! پائیں یہ رنگ قبول
پھول کچھ میں نے چنے ہیں ان کے دامن کے لئے

سلف صالحین کے بارے میں کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ ساری ساری رات عبادات میں گزار دیتے تھے، عشاء کے وضو سے فجر کی نمازیں پڑھتے تھے مگر صبح کے

وقت ان کے چہروں پر ایسے ندامت ہوتی تھی جیسے وہ ساری رات کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوتے رہے ہوں۔ وہ اپنی دعاؤں میں عاجزی کا یوں اظہار کرتے تھے، "مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ وَمَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ" اے اللہ! جیسے تیری عبادت کا حق تھا ہم ادا نہ کر سکے اور جیسے تیری معرفت حاصل کرنی چاہئے تھی ہم وہ بھی حاصل نہ کر سکے۔

3۔ عارفین کا خوف :-

تیسرے درجے کا خوف ''عارفین کا خوف'' ہے۔ یہ ان لوگوں کا خوف ہے جن کے دل معرفت الٰہی سے بھرے ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی سو فیصد شریعت و سنت کے مطابق ہوتی ہے مگر ان کے دل پھر بھی ڈر رہے ہوتے ہیں، کانپ رہے ہوتے ہیں۔ وہ اس لئے ڈر رہے ہوتے ہیں کہ جو باطنی نعمتیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کی ہیں معلوم نہیں کہ ہم ان کو موت تک حفاظت پہنچا پائیں گے یا نہیں۔ معلوم نہیں کہ ہمارا انجام کس حال میں ہوگا۔ یہی وہ خوف ہے جو اللہ والوں کو تڑپا رہا ہوتا ہے۔ وہ ڈر رہے ہوتے ہیں کہ گو ظاہر میں ہمیں اعمال کی توفیق حاصل ہے، نمازیں بھی پڑھتے ہیں، قرآن پاک کی تلاوت بھی کرتے ہیں، تسبیحات بھی کرتے ہیں اور دین کے کاموں میں بھی لگے ہوتے ہیں مگر معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ہمارے بارے میں ارادہ کیا ہے۔ جب تک موت نہیں آجاتی تب تک ان کو اطمینان نہیں ہوتا۔ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ کچھ اور ہو گیا تو یہ ساری کی ساری عبادتیں پاؤں کی نوک سے اڑا دی جائیں گی۔ اس کے باوجود کہ زندگی بھر کی عبادتیں ہوتی ہیں، مجاہدے ہوتے ہیں، محنتیں ہوتی ہیں مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی سے ڈر رہے ہوتے ہیں۔ ہم ساری زندگی سجدے میں پڑے رہ جائیں تو بھی ہماری عبادت اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں۔ بس یہ تو اللہ کی رحمت ہے جو ہماری ٹوٹی پھوٹی عبادتوں کو قبول کر لیتا

ہے۔

اللہ تعالیٰ کی شانِ بے نیازی :-

بلعم باعور بنی اسرائیل کا بہت بڑا عبادت گزار تھا۔ پروردگار عالم کی شان بے نیازی کا اظہار ہوا اور اس کی پانچ سو سال کی عبادت کو ٹھوکر لگا دی گئی۔ قرآن مجید میں اس کی تشبیہ کتے کے ساتھ دی۔ "فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ" (پس اس کی مثال کتے کی مانند ہے)

سیدنا صدیق اکبرؓ اور خوف خدا :-

جس کو اللہ تعالیٰ کی جلالت شان کا جتنا زیادہ علم ہوتا ہے وہ اتنا ہی زیادہ ڈرتا اور کانپتا ہے۔ امت محمدیہ ﷺ میں سے سیدنا صدیق اکبرؓ کا رتبہ سب سے بلند وبالا ہے کیونکہ ان کے دل میں خوف خدا کی ایک خاص کیفیت ہوا کرتی تھی۔ ایک طرف تو ان کو زبان نبوت ﷺ سے بشارتیں مل رہی ہوتی تھیں، یار غار بن رہے ہیں، ثانی اثنین کہلا رہے ہیں، صدیق کا لقب پا رہے ہیں، عشرہ مبشرہ میں شامل ہو رہے ہیں، "رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ" کا مژدہ جانفزا سن رہے ہیں مگر دوسری طرف ان کے دل میں یہ خوف ہوتا تھا کہ معلوم نہیں کہ یہ سب کچھ موت تک حفاظت پہنچا پائیں گے یا نہیں۔ لہٰذا انہیں اللہ رب العزت کے سامنے پیش ہونے کا ہر وقت ڈر رہتا تھا۔ فرمایا کرتے تھے، کاش! میری ماں نے مجھے جنا ہی نہ ہوتا۔ کاش! میں کسی مومن کے بدن کا بال ہوتا۔ کاش! میں گھاس کا تنکا ہوتا۔ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے ڈر رہے ہوتے تھے۔

لفظ "خفیہ تدبیر" کا مفہوم :-

یہ "خفیہ تدبیر" کے الفاظ کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جیسے کوئی افسر کسی ماتحت

سے کسی بات پر ناراض ہو جائے تو وہ اپنی ناراضگی کو ظاہر تو نہیں کرتا مگر اندر ہی اندر ایسے حالات پیدا کر لیتا ہے کہ اس کا وہ ماتحت نوکری چھوڑ کر چلا جاتا ہے یا وہ ماتحت کو کسی نہ کسی معاملہ میں ضرور پھنسا دیتا ہے۔ یہ عام طور پر خفیہ تدبیر کہلاتی ہے۔

خیر اور شر کی تقدیریں :-

اللہ رب العزت کے بارے میں ہم نے یہ تسلیم کر لیا کہ "وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَ شَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی" یعنی خیر کی تقدیر اور شر کی تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کے بارے میں خیر کا ارادہ فرما لیتے ہیں تو حالات ایسے بنا دیتے ہیں کہ انجام بخیر ہوتا ہے اور جب کسی کے بارے میں شر کا ارادہ کر لیتے ہیں تو حالات ایسے بنا دیتے ہیں کہ انجام برا ہوتا ہے۔

خیر کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدابیر

جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بخشنے پہ آئیں گے تو ایسی تدابیر اختیار فرمائیں گے کہ بندوں کے گناہوں کو بخشنے کے بہانے بنتے چلے جائیں گے۔ یہ خیر والی خفیہ تدبیریں ہوں گی۔

ایک محدث کی بخشش :-

ایک محدث فوت ہونے کے بعد کسی کو خواب میں نظر آئے۔ اس نے پوچھا، حضرت! آگے کیا بنا؟ فرمانے لگے کہ ایک عمل کو میں چھوٹا سمجھتا تھا مگر پروردگار کے ہاں قبول ہو گیا اور میری بخشش ہو گئی۔ اس نے پوچھا، حضرت! وہ کون سا عمل تھا؟ فرمایا، ایک مرتبہ میں احادیث کی کتابت کر رہا تھا۔ میں نے اپنا قلم دوات میں ڈبو کر

نکالا۔ اسکے اوپر سیاہی لگی ہوئی تھی۔ایک مکھی آئی اور اس سیاہی کے اوپر بیٹھ گئی۔ میں نے سوچا کہ یہ پیاسی ہوگی، چلو میں تھوڑی دیر کے لئے قلم روک لیتا ہوں۔ چنانچہ میں نے ایک لمحے کے لئے قلم وہیں روک لیا کہ مکھی سیاہی چوس لے۔ اس کے بعد وہ مکھی اڑ گئی اور میں نے لکھنا شروع کر دیا۔ میں تو اس عمل کو بھول گیا تھا مگر نامۂ اعمال میں موجود تھا۔ پروردگار نے فرمایا کہ تم نے مکھی کی پیاس کا خیال رکھا آج میں تیری پیاس کا خیال رکھتے ہوئے تجھے جہنم سے بری کر دیتا ہوں۔ سبحان اللہ

ادب کی وجہ سے بخشش کا وعدہ :-

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ میں مکتوبات لکھ رہا تھا۔ دوران تحریر جب کبھی قلم رک جاتا تو میں اس کو ناخن پر چلاتا اور پھر لکھتا۔ اس طرح کچھ سیاہی ناخن پر لگ گئی۔ میں مختلف کاموں میں مصروف ہو گیا۔ اتنے میں مجھے رفع حاجت کے لئے بیت الخلاء جانا پڑا۔ ابھی قضائے حاجت کے لئے بیٹھنا ہی چاہتا تھا کہ ناخن پر سیاہی دیکھی مجھے فوراً خیال آیا کہ اگر میں فارغ ہوا تو یہ سیاہی بھی دھلے گی اور گندگی کے ساتھ بہہ جائے گی۔ ابھی یہ خیال آیا ہی تھا کہ میں نے اپنی حاجت کو مؤخر کیا اور بیت الخلاء سے باہر آگیا اور اس سیاہی کو پاک جگہ پر دھویا۔ ابھی دھو کر فارغ ہی ہوا تھا کہ اللہ رب العزت نے الہام فرمایا، احمد سرہندی ! تیرے اس ادب کیوجہ سے میں نے جہنم کی آگ کو تجھ پر حرام کر دیا۔

زبیدہ خاتون کی بخشش :-

زبیدہ خاتون نے نہر زبیدہ بنوا کر بغداد سے عربستان تک پانی پہنچایا۔ وہ خاتون کم سنی میں اپنی ہم جولیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھی اور اپنی سہیلیوں کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھی۔ جھولا جھولنے کے دوران اس کا دوپٹہ سر سے سرک

گیا۔ دوپٹہ ابھی اترا ہی تھا کہ اذان کی آواز آئی۔ اس نیک خاتون نے فی الفور جھولا روک
اور اپنا سر دوپٹے سے ڈھانپا۔ اس کے بعد وہ اپنی زندگی گزار کر وفات پا گئی۔ ایک رشتہ
دار نے خواب میں دیکھا اور پوچھا، زبیدہ! تیرا کیا بنا؟ کہنے لگی، اللہ رب العزت نے
میرے ساتھ آسانی کا معاملہ فرمایا۔ پھر اس شخص نے خواب ہی میں کہا، آپ نے
طویل نہر بنوائی تھی وہی کام آگئی ہوگی۔ تو زبیدہ نے کہا، نہر تو بنوائی تھی لیکن وہ میری
مغفرت کا سبب نہ بن سکی۔ پھر اس سائل نے پوچھا، پھر آپ کی مغفرت کیسے ہوئی؟
اس نے بتایا کہ ایک دن میں جھولا جھول رہی تھی تو وہ دوپٹہ جو میں نے اللہ کی عظمت
کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے سر پر رکھا۔ میرے اس عمل کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے
ایسی قبولیت ہوئی کہ اللہ رب العزت نے فرمایا، تو نے میرے نام کی ایسی تعظیم کی، ج
آج ہم بھی تمہیں جنت میں داخل کرتے ہیں، نہر اور دوسرے اعمال کا تو پوچھا ہی
نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر ہوتی ہے۔

روز محشر شیطان کی خوش فہمی:-

قیامت کے دن اللہ رب العزت کی رحمتوں کا اتنا ظہور ہوگا کہ حضرت قاری محم
طیبؒ فرماتے ہیں کہ ایک ایسا وقت آئے گا کہ شیطان کو بھی امید لگ جائے گی کہ شاید
آج میری غلطیوں کو بھی معاف کر دیا جائے گا۔ جب اللہ رب العزت کی رحمت کا ا
ظہور ہوگا تو اللہ تعالیٰ اپنے ایمان والے گنہگار بندوں کی یقیناً بخشش فرمادیں گے۔

کلمہ طیبہ کی برکت سے بخشش:-

روز محشر انسان کی بخشش کی کئی صورتیں ہوں گی۔ اللہ رب العزت ایمان والے
ایک بندے کو بلائیں گے۔ اس کے ننانوے دفتر گناہوں کے ہوں گے۔ اس بند
کے دل میں یہ بات ہوگی کہ میں آج عذاب سے نہیں بچ سکتا۔ اللہ رب العزت

فرمائیں گے ، اے بندے ! تمہارا ایک عمل ہمارے پاس موجود ہے ، ہم اس کو بھی تیرے نامۂ اعمال میں تولیں گے۔ پھر ایک فرشتہ کاغذ کی ایک چھوٹی سی پرچی لائے گا۔ اسے عربی میں بطاقہ کہتے ہیں۔ اور حدیث بطاقہ ہی کے نام سے یہ حدیث مشہور ہے۔ وہ اسے نیکیوں کے پلڑے میں رکھے گا۔ وہ اتنا بھاری ہو جائے گا کہ گناہوں کے ننانوے دفتر ہلکے رہ جائیں گے۔ اور نیکیوں کا دفتر جھک جائے گا۔ وہ بندہ پوچھے گا، اے اللہ ! یہ کیا تھا ؟ فرمایا جائے گا، میرے بندے ! تو نے کلمہ پڑھا تھا، اس کاغذ پر تیرا کلمہ لکھا ہوا تھا، یہ کلمہ تیرے ننانوے دفتروں سے بھاری ہو گیا۔ سبحان اللہ

نوافل کی برکت سے بخشش :-

کچھ ایسے لوگ ہوں گے جن کے گناہ ننانوے دفتروں سے بھی زیادہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے لئے بھی بخشش کے حالات بنا دیں گے۔ اس کی یہ صورت بنے گی کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کو بلائیں گے۔ شریعت کا یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی سے سواری کرایہ پر لے اور کہے کہ میں آپ کو ایک سو روپیہ دوں گا، مجھے ایک من وزن کسی دوسری جگہ لے جانا ہے۔ مگر وزن لے جاتے ہوئے ایک من سے دس کلو زیادہ تھا تو شریعت کا حکم ہے کہ زیادہ بوجھ کا ضمان دینا پڑتا ہے یعنی اس کے اضافی پیسے دینا پڑیں گے۔

اسی طرح اللہ رب العزت قیامت کے دن اپنے محبوب ﷺ کو بلائیں گے اور محبوب کی امت کے بارے میں فرمائیں گے، اے میرے محبوب ﷺ ! میں نے آپ کی امت پر فرائض اور واجبات کا بوجھ رکھا تھا لیکن آپ نے میری اتنی عبادت کی ، اتنی عبادت کی کہ آپ کی کثرت عبادت کو دیکھ کر آپ کی امت نے نوافل اور سنن کو بھی ادا کیا، یہ ایک اضافی بوجھ تھا جو آپ کی امت کے سروں پر رکھا گیا لہٰذا اب مجھے اور

آپ کو اس کا ضمان دینا پڑے گا۔ اللہ کے محبوب ﷺ پوچھیں گے، اے اللہ! اس کا ضمان کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، اے میرے محبوب ﷺ! آپ ان بندوں کے بارے میں شفاعت کیجئے۔ میں آپ کی شفاعت قبول کر کے ان کی بخشش فرمادوں گا۔ چنانچہ امت محمدیہ ﷺ کے وہ لوگ جو نوافل بھی ذوق شوق سے پڑھتے ہوں گے، اللہ تعالیٰ ان نوافل کو بہانہ بنا کر ان کی بخشش فرمادیں گے۔

بخشش کی انتہا :-

بالآخر ایک ایسا وقت آئے گا جب گنہگار انسان رہ جائیں گے۔ اب ان کو بھی اللہ تعالیٰ چاہیں گے کہ بخش دیں، تو پروردگار عالم فرشتوں کو بلائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے کہ اے میرے فرشتو! میں نے جب تمہیں کہا تھا کہ " اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃٌ" میں زمین میں اپنا نائب بنا رہا ہوں تو تم نے جواب میں کہا تھا" اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ" اے اللہ! کیا آپ زمین میں اس کو اپنا نائب بنائیں گے جو زمین میں فساد مچائے گا اور خون بہائے گا۔ تو اے میرے فرشتو! تم نے ان الفاظ کے ساتھ میرے ان بندوں کی غیبت کی تھی اور میری شریعت کا قانون ہے کہ جب کوئی کسی کی غیبت کرے تو اس کی نیکیاں اس بندے کو دے دی جاتی ہیں جس کی غیبت کی جاتی ہے۔ چونکہ تم نے ان انسانوں کی غیبت کی تھی لہٰذا تمہاری کروڑوں سالوں کی عبادتوں کا ثواب آج میں اپنے انسانوں کے اوپر تقسیم کر رہا ہوں۔ یوں اللہ تعالیٰ فرشتوں کی عبادت کو گنہگار انسانوں پر تقسیم کر کے ان کی مغفرت فرمادیں گے۔ سبحان اللہ

شر کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدابیر

جیسے یہ خفیہ تدبیریں خیر کے بارے میں ہوتی ہیں ایسے ہی خفیہ تدبیریں شر کے بارے میں بھی ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عارفین ہر وقت اپنے انجام کے بارے میں فکر مند رہتے ہیں۔

شر کی خفیہ تدابیر کی علامات :-

یاد رکھنا کہ ظاہر میں بندہ دین کا کام کر رہا ہوتا ہے لیکن اندر سے وہ دین سے محروم ہو رہا ہوتا ہے۔ چنانچہ شر کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدابیر کی چند علامتیں سن لیجئے۔

۱۔ ایسے بندے کو اللہ تعالیٰ دین کا علم دیتے ہیں مگر عمل کی توفیق سلب کر لیتے ہیں۔

۲۔ عمل کی توفیق دے دیتے ہیں مگر اخلاص سے محروم کر دیتے ہیں۔

۳۔ اس کو اولیاء کی صحبت تو دے دیتے ہیں مگر اولیاء کا ادب اور ان کی عقیدت دل سے نکال لیا کرتے ہیں۔

یعنی ظاہراً دین کا کام کر رہا ہو گا مگر حقیقت میں کچھ بھی پلے نہیں ہو گا۔

ایک مؤذن کا عبرتناک انجام :-

ایک مؤذن مصر کی جامع مسجد میں اذان دیا کرتا تھا۔ ظاہر میں وہ دین کا کام کرنے والا تھا لیکن اس کے دل میں خوف خدا نہ رہا۔ اس کے دل میں فسق و فجور بھر چکا تھا۔ ایک دفعہ وہ اذان دینے کے لئے مصر کی اس مسجد کے مینار پر چڑھا۔ مینار کے ادھر ادھر

مکانات تھے۔ ایک مکان میں اس کی نظر پڑی تو اسے کوئی خوبصورت لڑکی نظر آئی۔ اس کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ اذان دینے کی بجائے وہ نیچے اترا اور اس گھر کے پاس جاکر، معلومات لیں کہ یہ لڑکی کون ہے؟ کسی نے کہا کہ فلاں جگہ اس کا باپ ہے۔ یہ اس کے پاس گیا، معلومات لیں کہ آپ کون ہیں؟ اس نے کہا کہ ہم عیسائی ہیں اور یہاں نئے آکر بسے ہیں۔ ابھی ایک دن ہوا ہے کہ ہم یہاں آکر ٹھہرے ہیں۔ اس نے کہا کہ اچھا میں چاہتا ہوں کہ میں آپ لوگوں کے ساتھ تعلقات رکھوں۔ اس عیسائی نے کہا کہ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ تمہیں ہمارے دین پر آنا پڑے گا، پھر میں اپنی بیٹی کا تمہارے ساتھ رشتہ بھی کردوں گا۔

یہ بڑا خوش ہوا۔ کہنے لگا، ٹھیک ہے میں تمہارے دین کو قبول کر لیتا ہوں۔ عیسائی نے کہا میرے ساتھ آؤ۔ چنانچہ وہ اس کے ساتھ سیڑھیاں چڑھ کر مکان پر جانے لگا۔ ابھی چوتھی سے پانچویں سیڑھی چڑھ ہی رہا تھا کہ اس کا پاؤں پھسلا، گردن کے بل نیچے گرا اور وہیں پر اس کی جان نکل گئی۔

مینارے پر چڑھا تھا اذان دینے کے لئے، مگر اللہ تعالیٰ کو اس کے اندر کا فسق و فجور ناپسند تھا، جس کی وجہ سے پروردگار نے حالات ایسے بنا دیئے کہ جب وہ مینار سے نیچے اترا، اس وقت وہ ایمان سے خالی ہو چکا تھا۔

قرب قیامت کی ایک علامت:-

حدیث پاک میں آیا ہے کہ قرب قیامت کی علامات میں سے ہے کہ تم دیکھو گے کہ ایک آدمی صبح کے وقت ایمان والا ہوگا مگر جب رات کو سونے کے لئے بستر پر جائے گا تو ایمان سے خالی ہو چکا ہوگا۔ یہ وہ باتیں ہیں جو اللہ والوں کو ڈرا رہی ہوتی ہیں۔ وہ رو رو کر معافیاں مانگ رہے ہوتے ہیں، پروردگار کی جناب میں آہ و زاریاں کر

رہے ہوتے ہیں کہ اے اللہ ! تو مہربانی فرما، ہمیں کہیں ایمان کی دولت سے محروم نہ فرمادینا، اے اللہ ! تو نے جو علم و عمل والی نعمت عطا کی ہوئی ہے کہیں موت سے پہلے اس سے محروم نہ کردینا۔

حضرت شیخ الہندؒ پر خشیت الٰہی :-

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ کا واقعہ ہے کہ جب آپ کو مالٹا کے اندر قید کر دیا گیا تو وہاں آپ کے شاگرد حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور حضرت مولانا عزیر گلؒ بھی تھے۔ اور کئی حضرات بھی تھے۔ اتنے میں اطلاع ملی کہ انگریز نے فیصلہ کر لیا ہے کہ ان لوگوں کو مالٹا میں ہی قید رکھا جائے گا اور ان کو اتنی تکلیفیں پہنچائی جائیں گی کہ ادھر ہی ان کو موت آجائے۔ واپس نہیں جانے دیا جائے گا۔ حضرت شیخ الہندؒ نے سنا تو رونا شروع کر دیا۔ ہر وقت رویا کرتے تھے۔ آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرا کرتے تھے۔ شاگرد حیران ہوئے کہ ہمارے استاد تو بڑے عزم و استقامت کے پہاڑ تھے، یہ موت کی بات سن کر اتنا کس لئے روتے ہیں۔ کئی دن گزر گئے۔ حضرت کو کھانا بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔ ہر وقت ہی روتے رہتے تھے۔ طبیعت کثیر البکاء بن گئی تھی۔ جب ذرا کوئی بات ہوتی تو فوراً رونے بیٹھ جاتے۔ شاگرد آپس میں بیٹھتے اور کہتے کہ حضرت شیخ الہند کو کیا ہوا؟ ایک دن انہوں نے سوچا کہ ہم حضرت سے بات کرتے ہیں کہ اگر موت بھی آگئی تو شہادت کی موت مل جائے گی، ہمیں ڈرنے کی ضرورت کیا ہے ؟ آپ اتنا گریہ کیوں فرماتے ہیں ؟ ہماری سمجھ سے باہر ہے۔

چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ ایک مرتبہ تشریف فرما تھے اور رو رہے تھے۔ یہ تینوں شاگرد ان کی خدمت میں جا کر بیٹھے۔ انہوں نے بات چھیڑی کہ حضرت ! جب انسان اللہ کے راستے میں ہو اور اس کی جان چلی جائے تو وہ شہید ہوتا ہے، اس کو درجے ملتے ہیں، حضرت ! ہمیں موت بھی آگئی تو اللہ تعالیٰ کے ہاں شہادت لکھی جائے گی۔ جب

حضرت مولانا عزیر گلؒ نے یہ بات کہی تو شیخ الہندؒ نے ان کو غصے بھری نگاہوں سے دیکھا اور فرمایا، عزیر گل! تمہیں کیا معلوم...... اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی سے ڈرتا ہوں کہ وہ کبھی کبھی بندے کی جان بھی لے لیتا ہے اور اس جان کو قبول بھی نہیں کیا کرتا۔ اس وقت ان شاگردوں کی چیخیں نکل گئیں کہ اوہو! حضرت کی نظر کس بات پر تھی۔

اللہ والوں کی آہ وزاری :-

محترم جماعت! جو جتنا علم والا ہوگا، جتنا عمل والا ہوگا، جتنا معرفت والا ہوگا وہ نیکی بھی زیادہ کر رہا ہوگا مگر ساتھ ہی ساتھ ڈر بھی رہا ہوگا، وہ کانپ رہا ہوگا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے پروردگار کے غصے کو۔ وہ جانتا ہے پروردگار کی ناراضگی کو، وہ جانتا ہے پروردگار کی عظمتوں کو، اور اسے پتہ ہے کہ جب پروردگار کی بے نیازی کا معاملہ ہوتا ہے تو پھر تو وہاں پر بڑے بڑوں کو پھٹکار دیا جاتا ہے، اس لئے پھر ڈر کر اپنے پروردگار کی بارگاہ میں آہ وزاریاں کرتا ہے کہ اے اللہ! میں تیری بے نیازی سے ڈرتا ہوں، میں تیری خفیہ تدبیر سے ڈرتا ہوں، اے اللہ! تو نے جو ایمان کی دولت عطا فرمائی ہے موت تک اسے سلامتی کے ساتھ پہنچا دینا۔ اے اللہ! تو نے جو اپنی معرفت عطا کی ہے موت تک اسے محفوظ پہنچانے کی توفیق دے دینا۔

آخر یہ خوف کب تک؟

اللہ والوں کا یہ خوف زندگی میں زائل نہیں ہو سکتا، زندگی بھر رہے گا۔ کوئی کتنا بلند مرتبہ ہی کیوں نہ ہو جائے، کئی بشارتیں کیوں نہ پا جائے، جب تک موت نہیں آجاتی اس وقت تک کسی کو یقین نہیں کہ میرا انجام کیا ہوگا۔ اسی لئے فرمایا کہ تم اللہ کی عبادت کرو "حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ" حتی کہ تمہیں موت آجائے۔ لہٰذا موت سے

پہلے کوئی بھی نیک آدمی اللہ کے اس معاملے سے امن میں نہیں ہوتا۔ ہر بندے کو ڈرنے کی ضرورت ہے۔ جو لوگ گناہ کرتے ہیں ان کو زیادہ ڈرنے کی ضرورت ہے۔ اور اگر انسان گناہ نہ بھی کرے، نیکی ہی کر رہا ہو تو پھر بھی ڈرے کیونکہ پتہ نہیں کہ نیکی قبول بھی ہوگی یا نہیں ہوگی۔ اگر معرفت بھی نصیب ہوگئی تو پھر ڈر اور زیادہ ہوتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ یہ معرفت کہیں موت سے پہلے پہلے چھین لی نہ جائے، کوئی معاملہ ایسا بنا دیا جائے کہ راستے میں ہی انسان کو واپس لایا جائے۔

شیخ عبداللہ اندلسیؒ کا سبق آموز واقعہ :-

شیخ عبداللہ اندلسیؒ حضرت شبلیؒ کے پیر تھے۔ عیسائیوں کی بستی کے قریب سے گزر رہے تھے۔ اس بستی کے اوپر صلیبیں لٹک رہی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک کنوئیں پر عصر کی نماز ادا کرنے کے لئے وضو کرنے گئے۔ وہاں کسی لڑکی پر نظر پڑی۔ شیخ کا سینہ وہیں خالی ہو گیا۔ اپنے مریدین سے کہنے لگے، جاؤ واپس چلے جاؤ، میں ادھر جاتا ہوں جدھر یہ لڑکی ہوگی۔ میں اس کی تلاش میں جاؤں گا۔ مریدین نے رونا شروع کر دیا۔ کہنے لگے، شیخ! آپ کیا کر رہے ہیں ؟ .... یہ وہ شیخ تھے جن کو ایک لاکھ حدیثیں یاد تھیں، قرآن کے حافظ تھے، سینکڑوں مسجدیں ان کے دم قدم سے آباد تھیں، خانقاہیں ان کے دم قدم سے آباد تھیں۔ انہوں نے کہا، میرے پلے کچھ نہیں جو میں تمہیں دے سکوں، اب تم چلے جاؤ۔ شیخ ادھر بستی میں چلے گئے۔ کسی سے پوچھا کہ یہ لڑکی کہاں کی رہنے والی ہے۔ اس نے کہا کہ یہ یہاں کے نمبردار کی بیٹی ہے۔ اس سے جا کر ملے۔ کہنے لگے، کیا تم اس لڑکی کا نکاح میرے ساتھ کر سکتے ہو ؟ اس نے کہا، یہاں رہو، ہماری خدمت کرو، جب آپس میں موانست ہو جائے گی تو پھر آپ کا نکاح کر دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے کہا، بالکل ٹھیک ہے۔ وہ کہنے لگا، آپ کو سؤروں کا ریوڑ چرانے والا کام کرنا پڑے گا۔ شیخ اس پر بھی تیار ہو گئے اور کہنے لگے

کہ ہاں میں خدمت کروں گا۔ اب کیا ہوا؟ صبح کے وقت سئور لے کر نکلتے، سارا دن چرا کر شام کو واپس آیا کرتے۔

ادھر مریدین جب واپس گئے۔ اور یہ خبر لوگوں تک پہنچی تو کئی لوگ تو بے ہوش ہو گئے، کئی موت کی آغوش میں چلے گئے اور کئی خانقاہیں بند ہو گئیں۔ لوگ حیران تھے کہ اے اللہ! ایسے ایسے لوگوں کے ساتھ بھی تیری بے نیازی کا یہ معاملہ ہو سکتا ہے۔

ایک سال اسی طرح گزر گیا۔ حضرت شبلیؒ سچے مرید تھے، جانتے تھے کہ میرے شیخ صاحب استقامت تھے، مگر اس معاملہ میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہو گی۔ ان کے دل میں بات آئی کہ میں جا کر حالات معلوم کروں۔ چنانچہ اس بستی میں آئے اور لوگوں سے پوچھا کہ میرے شیخ کدھر ہیں۔ کہا، تم فلاں جنگل میں جا کر دیکھو، وہاں سئور چرا رہے ہوں گے۔ جب وہاں گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہی عمامہ، وہی جبہ اور وہی عصا جس کو لے کر وہ جمعہ کا خطبہ دیا کرتے تھے، آج اسی حالت میں سئوروں کے سامنے کھڑے سئور چرا رہے ہیں۔ شبلیؒ قریب ہوئے۔ پوچھا، حضرت! آپ تو قرآن کے حافظ تھے، آپ بتائیے کہ کیا آپ کو قرآن یاد ہے؟ فرمانے لگے، قرآن یاد نہیں۔ پھر پوچھا، حضرت! کوئی ایک آیت یاد ہے، سوچ کر کہنے لگے، مجھے ایک آیت یاد ہے۔ پوچھا، کونسی آیت؟ کہنے لگے، "وَمَنْ يُهِنِ اللّٰهُ فَمَالَهُ مِنْ مُّكْرِمٍ" جسے اللہ ذلیل کرنے پر آتا ہے اسے عزتیں دینے والا کوئی نہیں ہوتا۔ پورا قرآن بھول گئے اور صرف ایک آیت یاد رہی جو کہ ان کے اپنے حال سے تعلق رکھتی تھی۔ حضرت شبلیؒ رونے لگ گئے کہ حضرت کو صرف ایک آیت یاد رہی۔ پھر پوچھا، حضرت! آپ حافظ حدیث تھے، کیا آپ کو حدیثیں یاد ہیں؟ فرمانے لگے، ایک یاد ہے "مَنْ بَدَّ

دِیْنَہٗ فَاقْتُلُوْہُ" جو دین کو بدل دے اسے قتل کر دو۔ یہ سن کر شبلیؒ پھر رونے لگے تو انہوں نے بھی رونا شروع کر دیا۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ شیخ روتے رہے اور روتے ہوئے انہوں نے کہا، اے اللہ! میں آپ سے یہ امید تو نہیں کرتا تھا کہ مجھے اس حال میں پہنچا دیا جائے گا۔ رو بھی رہے تھے اور یہ فقرہ بار بار کہہ رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے شیخ کو توبہ کی توفیق عطا فرما دی اور ان کی کیفیتیں واپس لوٹا دیں۔ پھر بعد میں شبلیؒ نے پوچھا، یہ سارا معاملہ کیسے ہوا؟ فرمایا، میں بستی کے قریب سے گزر رہا تھا۔ میں نے صلیبیں لٹکتی ہوئی دیکھیں تو میرے دل میں خیال آیا کہ یہ کیسے کم عقل لوگ ہیں، بے وقوف لوگ ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے میری اس بات پر پکڑ کر لی کہ عبد اللہ! اگر تم ایمان پر ہو تو کیا یہ تمہاری عقل کی وجہ سے ہے یا میری رحمت کی وجہ سے ہے، یہ تمہارا کمال نہیں ہے یہ تو میرا کمال ہے کہ میں نے تمہیں ایمان پر باقی رکھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان کا وہ معاملہ سینے سے نکال لیا کہ اب دیکھتے ہیں تم اپنی عقل پر کتنا ناز کرتے ہو۔ تم نے یہ لفظ کیوں استعمال کیا، تمہیں یہ کہنا چاہئے تھا کہ اللہ نے ان کو محروم کر دیا ہے، تم نے عقل اور ذہن کی طرف نسبت کیوں کی؟

اللہ والوں کی شب بیداری :-

اللہ والے اسی تدبیر سے ڈر رہے ہوتے ہیں۔ انہیں امن نہیں ہوتا۔ وہ راتوں کو تہجد پابندی سے پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے دامن پھیلا کر بیٹھتے ہیں۔ میرے مولا! ظاہر میں تو نے دین کا کام کرنے کی توفیق دے دی، اب رسوا نہ کر دینا، اب ذلیل نہ کر دینا، اب جگ ہنسائی نہ ہو جائے۔ یہ عارفین کا خوف ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ نعمت نصیب فرما دے۔

اعتراف جرم :-

میرے مولا ! گو ہمارے سلف صالحین تو بڑے بزرگ تھے ، ان کے حوصلے ب
بڑے تھے ، ہمتیں بھی بڑی تھیں ، ان کے مجاہدے بھی بڑے تھے ۔ اے اللہ ! ہم
کمزور بندے ہیں ، ہماری ہمتیں پست ہیں ، ہم کسی کام کے نہیں ، تو ہمارے ا
بہروپ کو قبول کر لینا۔ اے اللہ ! آپ نے ہم سے حقیقت کا مطالبہ کیا، ہمارے
حقیقت نہیں ، ہم کیا پیش کر سکیں گے ، ہماری تو قلعی کھل جائے گی ۔ اے اللہ
مہربانی فرما کر ہمارے اسی ظاہر کو قبول کر لینا۔ رب کریم ! ہمارے ساتھ بلا حسا
والا معاملہ کر دے ۔ اس لئے کہ فرمایا گیا" مَنْ نُوْقِشَ فِیْ الْحِسَابِ فَ
عُذِّبَ" جس کا حساب کتاب شروع کر دیا گیا اس کو تو ضرور عذاب ہو کر رہے گا۔

یا اللہ ! ہمیں بغیر حساب کتاب کے جنت عطا فرما دے۔ ہم کمزور ہیں اور تو کمزور
کا پروردگار ہے۔

وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

فلسفۂ علم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ
الرَّحِیْمِ o وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَا لْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنo وَ قَالَ
اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ اٰخَرْ یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ
اُوْتُوْ الْعِلْمَ دَرَجَاتٍo سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَo
وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَo وَالْحَمْدُلِلّٰہِ
رَبِّ الْعٰلَمِیْنَo

تخلیق انسانی کا مقصد :

اللہ رب العزت نے انسان کو اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا۔ اس کی پیدائش سے پہلے زمین و آسمان بنائے۔ یہ چاند اور تارے، یہ مرغزاریں، یہ آبشاریں، یہ گلشن کی بہاریں اللہ رب العزت نے انسان کیلئے بنائیں اور انسان کو اللہ رب العزت نے اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا۔

کسی شاعر نے اس مضمون کو یوں بیان کیا ہے :

جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کیلئے

ایک اور شاعر نے کہا :

کھیتیاں سر سبز ہیں تیری غذا کے واسطے
چاند سورج اور ستارے ہیں ضیاء کے واسطے
بحر و بر شمس و قمر ما و شما کے واسطے
یہ جہاں تیرے لئے ہے تو خدا کے واسطے

یہ دنیا کی تمام نعمتیں اللہ رب العزت نے انسان کیلئے پیدا کیں اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر تھے کہ عالم ارواح میں ہی انسان کو ولایت عطا کر دیتے، مگر اس کے حصول کیلئے اسے دنیا میں بھیجا۔ اسے سر عطا کیا تو سجدے کیلئے زمین بھی عطا کی، پاؤں دیئے تو چل کر جانے کیلئے مسجد بھی عطا کی، اس کو ہاتھ دیئے تو خرچ کیلئے مال بھی عطا کیا تاکہ یہ انسان اپنے جسم کو نیکی میں استعمال کرے اور اپنے پروردگار کا قرب حاصل کر سکے۔ ہر کام اللہ رب العزت کے حکموں اور نبی اکرم ﷺ کے طریقوں کے مطابق کرنا بندگی میں شامل ہے۔ بندہ وہی ہوتا ہے جس میں بندگی ہو ورنہ تو سراسر گندہ ہوتا ہے، جھوٹ اور فریب کا پلندہ ہوتا ہے۔

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

علم کی ضرورت

وصول الی اللہ کا راستہ تین قدم ہے۔ جب تک تینوں قدم نہیں اٹھیں گے اس وقت تک منزل پر نہیں پہنچیں گے۔ اس میں پہلا قدم علم کا حاصل کرنا ہے۔

بے علم نتواں خدا را شناخت

یعنی بے علم انسان اپنے پروردگار کو نہیں پہچان سکتا۔ گویا علم اس راستہ کی ضرورت ہے۔ ہم اس تصوف کے قائل نہیں جو علم سے انسان کو روکتا ہو۔ وقتی طور پر کسی

مشغولیت کو روکنا اور چیز ہے اور علم کی مخالفت کرنا اور چیز ہے۔ چونکہ آدمی کے ساتھ ہر وقت مفتی تو نہیں ہوتا' اس لئے کون بتائے گا کہ کس کام کی اجازت ہے اور کس کام کی اجازت نہیں ہے؟ اس لئے ضروریات دین کا علم جاننا ہر آدمی کیلئے ضروری ہے۔ کئی لوگ اپنی جہالت پر پردہ ڈالنے کیلئے کسی بزرگ کا ایسا کلام پیش کر دیتے ہیں۔ جو انہوں نے کسی خاص حالت میں کہا تھا۔ لہذا فوراً کہہ دیتے ہیں :

علموں بس کریں او یار

یعنی بس کر علم سے اے دوست۔ جی ہاں' وہ کہا تھا' مگر کچھ سابقہ اور لاحقہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ کیوں کہا تھا۔ فقط اس فقرے کو پیش کریں گے تو خیانت ہوگی' صحیح بات پیش نہیں ہو سکے گی اور ان بزرگوں پر خواہ مخواہ کا الزام آئے گا۔ کیونکہ علم کے بغیر بزرگی مل ہی نہیں سکتی۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ہم دو دوست تھے۔ اور دونوں سلوک میں ایک ہی جذبے کے ساتھ لگے۔ اس دوست سے میں اس لئے آگے بڑھ گیا کہ اللہ رب العزت نے مجھے دوسرے سے علم زیادہ عطا کیا تھا۔ جی ہاں' زیادہ علم والا جب اس راستے پر چلتا ہے تو بلندیاں بھی زیادہ پایا کرتا ہے۔ اس لئے کہ جیسے گدھا اور گھوڑا برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح عالم اور جاہل بھی برابر نہیں ہو سکتے۔

انسانی بدن میں اعضاء کی تین قسمیں :

اللہ رب العزت نے انسان کے اندر تین طرح کے اعضاء بنائے ہیں

(1) اعضائے علم (2) اعضائے عمل (3) اعضائے مال

اعضائے علم۔ یعنی علم حاصل کرنے کے اعضاء کان' آنکھ اور دماغ ہیں۔ ان تینوں راستوں سے انسان علم حاصل کرتا ہے۔ کچھ علم سن کر حاصل کرتا ہے۔ مثلاً

چھوٹا بچہ جو زبان سیکھتا ہے وہ پڑھ کر تو نہیں سیکھتا۔ ماں باپ انگلش بولتے ہیں تو وہ چھوٹا سا بچہ انگلش کے الفاظ بولنا شروع کر دیتا ہے۔ ماں باپ عربی بولتے ہیں تو وہ معصوم بچہ عربی بولنا شروع کر دیتا ہے۔ اس کو زبان کا جتنا علم حاصل ہو رہا ہے وہ فقط سننے کے راستے سے حاصل ہو رہا ہے۔ اسی طرح کچھ علم انسان دیکھنے کے راستے سے حاصل کرتا ہے اور کچھ سوچ بچار سے حاصل کرتا ہے۔ گویا سماعت' بصارت اور عقل علم حاصل کرنے کے تین ذرائع ہیں۔ اور قیامت کے دن انہی اعضائے علم ہی کے بارے میں بالخصوص سوال کیا جائے گا۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں : اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا پوچھیں گے کہ ان ذرائع سے کونسا علم حاصل کیا؟ دین کا علم حاصل کیا یا تم نے انہیں بے وقعت اور معمولی چیزوں پر ضائع کر دیا۔

اعضاء کی دوسری قسم اعضائے عمل کہلاتی ہے۔ یعنی انسان کے وہ اعضاء جو عمل کرتے ہیں' جیسے ہاتھ اور پاؤں۔

اور اعضاء کی تیسری قسم اعضائے مال کہلاتی ہے' جیسے پھیپھڑے اور معدہ' جن میں خون ہوتا ہے۔ گویا یہ مال ہے جو ان اعضاء میں جمع ہے۔ اگر یہ مال غذا یا خون کسی عضو میں جمع ہی رہے اور آگے نہ نکلے تو تعفن (Infection) پھیل جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اگر کسی کے پاس مال جمع رہے' خرچ نہ ہو تو وہ بھی فساد کا باعث بنے گا۔

اعضائے ترکیب میں حکمت :

اعضائے علم چونکہ سب سے زیادہ وقعت والے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو سر میں سجایا۔ آپ دیکھیں کہ سماعت' بصارت اور عقل انسان کے سر میں ہیں۔ اعضائے عمل چونکہ مزدور قسم کے اعضاء ہیں اس لئے ان کو سب سے نیچے بنایا' ہاتھ اور پاؤں

سب سے نیچے۔ اور درمیان میں انسان کا معدہ اور پھیپھڑے ہیں جن کو اعضائے مال کہا جاتا ہے۔

تحصیل علم ایک فطری جذبہ ہے :

انسان کے اندر کچھ جذبات فطری ہیں۔ مثلاً بھوک اور پیاس کا لگنا۔ اسی طرح علم کا حاصل کرنا بھی انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ آدمی صبح اٹھتے ہی اخبار کے پیچھے بھاگتا ہے۔ اسے اخبار پڑھنے کا ایسا شوق ہوتا ہے کہ ناشتے میں مزہ ہی نہیں آتا جب تک اخبار نہ پڑھ لے' ٹی وی ریڈیو پر خبریں نہ سن لے' دوسروں سے Discuss (بحث) نہ کر لے کہ جی کیا ہوا؟ فلاں نے کیا کیا؟ اچھا' پھر حالات کیا ہیں؟ ہم ایک دوسرے سے یہ جتنی باتیں کر رہے ہوتے ہیں' حقیقت میں ہم اس جذبے کو مطمئن کر رہے ہوتے ہیں۔

ایک اور مثال سن لیجئے۔ چند آدمی کہیں جمع دیکھیں تو ہر بندہ پوچھتا ہے کہ جی کیا ہوا؟ اب یہ جو ہم پوچھ رہے ہیں کہ کیا ہوا' یہ حقیقت میں علم حاصل کرنے کا فطرتی جذبہ ہے جس کی وجہ سے ہم ایسی چیز کو جاننے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں جس کا ہمیں پتہ نہیں ہوتا۔ اسی لئے ضروریات دین کا علم حاصل کرنا انسان پر فرض فرمایا۔

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَ مُسْلِمَةٍ۔

علم ایک نور ہے :

حدیث پاک میں آیا ہے ، علم ایک روشنی ہے۔ اس کے برعکس دیکھا جائے تو جہالت اندھیرے کی مانند ہے۔ جس طرح روشنی کے بغیر راستہ نظر نہیں آتا اسی طرح علم کے بغیر انسان کو شریعت کے راستہ کا پتہ نہیں چلتا۔ اگر آپ نے کسی جگہ سے اندھیرا دور کرنا ہو تو اس کا علاج یہ تو نہیں کہ آپ اندھیرے کو گالیاں دیں' کوسیں یا

جھڑکیاں دیں کہ نکل جا یہاں سے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ چراغ جلایئے' اندھیرا خود بخود غائب ہو جائے گا۔ اگر جہالت ہے تو اس کے دور کرنے کا طریقہ یہ تو نہیں کہ الٹا علم کی مخالفت کی جائے یا جہالت پر پردہ ڈالا جائے اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ علم حاصل کریں' جہالت خود بخود ختم ہو جائے گی۔

پہلی وحی میں تحصیل علم کی تلقین :

قرآن پاک جب نازل ہوا تو پہلا لفظ جس سے اللہ رب العزت کی وحی فخر انسانیت نبی اکرم ﷺ کو نصیب ہوئی وہ تھا " اِقْرَاْ "اس کا مطلب ہے "پڑھ" پڑھنے کے لفظ سے گویا وحی کی ابتداء کی گئی جس سے پتہ چلا کہ پڑھنا یا علم حاصل کرنا اس دین متین میں کس قدر اہمیت کا حامل ہے۔ اب یہاں کوئی بندہ یہ کہہ سکتا ہے کہ جی صرف پڑھنے کی بات ہوئی ہے۔ مگر نہیں' آگے بھی بات کی گئی ہے اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقْ٥ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقْ٥ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ تو پڑھ قرآن تیرا رب کرے گا تیرا اکرام۔ کون پروردگار؟ اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ جس نے آپ کو قلم کے ذریعے علم سکھایا۔ تو قلم کا لفظ بتا کر بات واضح کر دی کہ صرف پڑھنا ہی نہیں بلکہ لکھنا بھی اس میں ضروری ہے۔ ہمارا دین ایسا عظمتوں والا دین ہے کہ جس نے چودہ سو سال پہلے' جب جہالت کا دور دورہ تھا' لکھ پڑھ کر علم حاصل کرنے کی اتنی اہمیت بیان فرمادی۔ اور یہ باتیں کس کی زبان سے کروائی گئیں؟ ایسے محبوب ﷺ کی زبان سے جو خود فرماتے تھے کہ میں تو اُمّی ہوں' میں تو ان پڑھ ہوں۔ واہ میرے پروردگار! لکھے پڑھے کی زبان سے بات ہوتی تو دنیا کہتی کہ اس نے اپنی تعلیم کے ذریعہ اس بات کی اہمیت کو جان لیا تھا' مگر نہیں۔ سبحان اللہ

علمائے کرام کا احسان :

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر نیک نیت ہو تو طالب علم سے افضل کوئی نہیں۔ جی ہاں، حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر علماء نہ ہوتے تو آج انسان جانوروں کی سی زندگی گزار رہے ہوتے۔ یہ علماء کا احسان ہے کہ انسان کیلئے دین کا سمجھنا آسان ہو گیا۔ اللہ رب العزت نے یہ اعزاز علماء ہی کو عطا فرمایا کہ وہ دین کے حامل ہیں، ناشر ہیں، داعی ہیں اور ایک سے دوسرے سینے تک پہنچانے والے ہیں۔

علم اور معلومات میں فرق :

علم اور معلومات میں فرق ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے طلباء سے پوچھا، علم کسے کہتے ہیں؟ کسی نے کہا، جاننا۔ کسی نے کہا، پہچاننا۔ کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ۔ حضرت خاموش رہے۔ طلباء نے عرض کیا، حضرت! آپ ہی بتا دیجئے۔ حضرت نے فرمایا! علم وہ نور ہے جس کے حاصل ہونے کے بعد اس پر عمل کئے بغیر چین نہیں آتا۔ کیونکہ وہ تمام خبریں جو انسان کے دماغ میں تو موجود ہیں مگر عمل میں نہیں، تو وہ معلومات کہلائیں گی۔ اسی لئے شریعت مطہرہ نے علم نافع مانگنے کا حکم دیا ہے۔ نبی علیہ السلام دعائیں مانگتے تھے کہ "اے اللہ! مجھے علم نافع (نفع دینے والا علم) عطا فرما"۔ علم نافع وہی ہوتا ہے جس پر عمل کیا جائے اور اگر فقط معلومات ہوں تو یہ وبال بن جاتی ہیں۔

بے عمل پیر اور بے عمل عالم شریعت کی نظر میں :-

قرآن پاک میں بے عمل پیروں کو کتوں کی مثل قرار دیا گیا اور بے عمل عالموں کو گدھے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ بلعم باعور جو بنی اسرائیل کا صوفی اور پیر تھا وہ راستہ سے ہٹا، اس کا پاؤں پھسلا اور وقت کے نبی کے خلاف ہو کر اپنے مقام سے نیچے گرا تو اس

کے بارے میں اللہ تعالی نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایافَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اس کی مثال تو کتے کی مانند ہے۔ اور علمائے یہود میں سے جنہوں نے دین پر عمل نہ کیابلکہ اپنی خواہشات کو پورا کرنے کیلئے اس میں تحریف کی' اللہ تعالی نے ان کے بارے میں فرمایا كَمَثَلِ الْحِمَارِ گدھے کی مانند ہیں يَحْمِلُ اَسْفَارًا جن کے اوپر بوجھ لدا ہوا ہوتا ہے۔

عمل کی ضرورت

اللہ رب العزت جسے علم عطا فرمائیں وہ بڑا خوش نصیب انسان ہے کہ ایک قدم تو اسے سلوک کے راستہ پراٹھانے کی توفیق عطا فرمائی۔ مگر یادرکھیں کہ ابھی کام ختم نہیں ہوابلکہ ابھی کام شروع ہوا ہے۔ اس سے اگلا قدم ہے عمل کرنا۔ ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ علم عمل کے دروازہ پر دستک دیتا ہے' کھل جائے تو فبہااور نہ کھلے تو ہمیشہ کیلئے رخصت ہو جاتا ہے۔ اور واقعی آپ دیکھیں گے کہ جن حضرات کا اپنے علم پر عمل نہیں ہوتا' وہ تھوڑے ہی عرصہ میں علم سے خالی ہو جاتے ہیں' فقط علم کا نام رہ جاتا ہے مگر علم کی حقیقت ان کے دلوں سے اٹھالی جاتی ہے' گویا یہ علم مہمان ہوتا ہے جب تک کہ عمل کی شکل میں نہ ڈھل جائے۔ علمائے راسخین تب بنتے جب اس علم پر ان کا عمل ہو جاتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ اَلْعِلْمُ بِلَا عَمَلٍ كَشَجَرٍ بِلَا ثَمَرٍ علم بغیر عمل کے ایسا ہے جیسے کوئی درخت بغیر پھل کے ہوا کرتا ہے۔

علم میں وزن عمل کی وجہ سے :

ایک علمی نکتہ بیان کر دیتا ہوں کہ جب تک علم پر عمل نہ کیا جائے اس وقت تک

علم میں وزن نہیں آتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب پہلی وحی نازل ہوئی تو نبی اکرم ﷺ گھبرا گئے۔ آپ ﷺ گھر پہنچ کر فرمانے لگے، زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ۔ دَثِّرُوْنِیْ دَثِّرُوْنِیْ (مجھے چادر اوڑھا دو) آپ ﷺ نے اپنی اہلیہ محترمہ حضرت خدیجہؓ سے فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں ہلاک نہ کر دیا جاؤں۔ آپ ﷺ کی اہلیہ محترمہ نے جواب دیا، کَلَّا ہرگز نہیں۔ اس کی دلیل کے طور پر کہا، اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ آپ توصلہ رحمی کرنے والے ہیں، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ اور بے مایہ لوگوں کو کما کر دینے والے ہیں وَتَحْمِلُ الْكَلَّ اور بے مایہ لوگوں کا بوجھ اپنے اوپر اٹھانے والے ہیں وَتُقْرِیْ الضَّیْفَ اور مہمان نوازی کرنے والے ہیں وَتُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ اور حق باتوں کی مدد کرنے والے ہیں۔

محدثین نے یہاں ایک نکتہ لکھا ہے کہ سیدہ خدیجہؓ نے آپ ﷺ کے علمی کمالات کو دلیل کے طور پر پیش نہیں فرمایا کہ اے اللہ کے محبوب ﷺ! آپ پر قرآن نازل ہو رہا ہے، آپ نبی ہیں، آپ سید الاولین والآخرین ہیں۔ اور نہ ہی اس قسم کے فضائل و خصائل بیان کئے ہیں۔ بلکہ وہ باتیں کہیں جو آپ ﷺ کے عمل سے تعلق رکھتی تھیں۔ معلوم یہ ہوا کہ سیدہ خدیجہؓ کی نظر عمل پر تھی، اس لئے وہ نبی اکرم ﷺ کی صحبت یافتہ ہونے کی وجہ سے جانتی تھیں کہ انسان کے اندر جب علم کے بعد عمل آتا ہے تو اللہ رب العزت ایسے بندے کو ضائع نہیں کیا کرتے۔

کائنات کی سعادتوں کا مخزن:

کائنات کی جتنی سعادتیں ہیں اللہ تعالی نے ان کو اس آیت میں بھر دیا ہے مِنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ وَالصّٰلِحِیْنَ نبیین اور صدیقین دونوں کا علم سے زیادہ تعلق ہے۔ ایک نبوت کا دعویٰ کرنے والے اور دوسرے دعویٰ کی تصدیق

کرنے والے۔ شہداء اور صالحین کا عمل سے زیادہ تعلق ہے۔ تو معلوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تمام تر سعادتوں کو علم و عمل میں سمودیا ہے۔ جب علم بغیر عمل کے ہوتا ہے تو بھی نقصان دیتا ہے اور جب عمل بغیر علم کے ہوتا ہے تب بھی نقصان دیتا ہے۔

حضرت یوسفؑ فرش سے عرش پر :

یاد رکھئے کہ جب علم پر عمل ہوتا ہے تو یہ ایک قوت بن جاتی ہے۔ اس کی دلیل کیلئے قرآن پاک سے دو واقعات بیان کر دیتا ہوں۔ ایک حضرت یوسفؑ کا کہ جب آپ کو علم حاصل نہیں ہوا تھا تو اس وقت مصر کے بازار میں ایک بکاؤ مال کی طرح آپ کی قیمت لگ رہی تھی۔ لیکن جب اللہ نے آپ کو علم عطا کیا اور اس علم پر آپ کا سو فیصد عمل ہوا تو اللہ رب العزت نے آپ کو فرش سے اٹھا کر عرش (تخت) پر بٹھا دیا۔ اور آپ کے بھائی جو علم پر عمل نہ کر سکے' وہ جانتے تھے کہ اگر ہم یوسفؑ کو قتل بھی کر دیں گے تو یہ زیادتی ہوگی' مگر چونکہ دل میں حسد تھا اس لئے کہنے لگے' اُقْتُلُوْا یُوْسُفَ اَوِاطْرَحُوْهُ اَرْضًا یَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِیْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْ بَعْدِهٖ قَوْمًا صَالِحِیْنَ کہ اس کو قتل کر کے اس کا معاملہ نمٹادو اور بعد میں توبہ کر کے نیک بن جائیں گے۔ بہر حال انہوں نے نفس کی مانی اور ایک کنوئیں میں پھینک دیا۔ معلوم یہ ہوا کہ جو آدمی علم پر عمل نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ گناہ تو میں کروں گا بعد میں توبہ کرلوں گا' اس کا معاملہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں والا ہے۔

دوسری طرف دیکھیں کہ حضرت یوسفؑ پر امتحان تھا۔ وہ اس امتحان میں فوراً کہہ اٹھے معاذ اللہ میں اللہ رب العزت سے پناہ مانگتا ہوں۔اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ جب آپ خوف خداوندی کے سبب اس گناہ سے بچ گئے' تو اللہ رب العزت نے فرمایا کہ ہاں وہ

ہمارے مخلص بندوں میں سے تھا۔اس کے بعد آپ پر ایک اور آزمائش آئی کہ آپ کو سالوں کیلئے جیل میں جانا پڑا۔بالآخران تمام مصائب سے گزر کر ایک وہ وقت بھی آیا آپ کو جیل سے نکال کر تخت پر بٹھادیا گیا۔پوری قوم قحط میں مبتلا ہو گئی۔ حضرت یوسفؑ کے بھائی قحط سالی میں گرفتار ہو کر پریشانی میں پھنس گئے۔اور آپ کے پاس چل آئے۔ خدا کی شان دیکھئے کہ دونوں طرف ایک ہی باپ کے بیٹے ہیں' ادھر بھی نبی زادے اور یہ پیغمبر علیہ السلام بھی نبی زادے' مگر عمل کے فرق سے رتبہ میں کتنا فرق آگیا! کہ وہ لینے والے' یہ دینے والے' وہ فرش پر کھڑے ہیں یہ عرش (تخت) پر بیٹھے ہیں۔

جب بھائی مصر پہنچے تو انہوں نے سمجھا کہ یہ عزیز مصر ہیں۔چنانچہ وہاں جا کر کہنے لگے 'یَا یُّھَا الْعَزِیْزُ مَسَّنَا وَ اَھْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَۃٍ مُّزْجٰۃٍ فَاَوْفِ لَنَا الْکَیْلَ کہ ہمیں اور ہمارے اہل خانہ کو تنگدستی نے پریشان کر دیا ہے اور ہم پیسے بھی پورے نہیں لائے اور ہمیں غلہ پورا دے دیں۔وَتَصَدَّقْ عَلَیْنَا ہمارے اوپر صدقہ و خیرات کر دیں اِنَّ اللّٰہَ یَجْزِی الْمُتَصَدِّقِیْنَ اللہ صدقہ دینے والوں کو جزا دیتا ہے۔جب یوسفؑ نے دیکھا کہ معاملہ ایں جا رسید' تو پوچھا کہ مَافَعَلْتُمْ بِیُوسُفَ ؟ تم نے یوسفؑ کے ساتھ کیا کیا تھا؟ وہ حیران ہو گئے۔کہنے لگے ءَ اِنَّكَ لَاَنْتَ یُوْسُفُ کیا آپ یوسف ہیں؟ قَالَ اَنَا یُوْسُفُ ہاں میں یوسف ہوں وَ ھٰذَآ اَخِیْ یہ میرا بھائی بنیامین ہے' قَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَیْنَا تحقیق اللہ تعالی نے ہم پر احسان کیا۔اِنَّهُ مَنْ یَّتَّقِ وَ یَصْبِرْ بیشک جو اپنے اندر تقوی اور صبر و ضبط پیدا کرتا ہے فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ اللہ رب العزت ایسے نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کیا کرتے۔ ہر دور اور ہر زمانہ میں یوسفؑ کے بھائیوں کی طرح جو آدمی توبہ کی امید پر گناہ کرے گا

اس کو فرش پر کھڑا کیا جائے گا اور جو یوسفؑ کی مانند گناہوں سے بچ کر زندگی گزارے
اللہ رب العزت اسے تاج و تخت عطا فرمائیں گے۔

ملکہء بلقیس کا تخت علم کے پروں پر:

دوسرا واقعہ حضرت سلیمانؑ کا کہ آپ نے اپنے ماننے والوں سے فرمایا کہ ملکہ
بلقیس کا تخت کون اٹھا کر لائے گا؟ ایک جن نے عرض کیا' اے اللہ کے نبی! میں ا
آپ کے پاس پہنچا سکتا ہوں اس سے پہلے کہ آپ اپنی جگہ سے کھڑے ہوں۔ آپ
فرمایا' یوں تو بہت دیر لگ جائے گی' کوئی ادھر بات کرے۔ پھر ایک شخص آصف بن بر
عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ جس کے پاس کتاب کا علم تھا' کھڑے ہوئے اور اللہ نے ا
کو علم و عمل اور معرفت کا نور عطا کیا تھا' اس کی بنیاد پر کہنے لگے' اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ
يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ میں آپ کے پاس پہنچا دیتا ہوں اس سے پہلے کہ آپ اپنی پلک
جھپکیں' فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ جب پلک جھپک
دیکھا تو سامنے تخت موجود تھا۔ فرمانے لگے' یہ تو میرے رب کا فضل ہے۔ تو معل
ہوا کہ جس علم پر انسان عمل کر لیتا ہے وہ اللہ کا فضل بن جاتا ہے۔

اخلاص اور استغناء کی ضرورت

عوام الناس کی اصلاح سے زیادہ علماء کی اصلاح کی ضرورت ہے' کیونکہ عو
الناس کی کوتاہی دین پر دھبہ نہیں بنتی جبکہ علماء کی کوتاہی کا دھبہ دین پر
ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ایک بچی نے نصیحت کی جو میں
بھول نہیں سکتا۔ کسی نے کہا' وہ کونسی نصیحت؟ فرمایا' بارش ہوئی تھی' میں جا رہا

منے سے ایک بچی آرہی تھی' میں نے بچی سے کہا' بیٹی! ذرا سنبھل کر چلنا کہیں پھسل کر نہ پڑو۔ کہنے لگی' اچھا مجھ سے زیادہ آپ سنبھل کر چلنا' میں گری تو اکیلی گروں گی آپ گر گئے تو پوری قوم گر جائے گی۔

مجمع میں جو علماء بیٹھے ہیں وہ ذرا دل کے کانوں سے سنیں' امید ہے کہ آپ اس بات محسوس نہیں فرمائیں گے۔ اس بات کا پہنچانا بھی ضروری ہے اگرچہ بری بھی لگے' وری تو نہیں کہ دوائی ہمیشہ میٹھی ہو' کبھی کڑوی بھی تو ہوتی ہے' بلکہ کڑوی دوائی تو ہ فائدہ دیتی ہے' جلدی خون صاف کرتی ہے۔ اگر علماء طلباء میں سے کوئی یہ بات ے کہ انہوں نے یہ کیسی بات کہہ دی ہے' تو ہاں میرے دوست! بات ایسی ہی ہے' جی ہی مانے تو پھر بھی اس کو اپنے دل میں جگہ دے دو' آج نہیں تو زندگی کے کسی موڑ پر ت سمجھ آجائے گی۔ وہ بات یہ ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ علم عطا فرمائے' اسے چاہئے کہ نے اندر اخلاص اور استغناء پیدا کرے کیونکہ یہ اس راستہ کا تیسرا اور اہم ترین قدم ے۔

م کی شان :

محترم علمائے کرام! علم استغناء کے ساتھ سجتا ہے۔ اگر استغناء نہ ہو تو پھر علم کی ن نہیں رہتی۔ اس لئے علماء کو چاہئے کہ استغناء کے ساتھ زندگی گزاریں' لوگوں جیب پر نظر رکھنے کی بجائے اللہ کے خزانوں پر نظر رکھیں۔ رزق انکو مسجد کمیٹی ں دے گی بلکہ اللہ تعالیٰ دے گا۔ یہ وہاں سے کھائیں گے جہاں سے اللہ تعالیٰ اپنے ء کو کھلایا کرتے تھے کیونکہ یہ انبیاء کے وارث ہوتے ہیں۔ آج امت میں اسی وجہ ے فساد پھیلا ہوا ہے کہ علماء میں حرص پیدا ہو چکا ہے۔ کئی جگہوں پر حق کی بات اس نے نہیں کہیں گے کہ کمیٹی کیا کہے گی' فلاں محلہ والے کیا کہیں گے۔ نہیں' استغناء

کے ساتھ کام کرنا ہی سجتا ہے۔

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کا استغنائے قلبی :

انسان جب استغناء کے ساتھ کام کرتا ہے تو دنیا اس کے پیچھے بھاگتی ہے
حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو آدمی مجھے محتاج سمجھ کر ہدیہ پیش
کرے، میرا دل اس کا ہدیہ قبول کرنے کو نہیں کرتا، البتہ سنت سمجھ کر پیش کرے
میں اسے ضرور قبول کروں گا۔ ایک دفعہ ایک آدمی نے آکر آپ کو ہدیہ پیش کیا۔ آ
نے محسوس کیا کہ یہ تو احسان چڑھا کر ہدیہ دے رہا ہے۔ چنانچہ آپ نے انکار کر دیا۔ گ
وہ بھی پیچھے لگا رہا کہ حضرت! قبول کیجئے، حضرت! قبول کیجئے۔ حضرت نے دو چار دف
کے بعد اس کو سختی سے ڈانٹ دیا کہ نہیں، میں قبول نہیں کروں گا۔ جب اس نے دیک
کہ چہرہ پر جلال ہے تو پیچھے ہٹ گیا۔ جب مسجد سے باہر نکلنے لگا تو اس کی نظر حضر
کے جوتوں پر پڑی۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ حضرت جب باہر نکلیں گے تو جو
تو پہنیں گے ہی سہی، چنانچہ اس نے وہ پیسے حضرت کے جوتوں میں رکھ دیئے۔ جب
حضرت مسجد سے باہر نکلے اور پاؤں جوتے میں رکھا تو اس میں پیسے تھے۔ آپ نے دیک
اور مسکرا کر فرمایا کہ یہ وہی پیسے ہیں جو وہ آدمی ہدیہ میں پیش کر رہا تھا، پہلے سنا کر
تھے اور آج آنکھوں سے دیکھ لیا کہ جو انسان دنیا کو ٹھوکر لگاتا ہے دنیا اس کے جو تو
میں آیا کرتی ہے۔

حضرت اقدس تھانویؒ کا استغنائے قلبی :

حضرت اقدس تھانویؒ سے ایک نواب صاحب بیعت ہو گئے۔ بڑے مال پیـ
والے تھے۔ اس دور میں جب استاد کی تنخواہ پانچ روپے ماہانہ ہوا کرتی تھی اس ـ
حضرت کو ایک لاکھ روپے بھجوایا۔ حضرت نے اس کے خط کی تحریر سے محسوس کیا

یہ تو احسان جتلا کر پیش کر رہا ہے۔ حضرت نے منی آرڈر واپس کر دیا۔ جب منی آرڈر واپس گیا تو وہ تو سٹپٹا گیا۔ اس نے پھر خط لکھا۔ کہنے لگا' حضرت! میں نے بیعت ہو کر آپ کو ایک لاکھ روپیہ ہدیہ پیش کیا' آپ کو ایسا مرید اور کہیں نہیں ملے گا۔ حضرت نے خط پڑھا اور جواب میں لکھا کہ اگر مجھے تجھ جیسا مرید نہیں ملے گا تو تجھے بھی مجھ جیسا پیر نہیں ملے گا جو تیرے لاکھ روپے کو ٹھوکر مار دے۔

ایک دلچسپ اصلاحی مکالمہ :

ایک صاحب اس فقیر کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہم تو یہ بھی کرتے ہیں وہ بھی کرتے ہیں' یہ بھی مناتے ہیں وہ بھی مناتے ہیں'۔ فقیر نے کہا، جی کیوں مناتے ہیں؟ کہنے لگا' جی حرج ہی کیا ہے؟ فقیر نے اسے کہا' بھئی! آپ کے پاس اگر ایک خوبصورت قالین ہو اور آپ اس کے اوپر ٹاٹ کا پیوند لگا دیں تو کیا اچھا لگے گا؟ کہنے لگا' ہاں اچھا تو نہیں لگے گا لیکن اس میں حرج ہی کیا ہے؟ فقیر نے سوچا کہ یہ بچارہ عقل سے خالی نظر آتا ہے اس لئے اسے کسی اور طرح سے بات سمجھانی پڑے گی۔ چنانچہ فقیر نے پوچھا' جی آپ کا نام کیا ہے؟ کہنے لگا عبدالرحمٰن۔ فقیر نے کہا' اچھا میں آج کے بعد آپ کو عبدالرحمٰن بیوقوف کہا کروں گا۔ جب فقیر نے یہ بات کی تو کہنے لگا' آپ ایسا کیوں کہیں گے؟ فقیر نے کہا' حرج ہی کیا ہے؟ اگر یہی دلیل ہے کہ حرج ہی کیا ہے تو جناب آئندہ سے آپ کو عبدالرحمٰن بیوقوف کہا کریں گے۔ کہنے لگا، نہیں نہیں' میرا نام تو عبدالرحمٰن ہے۔ فقیر نے کہا، جیسے تجھے اپنے نام کے ساتھ کوئی لفظ پسند نہیں جو اس میں عیب پیدا کر دے تو اللہ تعالی کو بھی اپنے محبوب ﷺ کی سنت کے ساتھ ایسی بات پسند نہیں جو اس کے ساتھ بدعت کا پیوند لگا دے۔

یاد رکھئے! کسی قوم میں جب کوئی بدعت آجاتی ہے تو اللہ رب العزت اس کے

مقابل کی ایک سنت اس قوم سے اٹھا لیتے ہیں اور قیامت تک اس سنت کو اس قوم میں واپس نہیں لوٹایا کرتے۔ لہذا بدعت سے بچنا اور سنت کے راستہ پر چلنا بہت ضروری ہے۔ اللہ رب العزت جزائے خیر دے ہمارے اکابرین کو کہ وہ نہ تو افراط میں پڑے نہ تفریط میں بلکہ ایک ہاتھ میں علم اور دوسرے ہاتھ میں عمل لے کر سنت کے راستہ پر چلتے جا رہے ہیں۔ یہی صراط مستقیم ہے' اللہ رب العزت ہمیں اس پر چلنے کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین

ایک نکتہ کی وضاحت :

ایک نکتہ بھی سمجھ لیجئے کہ جب علم بھی کامل ہوگا اور عمل بھی کامل ہوگا تو پھر آپ کو جوڑ نظر آئے گا ورنہ توڑ نظر آئے گا۔ سچے عالم کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ وہ صوفیاء کا قدردان ہوگا اور سچے صوفی کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ وہ علماء کا قدردان ہوگا۔ لکھ لیجئے سینے پر جب علم بھی ناتمام ہوگا اور عشق بھی ناتمام ہوگا تو وہ دونوں آپس میں ٹکراتے نظر آئیں گے۔ ایک واقعہ سنا کر بات مکمل کرتا ہوں۔

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی محفل سماع کا منظر :

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ بڑے صاحب جذب اور صاحب حال بزرگ تھے۔ وہ نعت سننے کے بڑے شوقین تھے۔ نعتیہ کلام سن کر ان پر وجد طاری ہو جاتا تھا۔ اس دور میں اسی کو محفل سماع کہا جاتا تھا۔ سارنگیاں' طبلے اور مزامیر نہیں ہوتے تھے' یہ یار لوگوں نے بعد میں شامل کر لیں اور نام بزرگوں کا لگا دیا۔ ذرا کتابیں پڑھ کر تو دیکھو کہ اس وقت محفل سماع کن محفلوں کو کہا جاتا تھا۔ عوارف المعارف میں لکھا ہے کہ جس میں مزامیر ہو وہ سماع سننا حرام ہے' جہاں مرد اور عورتیں اکٹھے ہوں وہاں بیٹھنا حرام ہے۔ فرماتے ہیں کہ سماع وہ بندہ سن سکتا ہے جس کو ایک طرف اشعار سنائے جائیں اور

دوسری طرف بھوک لگی ہوئی ہو اور کھانا رکھا ہو اور اس کی طبیعت کو کھانے کی طرف رغبت کم ہو اور ان عشقیہ اشعار کی طرف اس کی رغبت زیادہ ہو۔ یہ اس دور کی محفل سماع تھی، آج کے دور کی نہیں۔

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ جب عشقیہ اشعار سنتے تو ان پر جذب کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ اس دور میں حکیم ضیاء الدین سنامیؒ ایک بزرگ تھے جن کو وقت کے بادشاہ نے محتسب اعلیٰ متعین کیا ہوا تھا۔ ان کا کام یہ تھا کہ جہاں خلاف شرع کوئی کام دیکھیں اس پر تنقید کریں اور اس کو روک دیں۔ ان کو قاضی کہا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ ہر وقت اسی تاک میں رہتے تھے کہ کوئی ایسی بات جو دین کے خلاف ہو تو اس کو کسی طرح ختم کر دیا جائے۔

ایک دفعہ ان کو پتہ چلا کہ جناب خواجہ نظام الدین اولیاءؒ شہر سے باہر ایک جگہ محفل لگائے بیٹھے ہیں۔ جب یہ اپنے عملے کو لیکر وہاں پہنچے تو دیکھا کہ اشعار پڑھے جا رہے ہیں اور لوگ جذب میں حال بے حال ہیں' ان کو کچھ پتہ نہیں' بڑے اچھل کود رہے ہیں۔ تھوڑی دیر تو انہوں نے برداشت کیا مگر انہوں نے کہا کہ اس کو روکنا چاہئے' کہیں کام اس سے آگے نہ بڑھ جائے۔ چنانچہ انہوں نے ان کے خیموں کی رسیاں کٹوا دیں۔ مگر دیکھا کہ وہ خیمے اسی طرح کھڑے ہیں' نیچے نہیں گرے۔ حکیم ضیاء الدین سنامیؒ نے کہا کہ یہ سچے حال میں ہیں جو عشق و محبت کے ساتھ ایسا کر رہے ہیں۔ لہذا خاموشی سے واپس آگئے۔ تاہم وہ کہتے تھے کہ میں اسے بدعت سمجھتا ہوں۔

حکیم ضیاء الدین سنامیؒ اور سنت کا ادب :

کچھ عرصہ کے بعد حکیم ضیاء الدین سنامیؒ بیمار ہو گئے۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ کو پتہ چلا تو آپ نے سوچا کہ وقت کے اتنے بڑے عالم ہیں اور متبع سنت ہیں اس لئے

مجھے ان کی عیادت کیلئے جانا چاہئے۔ چنانچہ آپ ان کی عیادت کیلئے ان کے دروازہ پر پہنچے۔ دستک دے کر اندر پیغام بھیجا کہ میں آپ کی عیادت کے لئے آیا ہوں۔ حکیم ضیاء الدین سنامیؒ نے جواب بھجوایا کہ میرا آخری وقت ہے، معلوم نہیں کہ کس وقت میری جان نکل جائے، میں اپنے آخری وقت میں کسی بدعتی کی شکل دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔ اب کیسا سخت جواب تھا۔ لیکن خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سمجھ رہے تھے کہ سنت کی محبت میں بات کر رہے ہیں، اس لئے انہوں نے فوراً جواب بھجوایا کہ ہاں بدعتی آپ کے دروازے پر آیا ہے، مگر بدعت سے توبہ کرنے کیلئے آیا ہے۔ جب یہ پیغام حکیم ضیاء الدین سنامیؒ کو ملا تو لیٹے ہوئے فوراً اٹھ بیٹھے اور اپنا عمامہ سر سے اتارا، شاگرد سے کہا، کہ میرے بستر سے لے کر میرے دروازے تک اس عمامہ کو بچھا دیجئے اور حضرت سے کہئے کہ اپنے جوتوں سمیت عمامہ پر چلتے ہوئے تشریف لائیے۔

لہذا ثابت ہوا کہ جب علم بھی کامل ہو اور عمل بھی کامل ہو تو ایک دوسرے کا اکرام ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں علم اور عمل عطا فرمائے اور اس میں اخلاص پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ یہ تین درجے حاصل کرنے پر انسان کو اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت ہم فرقت زدوں کو بھی اپنا وصل نصیب فرما دے۔ (آمین ثم آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ٥

تصنیف و تالیف کی اہمیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ، اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِo بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ oيَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍoسُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا يَصِفُوْنَ oوَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ oوَالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o

دین اسلام کی شان :-

دین اسلام قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے قابل عمل ہے۔بدلتے دور کے بدلتے تقاضوں کو اپنے اندر سمو لینا اسلام کی شان ہے۔ فقہاء نے فقہ کی تدوین اس انداز سے کردی ہے کہ ان نقوش کے اوپر چلتے ہوئے کسی دور کا کوئی بھی مسئلہ ہو انسان اس کے بارے میں رہنمائی حاصل کرسکتا ہے۔کوئی ایسی جگہ نہیں، کوئی ایساوقت نہیں، کوئی ایسا موقع نہیں کہ جب اسلام انسان کو زندگی کے کسی مسئلہ کے بارے میں جواب نہ دے سکے۔

ادیان عالم کے زوال کی وجہ :-

یہودیت اور عیسائیت کے زوال پذیر ہونے کی وجہ یہ تھی کہ ان کے علماء نے اپنے اپنے ادوار میں دین کے اندر کچھ باتیں اپنی مرضی کے ساتھ لکھنا شروع کردیں

اور ان کے معانی و مفہوم اپنی مرضی کے مطابق بیان کرنا شروع کر دیئے۔ جہاں اپنا مفاد دیکھتے اس کے بارے میں اچھی بات کہنا شروع کر دیتے۔ بنیادی وجہ یہ تھی کہ ان کے ادیان کی حفاظت ان کے علمائے کرام کے ذمے تھی۔ جب علمائے کرام نے ہی دین میں تحریف شروع کر دی تو حفاظت کیسے ہوتی۔ پس وہ تمام ادیان زوال کا شکار ہو گئے۔

دین اسلام کی حفاظت :-

دین اسلام ایک ایسا دین ہے کہ جس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا۔ "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ"۔ اس نصیحت نامے کو ہم نے ہی نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ جب پروردگار عالم نے اس کی حفاظت کا ذمہ لے لیا تو اب علماء کی ایک جماعت ایسی ہو گی جو قیامت تک سیدھے راستے پر چلے گی۔ اس دین کے اندر کوئی ٹیڑھا پن یا کجی نہیں آنے دے گی جب کوئی قرآن کی تفسیر لکھے گا تو وہ جماعت کچی بات نہ لکھنے دے گی۔ جہاں وہ کوتاہی کرے گا، کوئی غلط بات لکھے گا یا اس کی تحریر میں سقم ہو گا تو اہل حق کی یہ جماعت اس کی نشاندہی کر دے گی۔ کھوٹے اور کھرے کو الگ کر دے گی۔ قرآن مجید میں اسے اللہ کی جماعت کہا گیا ہے۔ "اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" اور اللہ کا یہ گروہ ہمیشہ کامیاب رہے گا۔ حدیث مبارکہ "اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ" کے مصداق چونکہ علماء ہی انبیاء کرام کے وارث ہیں لہٰذا ان کی بنیادی ذمہ داری دین کی حفاظت ہے۔

انگریزی پڑھے لکھے لوگوں کی عجیب سوچ :-

آج کے انگریزی پڑھے لکھے حضرات کے ذہن میں ایک بات اکثر آتی ہے کہ

علماء کو سائنس پڑھنی چاہئے ، علماء کو انگریزی پڑھنی چاہئے۔ اس وقت وہ اس چیز کو بھول جاتے ہیں کہ علماء کے ذمے دین کی حفاظت کا کام ہے۔ انہوں نے اس دین کو چودہ سو سال پہلے والی حالت میں من وعن قیامت تک محفوظ رکھنا ہے۔ اس لئے حق تو یہ تھا کہ انگریزی پڑھے لکھے لوگ یہ کہتے کہ جتنے بھی انگریزی خواں ہیں ان سب کو دین پڑھنا چاہئے .... یہ اپنا اپنا انتخاب ہوتا ہے ...... یاد رکھیں کہ یہ علماء کرام زمانے کے حالات سے متاثر نہیں ہوتے ، بلکہ انہوں نے دین جیسے اپنے اوپر والوں سے پایا ہے بالکل اسی طرح آنے والی نسلوں کو پہنچاتے ہیں۔ اس لئے اب ان کو انگریزی پڑھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ جو انگریزی پڑھ رہے ہیں ان کو دین پڑھالو۔ آپ کی یہ حسرت بھی پوری ہو جائے گی۔

غلامی کے دو سو سال :-

مسلمانوں نے جس طرح برصغیر میں غلامی کے دو سو سال گزارے ، اگر معاملہ ہم جیسے عوام الناس پر موقوف ہوتا تو معلوم نہیں کہ دین آج کس شکل میں ہوتا ، اس دین میں پتہ نہیں کتنے "دین الٰہی" پیدا ہو چکے ہوتے۔ آج کل کے نوجوان فرنگی لباس پینٹ کوٹ کے دلدادہ اور دفتروں کے بڑے رسیا بنے ہوئے ہیں۔

انہوں نے دین کہاں سیکھا بھلا جاجا کے مکتب میں
پلے کالج کے چکر میں مرے صاحب کے دفتر میں

اس لئے اگر یہ بوجھ ہمارے کندھوں پر ہوتا تو آج ہم انگریز کی تہذیب کو سنت بنا کر آنے والی نسل کو پیش کر رہے ہوتے۔

نیویارک میں ایک ٹائی عالم کی بدزبانی :-

کچھ عرصہ پہلے نیویارک میں ایک صاحب سوٹ پینٹ پہنے ، ٹائی لگائے ہوئے

منبر پر چڑھے جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے۔ ایسے حضرات کو ہم ٹائی علماء کہتے ہیں۔ وہ صاحب خطبہء جمعہ دیتے ہوئے کہنے لگے، نقل کفر کفر نہ باشد، کہ آج کے دور میں اگر رسول اللہ ﷺ بھی ہوتے تو وہ بھی جین کا لباس پہنتے۔ (اس کے منہ میں خاک)۔

یہ اچھا ہوا کہ اس مجمع میں کوئی دیوانہ تھا۔ وہ یہ بات سن کر کھڑا ہوا اور کہنے لگا، جناب! آپ تو میرے آقا ﷺ کی بات کر رہے ہیں، میں ان کے غلاموں کے غلاموں کے غلاموں کا غلام بھی نہیں بن پایا اور آج میں اس فرنگی لباس سے نفرت کرتا ہوں تو آپ میرے آقا ﷺ سے یہ بات کیسے منسوب کر سکتے ہیں۔ پھر اس دیوانے نے بڑے مزے کا جواب دیا، کہنے لگا! مولانا! ذرا اپنے ذہن کو صاف کر لیجئے کہ انبیاء دنیا میں اس لئے نہیں آتے کہ وہ کسی کی پیروی کریں بلکہ وہ اس لئے آتے ہیں کہ لوگ ان کی پیروی کریں...... اس نے بالکل ٹھیک جواب دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ " وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ "(اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر یہ کہ اس کی پیروی کی جائے اللہ کے حکم سے) اگر انبیاء کرام پیچھے چلنے والے ہوتے تو حضرت موسیٰؑ تو فرعون کے ساتھ ہو جاتے اور نبی اکرم ﷺ دور جاہلیت کے رسم و رواج کے مطابق زندگی گزارتے، مگر نہیں، وہ تو چٹان کی طرح ڈٹ جاتے تھے، سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کو بڑے بڑے مجاہدے برداشت کرنا پڑتے تھے۔

حق کی فتح :-

حدیث پاک میں آیا ہے کہ انبیاء کرام پر سب سے زیادہ آزمائشیں آئیں "ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ" پھر وہ جو ان کے مشابہ ہوئے، **پھر** وہ جو ان کے مشابہ ہوئے۔ تو یہ مجاہدے اس لئے تھے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے **ایک** طرز زندگی عطا کر دیا گیا

تھا۔ وہ اس کے اوپر جم جاتے تھے۔ کفر ٹکریں مارتا رہتا تھا مگر وہ اپنے مشن میں پورے اترتے تھے۔ اللہ تعالیٰ حق کو باطل پر پھینک مارتے تھے۔ اور حق باطل کا بھیجہ نکال دیتا تھا۔ یوں حق کی فتح ہو جاتی تھی۔

کلین شیو مفتی اعظم......!!!

انسان کو اپنے ملک کے علمائے کرام کی قدر اس وقت آتی ہے جب وہ ملک سے باہر قدم رکھتا ہے۔ یقین کیجئے کہ باہر ملکوں کا ماحول اتنا کافرانہ بن چکا ہے، اس قدر وہاں پر فرنگی تہذیب غالب آچکی ہے، اتنی ظلمت آتی جارہی ہے کہ وہاں کے علماء بھی ان اثرات کی لپیٹ میں آرہے ہیں۔ فقیر ایک مرتبہ کسی ملک کے مفتی اعظم کے پاس گیا تو حیران رہ گیا کہ وہ Clean shave (کلین شیو) تھے۔ اتنا بڑا ملک کہ وہ اسلامی ملکوں میں Atomic Power (ایٹمی طاقت) ہے، اس ملک کے مفتی اعظم کی یہ حالت ہے کہ وہ سنت سے محروم ہے بلکہ وہ سنت کو اس طرح سمجھتا ہے جیسے عام آدمی مستحبات کے بارے میں گمان رکھتے ہیں۔

ترکی میں مساجد کی بے ادبی :-

آپ ترکی کے ملک میں چلے جائیں۔ آپ کو مسجد کی صفوں کے ساتھ ساتھ سگریٹ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے نظر آئیں گے۔ ہوتا یہ ہے کہ جب کچھ لوگ نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں تو بعض لوگ نماز کے انتظار میں سگریٹ پی رہے ہوتے ہیں جب نماز کے لئے جماعت کھڑی ہوتی ہے تو وہ وہیں سگریٹ بجھا کر اللہ اکبر کہہ لیتے ہیں۔ مسجدوں کا یہ ماحول علماء کی بدحالی کی دلیل ہے۔

عورتوں کی زبوں حالی :-

وہاں کی عورتوں نے سکرٹ کیسے پہننا شروع کی جس میں ان کی ٹانگیں پنڈلیوں

تک ننگی ہوتی ہیں۔ وہاں کی عورتوں نے ننگے سر کیوں رہنا شروع کیا؟ علماء کی کمزوری کی وجہ سے اب وہاں کا ماحول ایسا بن چکا ہے کہ اگر آپ مسلمانوں کی آبادی میں جا کر دیکھیں تو آپ کو پتہ نہیں چلے گا کہ میں مسلمانوں کی آبادی سے گزر رہا ہوں یا فرنگیوں کی آبادی سے۔

دل ہلا دینے والا مذاق :-

وہاں دیہاتوں کے اندر علم نہیں تھا، کئی ایسی مساجد بھی دیکھیں جہاں لوگوں نے جبہ رکھا ہوتا ہے، ایک پگڑی رکھی ہوتی ہے اور ایک داڑھی بنی ہوئی پڑی ہوتی ہے۔ امام صاحب سوٹ پینٹ میں آتے ہیں اور مصلے پر کھڑا ہونے سے پہلے جبہ پہن لیتے ہیں اور پگڑی بھی باندھ لیتے ہیں۔ اور یہ بات کہتے ہوئے دل پانی پانی ہوتا ہے کہ مسجد میں پڑی ہوئی داڑھی اٹھا کر لگا لیتے ہیں اور اس حال میں امامت کرواتے ہیں۔ آپ نے سنت رسول اللہ ﷺ کا ایسا مذاق کبھی نہیں سنا ہوگا۔

خراج تحسین :-

اللہ رب العزت ہمارے حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ یقین کیجئے کہ اگر ہم ان کے جوتے سر پر رکھیں تو بھی ان کا ادب نہیں کر سکتے۔ ہمارے علماء ہمارے سینوں پر پاؤں رکھ کر آگے گزر جائیں تو پھر بھی ہمیں اس کا دکھ نہیں ہوگا۔ انہوں نے اپنا فرض منصبی پورا کر کے دکھا دیا۔ اس لئے آج کوئی بھی چیز دین کے خلاف ہو اگر چہ کہیں بھی ہو تو دنیا میں پاکستان ہی ایسا ملک ہے کہ جہاں کے علماء سب سے پہلے اس کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اس ملک کی قدر باہر جا کر آتی ہے۔ یہاں رہتے ہوئے تو اقتصادی حالات کی وجہ سے ہر بندہ شکوے کر رہا ہوتا ہے لیکن خدا کے بندو! تمہارا دین اور ایمان یہاں رہتے ہوئے محفوظ ہے تم نے اس کی کوئی قیمت بھی نہیں ڈالی۔ اگر باہر

جاکر تمہیں چند ٹکے مل جاتے ہیں تو کیا وہ ایمان کی قیمت بن سکتے ہیں ؟ نہیں بن سکتے۔ یورپ میں جتنے مسلمان ہیں ان سب کو پیٹ بھر کر کھانے پینے کو ملتا ہے۔ اور جب کھانے پینے کو ملے تو بندہ پیٹ بھرا ہوتا ہے اور اس سے معصیت کی طرف میلان بڑھتا ہے۔

امریکی مسلمانوں کی سرزنش :-

ایک دفعہ فقیر کو امریکہ کی ایک مسجد میں درس قرآن کی دعوت ملی۔ چنانچہ مسجد میں پہنچے تو دیکھا کہ مسجد بہت بڑی تھی اور آدمی صرف ستر پچھتر تھے۔ وہ سب لوگ دیواروں کے ساتھ اوٹ لگا کر بیٹھ گئے، ٹانگیں لمبی کی ہوئی تھیں، اور صحن بالکل خالی۔ وہ کہنے لگے، حضرت ! آپ بیان کریں ہمیں آواز پہنچ رہی ہے۔ وہاں کا انداز ہی ایسا ہوتا ہوگا۔ فقیر کو جب اس انداز سے انہوں نے کہا تو پھر منبر کا بھی کچھ حق ہوتا ہے۔ پھر فقیر نے ان کے دماغ کھولے۔ اور کہا ! بھئی سنو ! ہر محفل کے آداب ہوتے ہیں۔ تم پر افسوس ہے کہ جنہیں آج تک ان آداب کا پتہ نہ چل سکا کہ اللہ کے قرآن کو کسی محفل میں سننے کے لئے آئیں تو کیسے بیٹھنا ہوتا ہے۔ اور پھر ان کو وہ سنائیں کہ وہ ساری زندگی یاد رکھیں گے۔ فقیر نے بالکل صاف کہا کہ تم لوگوں نے وطن چھوڑا، خویش قبیلہ چھوڑا، عزیز و اقارب چھوڑے، اتنے اچھے ماحول کو چھوڑا، تمہیں تمہاری ماں روئے، کیا تم یہاں آکر اپنا دین بھی چھوڑ دو گے ؟ تمہارے پلے کیا بچے گا کہ چند ٹکوں کی خاطر تم نے ایسا سودا کیا۔ یہ سن کر ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ فقیر نے کہا، تم کیا سمجھتے ہو کہ میں تم سے کچھ لینے کے لئے آیا ہوں، یقین کرو کہ میں اس جگہ پر تمہیں کچھ دینے کے لئے آیا ہوں۔ پھر ان کو احساس ہوا اور سیدھے ہو کر سامنے بیٹھ گئے۔ یہ اصل میں پیٹ بھرے کی باتیں ہوتی ہیں کہ جب انسان کو کھانے کو مل جائے تو پھر بندہ دین کو مذاق بنالیتا ہے۔

علماء کی ذمہ داری :-

ان حالات میں دین کی حفاظت کون کرے گا؟ یہ علماء کی ذمہ داری ہے۔ اگر یہ کام دفتر والوں کے، حکومت والوں کے یا عام لوگوں کے ذمہ ہوتا تو یہ لوگ دین کے ساتھ اس طرح کھیلتے جس طرح بچے روزانہ اپنے کھلونوں کے ساتھ کھیلتے رہتے ہیں۔ مگر الحمد للہ! اللہ رب العزت نے مہربانی فرمائی کہ اس دین کی حفاظت ایک ایسی جماعت کے سپرد کردی جس کے بارے میں فرمایا، "وَالرَّبَّانِيُّوْنَ" خدا والے، رب والے نیک بندے "وَالْاَحْبَارُ" اور اہل علم حضرات " بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ" جنہوں نے اللہ کی کتاب کی حفاظت کرنی ہے "وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ" اور یہ اس پر گواہ ہیں۔ انہوں نے ایک ایک آیت پر ڈیرے ڈالنے ہیں، جھگیاں ڈالنی ہیں اور اس دین کے اندر کسی کو رخنہ اندازی نہیں کرنے دینی۔

اکابرین امت کی قربانیاں :-

ہر دور میں علماء اس دین کی خاطر قربانیاں دیتے رہے۔ آپ پیچھے کی تاریخ دیکھیں تو آپ کو امام احمد بن حنبلؒ کی قربانیاں نظر آئیں گی کہ انہوں نے کس طرح وہ کوڑے کھائے کہ جو ہاتھی کو مارے جاتے تو وہ بھی بلبلا اٹھتا، وہ کوڑے نازک بدن پر مارے گئے اور انہوں نے کوہ استقامت بن کر ان کوڑوں کو برداشت کیا۔ ذرا دیکھو ان کی زندگیوں کو، کہیں آپ کو امام اعظم ابو حنیفہؒ کی نعش جیل سے نکلتی ہوئی نظر آئے گی۔ یہ سب کچھ کس لئے تھا؟ وہ دین کی خاطر قربانیاں دیتے تھے۔ کیونکہ انہیں پتہ تھا کہ یہ ہماری ذمہ داری ہے۔

تقریر اور تحریر کا فیض :-

اس دین پر کام تقریر کے ذریعے سے بھی کیا گیا اور تحریر کے ذریعے سے بھی۔

محدثین نے درس دیئے، مفسرین نے درس دیئے، مشائخ عظام نے درس دیئے اور اپنے اپنے وقت میں لوگوں کے دلوں کو گرمایا۔ یہ بھی ایک بڑا کام تھا مگر تحریر کا کام اس سے بھی بڑا کام ہے جس کی عمر ہزاروں سال ہوا کرتی ہے۔ اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ تحریر کا فیض تقریر کے فیض سے ہمیشہ زیادہ ہوتا ہے۔

ہدایہ کا فیض :-

دیکھیں کہ ''ہدایہ'' فقہ کی ایک کتاب ہے۔ لکھنے والے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ کئی لوگوں کو ان کے نام کا بھی پتہ نہیں ہوگا۔ لیکن سینکڑوں سال گزرنے کے بعد آج بھی کوئی عالم بنتا ہے تو وہ اس کتاب کو پڑھے بغیر اپنے آپ کو عالم نہیں کہلوا سکتا۔

فتاوٰی شامی کا فیض :-

قریب کے زمانے میں دیکھیں کہ علامہ شامیؒ دنیا سے تشریف لے گئے۔ مگر ایسا فتاوٰی ترتیب دے گئے کہ آج ہمارے جس مفتی کے پاس کوئی فتویٰ پوچھنے جاتا ہے تو سب سے پہلے جو کتاب ان کے ہاتھ میں آتی ہے وہ فتاوٰی شامی ہوتی ہے۔ آپ کو حوالے ملیں گے۔ معلوم ہوا کہ وہ دنیا سے چلے گئے، لیکن سینکڑوں سال گزرنے کے بعد آج بھی ان کی کتب فیضان کا ذریعہ بنی ہوئی ہیں۔

امت کا خزانہ :-

امت کی ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ اپنے تجربات و مشاہدات اور جو کچھ پڑھا ہو، سمجھا ہو یا کیا ہو وہ بھی آنے والے لوگوں تک پہنچائے کیونکہ یہ امت کا خزانہ ہے۔ تاکہ آنے والی نسلوں کو پتہ چل سکے کہ فلاں دور میں علماء کو کس طرح مدارس میں پڑھنا پڑا، کس طرح زندگیوں میں مشکلات پیش آئیں، کس طرح ان کی زندگی کے معاملات تھے اور انہوں نے مصیبتوں سے نکل کر کس طرح اس ذمہ داری کو پورا کیا۔

ہر ہر عالم پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس ذمہ داری کو کسی نہ کسی انداز میں ضرور پورا کرے۔

اسلام کے خلاف کتابوں کی تصنیف :-

اکثر ائمہ اور فقہاء اساتذہ بھی بن جاتے ہیں مگر ان سے تحریر کا فیض جاری نہیں ہوتا۔ یہ آج کے دور کی بہت بڑی کمی ہے۔ یورپ ہر سال اسلام کے خلاف اتنی کتابیں لکھ رہا ہے کہ شاید کوئی دن ایسا نہ ہو جب اسلام کے خلاف کوئی کتاب نہ لکھی جا رہی ہو۔ ہمیں اسلام کے حق میں کتابیں لکھنی چاہئیں تھیں تاکہ فرنگی فتنے کا قلع قمع ہو سکے۔

قرآن مجید کی طباعت :-

فقیر ایک دفعہ رشیا کے ایک شہر کازان میں حاضر ہوا۔ یہ کازان وہ شہر ہے جہاں سب سے پہلے قرآن مجید کو پرنٹنگ پریس پر پرنٹ کیا گیا۔ دوسرا نسخہ جرمنی کے شہر ہیمبرگ کے اندر پرنٹ کیا گیا تھا۔ مفتی محمد شفیع صاحب اپنی تفسیر کی ابتداء میں لکھتے ہیں کہ کازان کے شہر میں حمزہ بے نامی شخص نے قرآن مجید کو سب سے پہلے پرنٹ کیا۔ اس وقت یہ شہر رشیا کا مرکزی شہر تھا۔ ان دو جگہوں سے ایسی ترتیب چلی کہ آج پرنٹنگ پریس پر آپ کو دینی علوم کے بارے میں کتابیں چھپتی نظر آئیں گی۔

کازان میں اسلامی کتب کی تصنیف :-

یہ کازان کا شہر ''علماء کا شہر'' کہلاتا ہے۔ فقیر نے اس کی تاریخ پڑھی تو لکھا ہوا تھا کہ جب اسلامی تعلیمات ہر طرف عام تھیں تو اس شہر میں اتنے علماء تھے کہ ہر سال اس شہر سے دین اسلام کے بارے میں چھ ہزار (6,000) نئی کتابیں لکھی جاتی تھیں۔ اب بتائیے کہ ان حضرات میں کیسی علمی استعداد ہو گی اور انہوں نے دین کی کتنی

خدمت کی۔ یہ ان کا علمی سرمایہ ہے کہ جس کی وجہ سے آج ہماری گاڑی آگے چل رہی ہے۔

ہماری ذمہ داری :-

اگر آج ہم کام نہیں کریں گے تو ہو سکتا ہے کہ ہم اس کی کمی محسوس نہ کریں لیکن یاد رکھیں کہ یہ تنگی ہماری آنے والی اولادیں محسوس کریں گی اور وہ قیامت کے دن ہمارا گریبان پکڑیں گی کہ انہوں نے تو اپنے بڑوں سے وراثت پائی اور زندگی گزار لی لیکن اپنے دور میں انہوں نے کام نہ کیا، اس لئے جب ہمیں دین ملا تو ہمیں درمیان میں خلاء نظر آتا ہے۔ اس کا ذمہ دار کون ہے؟ اس کے لئے ہمیں قیامت کے دن عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہونا پڑے گا اور کہنا پڑے گا کہ ہم نے ہی کام نہیں کیا تھا۔

امت محمدیہ ﷺ کی دو خاص نشانیاں :-

امت مسلمہ کی جہاں اور بہت ساری خوبیاں ہیں وہاں اس امت کی ایک خوبی تورات و انجیل میں یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ اس امت کے علماء دین اسلام پر بہت زیادہ کتابیں لکھیں گے، اس سے پہلے کسی امت نے دین پر اتنی کتابیں نہیں لکھی ہوں گی۔ اور دوسری خوبی یہ بیان فرمائی گئی کہ یہ امت اللہ کے ذکر کے لئے اللہ کے نام پر آپس میں مل بیٹھا کرے گی اور سب اللہ کو یاد کریں گے۔ گویا یہ دو نشانیاں خاص طور پر اس امت میں موجود ہوں گی۔

سلف صالحین میں تصنیف و تالیف کا شوق

اگر تاریخ عالم پر نظر دوڑائی جائے تو یہ بات طشت از بام ہوتی ہے کہ اس امت

کے علماء یقیناً کثیر التصانیف تھے۔

- امام رازیؒ نے منبر پر کھڑے ہو کر کہا کہ میں نے ان انگلیوں کے ساتھ 600 کتابیں خود لکھی ہیں۔

- کسی نے کہا کہ میں نے 500 جلدیں لکھی ہیں۔

- کسی نے کہا کہ میں نے 600 جلدیں لکھی ہیں۔

- کسی نے کہا کہ میری کتابوں کا وزن دو اونٹوں پر رکھا جاتا تھا۔ اتنی کتابیں تو وہ لکھا کرتے تھے کہ دو دو اونٹوں کا بوجھ بن جایا کرتی تھیں۔

- ایک محدث فوت ہوئے۔ انہوں نے اتنی کتابیں لکھیں کہ جب ان کی زندگی کے ایام اور ان کی اپنی کتابوں کے صفحات کو ایک دوسرے پر تقسیم کیا گیا تو چالیس صفحات روزانہ کے بنے۔ اب بتائیں کہ چالیس صفحات کون روزانہ کے لکھ سکتا ہے۔ لیکن یہ ان کا فیضان تھا۔ سبحان اللہ، اللہ رب العزت نے ان کے وقت میں برکت دی تھی کہ وہ تھوڑے وقت میں اتنا بڑا کام کر لیتے تھے کہ آج ہم سالوں میں بھی اتنا کام نہیں کر سکتے۔ یہ خدائی مدد ہوتی تھی، یہ قبولیت ہوتی تھی اور ان کے دل میں شوق ہوتا تھا۔

رسالہ شاطبیہ کا فیض :-

علامہ شاطبیؒ نے جب رسالہ "شاطبیہ" لکھا تو پھر حرم شریف میں حاضر ہوئے اور وہاں پر انہوں نے 1,200 مرتبہ طواف کیا اور ہر طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھ کر دعا مانگی کہ اے اللہ! اس کتاب کو قبولیت عامہ تامہ نصیب فرما۔ اللہ رب العزت نے اس کتاب کو اتنی مقبولیت نصیب فرمائی کہ آج اس وقت تک کوئی قاری نہیں بن سکتا جب تک وہ اس کتاب کو پڑھ نہ لے۔ معلوم ہوا کہ وہ حضرات صرف لکھتے ہی نہ

تھے بلکہ وہ مانگتے بھی تھے۔ فیض کا آگے جاری ہو جانا قدرت کی طرف سے ہوتا ہے اور اس کے پیچھے انسان کا تقوی ہوتا ہے۔

بخاری شریف کا فیض :-

بخاری شریف حدیث کی وہ کتاب ہے جو قرآن کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب شمار ہوتی ہے۔ حالانکہ صحت کے اعتبار سے مسلم شریف کا معیار اور مقام اس سے بھی بلند ہے۔ مگر امام بخاریؒ کے تقویٰ کی وجہ سے ان کی مرتب کردہ اس کتاب کو زیادہ قبولیت نصیب ہوئی۔ آج دنیا میں جب حدیث کا نام آتا ہے تو امام بخاریؒ کا نام آتا ہے۔

مشکوٰۃ شریف کا فیض :-

مشکوۃ شریف بھی حدیث کی ایک کتاب ہے۔ اگر آپ دیکھیں تو اس مشکوۃ شریف کے بالکل ہم پایہ بلکہ اس سے کچھ بہتر حدیث کی اور بھی کتابیں مل جائیں گی مگر ان کو وہ قبولیت عامہ نصیب نہ ہوئی جو مشکوۃ شریف کو نصیب ہوئی۔

ہمارے شہر کی حیثیت :-

تصنیف و تالیف اس امت کا کام ہے۔ لہٰذا ہر دور کے علماء کو جہاں باقی محاذوں پر اپنی اپنی ذمہ داری کو پورا کرنا ہے وہاں اس محاذ پر بھی ذمہ داری کو پورا کرنا ہے۔ اچھا دل میں یہ خیال اس لئے آیا کہ یہ (جھنگ) ہمارا چھوٹا سا شہر ہے۔ دنیا کی نظر سے دیکھیں تو ایک گاؤں کہیں گے۔ اس شہر میں کم از کم پچاس علماء تو ہوں گے۔ اب ان پچاس علماء کو اگر دیکھا جائے کہ انہوں نے دین پر کون سا کام تحریر کے ذریعے کیا ہے تو شاید آپ کو بہت تھوڑے ملیں گے۔ تو خیال آیا کہ کیوں نہ ہم اپنی ہی اس جگہ سے اس کے لئے قدم آگے بڑھائیں۔

تدریس کے لئے امریکن سسٹم :-

اس طرح کی باتیں کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی ؟ اس کا واقعہ سنئے۔ امریکہ میں وہاں کے بچوں کو شام کے وقت درس دیئے جاتے ہیں۔ ان کو دین کے بارے میں پڑھایا جاتا ہے۔ جب ان کو دین کے بارے میں پڑھاتے ہیں تو وہاں پر عام کتابیں نہیں چلتیں۔ مثلاً آپ کو تاریخ کی کوئی بات کرنا ہے تو وہ طلباء آگے پیچھے اتنے سوالات پوچھیں گے کہ آپ حیران ہو جائیں گے۔ لہذا آپ کو اس کی پوری تفصیلات کا پتہ ہونا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر کسی نے حضرت نوحؑ کا واقعہ بیان کیا تو وہ پوچھیں گے کہ حضرت نوحؑ کس علاقہ کے تھے ؟ اب آج کے دور میں ان کو کیا سمجھائیں گے ؟ اگر آپ کہیں گے کہ کہیں تھے تو امریکن سسٹم ایسا ہے کہ وہاں کے بچے آپ کی اس بات کو تسلیم نہیں کریں گے۔ وہ کہیں گے کہ جب استاد کو یہ بھی پتہ نہیں کہ یہ نبی دنیا کے کس علاقہ میں آئے تھے تو پھر وہ واقعہ کیا سنائیں گے۔ اس لئے وہ متاثر ہی نہیں ہوں گے۔ کیوں کہ وہ ایک طرف سکول جاتے ہیں تو وہاں ان کو سائنس پڑھائی جاتی ہے اور ان کو بتایا جاتا ہے کہ ہم سچ پر بات کرتے ہیں۔ اور دوسری طرف یہاں آتے ہیں تو یہاں ان کو کچھ معلومات دے دی جاتی ہیں اور ان کو اس کے اندر بھی ترتیب نظر نہیں آتی۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو بس ایسے ہی قصے کہانیاں ہی ہیں۔ ان کو اعتماد نہیں ہوتا......

حضرت آدمؑ کا نام آیا تو انہوں نے حضرت آدمؑ کے نام پر آپ سے سوال پوچھنا شروع کر دیئے ہیں کہ وہ پہلے نبیؑ تھے ؟ ان سے پہلے کون انسان تھے ؟ وہ سب سے پہلے کیوں بنے ؟ ان کو شروع سے ہی زمین پر کیوں نہیں بنایا ؟ ان کو پہلے جنت میں کیوں بھیجا جب باہر ہی نکالنا تھا ؟ تو اتنے سوالات شروع کر دیں گے کہ آپ حیران ہو جائیں گے۔ اس وقت ضرورت محسوس ہوئی کہ ایسا لٹریچر اور کتابیں ہوں کہ جن میں چھوٹے چھوٹے سوال جواب ان بچوں کے لئے بنائے جائیں۔

یک ٹائی عالم کا تفسیر لکھنا :-

ان ملکوں میں چونکہ علماء بہت کمیاب ہیں اس لئے یہ کام وہاں کے ٹائی علماء کررہے ہیں۔ آپ حیران ہوں گے کہ ایک صاحب سیر کررہے تھے۔ مگر اس انداز کا لباس پہنا ہوا تھا کہ رانیں ساری ننگی تھیں، ننگے سر تھا، اس کا پیٹ ناف تک نظر آرہا تھا اور پاؤں میں جوگر پہنے ہوئے تھے۔ وہ بھاگتے ہوئے اسی حالت میں اس عاجز سے ملنے آیا اور کہنے لگا، حضرت! دعا کرنا۔ عاجز نے کہا، کیا بات ہوئی؟ کہنے لگا، آج کل میں قرآن پاک کی تفسیر لکھ رہا ہوں۔ اب بتائیے کہ ایسی تفسیریں وہاں کے طلباء کو کیا نورانیت دیں گی۔

ٹائی عالم کی بیوی کی زبوں حالی :-

کچھ عرصہ کے بعد وہی صاحب کوٹ پینٹ پہن کر آئے اور کہنے لگے، جی اجازت ہے کہ میں اپنی بیوی کو بھی لے آیا ہوں، کچھ باتیں آپ سے پوچھنی ہیں۔ ہم نے کہا کہ ہم تو اس طرح خواتین کو کمرے میں نہیں آنے دیتے، ان کے لئے ہم نے ایک علیحدہ جگہ بنائی ہوئی ہے وہاں پردہ ہے، وہ اس کے پیچھے بیٹھ کر سوال پوچھے۔ وہ کہنے لگے، جی اس میں حرج ہی کیا ہے؟ اس نے چند سوال ہی پوچھنے ہیں۔ اب دیکھیں کہ جو آدمی تفسیر لکھ رہا ہے اس کو یہ بھی سمجھ نہیں آرہی کہ یہ غیر عورت آکر سوال پوچھ رہی ہے اور کہہ رہا ہے کہ اس میں حرج ہی کیا ہے، اس نے تو چند سوال ہی پوچھنے ہیں۔ ہم نے ایک لڑکے سے کہا کہ اس کو پردہ کے پیچھے بٹھائیں تاکہ ہم بات کریں۔ وہ لڑکا اسے بٹھا کر آیا اور اس نے کہا کہ حضرت! اس عورت نے تو ساڑھی پہن رکھی تھی، سر سے ننگی تھی اور پیٹ بھی آدھا ننگا تھا۔...... افسوس کی بات یہ کہ یہ عورت اپنے خاوند کے ساتھ مل کر تفسیر لکھ رہی تھی۔ فقیر عام آدمی کی بات نہیں کررہا بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو

اس وقت ایک درجن سے زائد کتابیں لکھ چکے ہیں اور پورے امریکہ کے اندر آج ان کی کتابیں اسلامک سنٹرز میں پائی جاتی ہیں۔

مطلوبہ کتابوں کی ترتیب کا انداز :-

اس وقت ضرورت محسوس ہوئی کہ اوہو!...... یہ کام تو ہمارے علماء کو ہی کرنا چاہئے اور ان کو بتادیا جائے کہ وہاں کے بچے اس انداز سے ترتیب چاہتے ہیں تاکہ وہ اپنی لائبریریوں کے اندر بیٹھ کر مطالعہ کر سکیں۔ مثلاً حضرت نوحؑ کا واقعہ لیں تو اس کی پوری تفصیل دیکھیں اور چھوٹے چھوٹے سوال بنا کر لکھیں۔ فرض کریں کہ ایک واقعہ سے متعلق اگر سو سوال بنے ہوئے ہوں تو بچہ جو سوال پڑھتا چلا جائے گا اس کے سامنے پورا واقعہ کھلتا چلا جائے گا۔ کیونکہ وہاں پر بچوں کو پڑھانے کے لئے اور قسم کی ترتیب کی ضرورت ہوتی ہے۔ بچوں اور بچیوں کے مسائل مختلف ہوتے ہیں اس لئے کچھ لٹریچر اس کے مطابق ترتیب دے دیا جائے تاکہ اس کو انگریزی میں ترجمہ کر کے وہاں بھیجا جا سکے۔ اس طرح کم از کم مستند علماء کے ہاتھوں سے گزر کر ایک تحریر وہاں تک پہنچے گی۔ یہ تو نہیں ہوگا کہ ہر ٹائی پہننے والا اور ننگے سر والا کھڑا ہو کر کہہ دے گا کہ میں قرآن پاک کی تفسیر لکھ رہا ہوں۔ اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے دل میں یہ بات آئی کہ کیوں نہ ہم یہاں پر اپنے علماء کی سربراہی میں ایک ایسی علمی فضا قائم کرنے کی کوشش کریں تاکہ آپس میں مل بیٹھیں اور سوچیں کہ کیا ضرورتیں ہیں، کیا تقاضے ہیں۔ اس کی تفصیلات باقاعدہ آپ کی خدمت میں عرض کر دی جائیں گی اور پھر آپ لائبریریوں سے یا جو کتب آپ کے پاس ہیں ان سے کچھ ترتیب دینا شروع کر دیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں سے کوئی ایسی کتاب نکل جائے جو وہاں کے نصاب میں ہی شامل ہو جائے۔ جب تک وہاں کے نصاب میں یہ شامل رہے گی آپ کو اس پر اجر و ثواب ملتا رہے گا۔ تو معلوم ہوا کہ ہم اس علمی کام کو جیسے تقریر کے ذریعے اور

تدریس کے ذریعے دوسروں تک پہنچارہے ہیں ویسے ہی ہمیں تصنیف کے ذریعے بھی دوسروں تک پہنچانا ضروری ہے۔

کینیڈا میں علماء کی محنت کا نتیجہ :-

کینیڈا کے اندر تقریباً چودہ مفتی حضرات ہیں۔ انہوں نے مختلف اداروں سے افتاء میں تخصص کیا۔ انہوں نے وہاں اسی طرح کی ایک مجلس بنائی ہوئی ہے۔ انہوں نے سوچا کہ کینیڈا میں تو سارے ہی انگریزی لکھے پڑھے ہیں، ان کو ہم قرآن مجید کا ترجمہ پڑھانا چاہیں تو کیسے پڑھائیں۔ یہ تو نہیں ہوگا کہ یہ بڑے عالم بن جائیں گے مگر کم از کم ان کی جہالت تو ٹوٹے کہ جتنے جاہل ہیں اتنے جاہل نہ رہیں۔ اگر قاری صاحب قرآن پڑھ رہے ہوں تو انہیں پیچھے کھڑے ہوئے اتنا پتہ چل جائے کہ قرآن پاک مجھے کیا کیا بتارہا ہے۔ اس پر انہوں نے محنت کرنا شروع کر دی۔

اس محنت کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج کل ایک کتاب لکھی گئی ہے جس پر وہاں کورس کروایا جاتا ہے۔ ہم لوگ بھی وہاں کورس کروا چکے ہیں۔ آپ حیران ہونگے کہ قرآن کے کل الفاظ 80,000 کے لگ بھگ ہیں۔ مگر ایک ایک لفظ کئی کئی مرتبہ قرآن پاک میں دوہرایا گیا ہے۔ ان بار بار دوہرائے جانے والے الفاظ کو اگر ایک ہی لفظ سمجھا جائے تو مختلف الفاظ کی تعداد 2,000 ہے۔ اور ان 2,000 الفاظ میں سے 500 الفاظ ایسے ہیں جو اردو زبان میں بولے جاتے ہیں۔ ہر اردو لکھنے پڑھنے والا اور بولنے والا ان کے مفہوم کو سمجھتا ہے۔ اس طرح باقی الفاظ 1,500 رہ گئے۔ معلوم ہوا کہ اگر ان کو 1,500 الفاظ کے معانی و مفہوم بتادیئے جائیں تو جب قرآن پڑھا جارہا ہوگا تو ان کو کچھ تو سمجھ آرہا ہوگا۔

اس انداز سے جب ان حضرات نے کام کیا تو وہ جس علاقے میں بھی قرآن پاک کے ترجمے کی کلاس لیتے ہیں تو وہاں پر چالیس پچاس، سو سو کمپیوٹر انجینئر اور ڈاکٹر

بھاگے چلے آتے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ واقعی ترجمہ پڑھنے کے بعد ان کے دلوں میں نیکی کا شوق بڑھ جاتا ہے۔ ہم نے اس ترجمہ کلاس سے کئی ڈاکٹرز اور انجینئرز کی زندگیوں کو بدلتے ہوئے دیکھا ہے۔ تو وہاں کے علماء نے ماحول کی ضرورت کو سامنے رکھ کر کچھ کام کیا جس کا نتیجہ وہاں آج نظر آرہا ہے۔

حضرت اقدس تھانویؒ کا تحریری فیض :-

جب علماء محنت کرتے ہیں تو وہ اس کا صلہ بھی پا لیتے ہیں۔ فقیر پچھلے دنوں بادشاہی مسجد کے خطیب حضرت مولانا عبدالقادر آزاد کا ایک مقالہ پڑھ رہا تھا۔ اس مقالے کا نام تھا "حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور ان کی پوری زندگی" اس مقالہ کے آخر میں انہوں نے حضرت کے نام سے جو کتابیں لکھی گئیں ان کے نام لکھے ہوئے تھے۔ ان کی تعداد 2,700 بنتی ہے۔

فقیر نے حضرت علامہ خالد محمود صاحب سے مانچسٹر میں پوچھا، علامہ صاحب! آپ کی پوری زندگی مطالعہ میں گزری۔ اس امت میں زیادہ سے زیادہ کتنی کتابیں لکھنے والے آپ کے علم میں گزرے ہیں۔ تھوڑی دیر سوچتے رہے اور پھر کہنے لگے، 500 بھی ہیں، 600 بھی ہیں۔ اور کافی دیر کے بعد فرمانے لگے، ایک کے بارے میں نے پڑھا کہ 1,100 ہیں۔ ہاں ماضی قریب میں ہمارے اکابرین میں سے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت دی۔ انہوں نے تحریر کا کام کچھ تو بلاواسطہ خود کیا اور کچھ کام کی انہوں نے رہبری کر دی، ہدایات دے دیں اور اپنے خلفاء اور شاگردوں کے ذمے لگا دیا کہ یہ کام کرو۔ اس طرح شاگردوں نے اپنے شیخ کے نام سے ان کی بتائی ہوئی ترتیب پر وہ کتابیں لکھ دیں جن کی تعداد 2,700 بنتی ہے۔ اب بتائے کہ یہ حکیم الامت جب قیامت کے دن نبی اکرم ﷺ کے سامنے کھڑے ہوں گے تو ان کو کتنی سرخروئی نصیب ہو گی۔

دو طرح کے خطباء :-

فقیر سمجھتا ہے کہ ہر بندے کی زندگی میں اتنا وقت ضرور ہوتا ہے کہ جس میں دین کے بارے میں اپنے خیالات کو کچھ نہ کچھ قلمبند کر سکے۔ ہوتا کیا ہے کہ جب علماء پڑھتے ہیں تو صرف اس نیت سے پڑھتے ہیں کہ ہمیں جمعہ کا خطبہ دینا ہے۔ آپس کی بات ہے کہ اس وقت خطباء میں سے دو طرح کے حضرات ہیں۔ اگر بے ادبی ہو جائے تو فقیر معافی کا خواستگار ہے۔ کچھ حضرات وہ ہیں جن کی اخباری تقریریں ہوتی ہیں۔ وہ دو چار مختلف اخبار پڑھ لیتے ہیں اور ان کا جمعہ کا خطبہ ان چار اخباروں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور کچھ حضرات ایسے ہیں جنہوں نے مختلف مدارس سے جاری ہونے والے ماہنامے اکٹھے کئے ہوتے ہیں۔ وہ ان ماہناموں کی تقریروں اور مقالہ جات کو پڑھ کر اس سے تقریر کر دیا کرتے ہیں۔ خود کتابوں کا مطالعہ کرنے کا شوق ہی آج ختم ہوتا چلا جا رہا ہے۔ وہ حضرات جو تدریس کا کام کرتے ہیں، خیر وہ تو دن رات اسی کام میں لگے ہوئے ہیں، ان کی بات نہیں کر رہے۔ یہ ان حضرات کی بات کر رہے ہیں جو مدارس سے پڑھ کر نکلے اور وہ اس وقت تدریس کا کام نہیں کر رہے بلکہ کہیں خطیب ہیں، امام ہیں یا کسی اور جگہ کام کر رہے ہیں۔ ان کی زندگی میں مطالعہ کا سلسلہ بہت کم ہو گیا ہے۔

ایک فارغ التحصیل عالم کی زبوں حالی :-

فقیر نے ایک فارغ التحصیل عالم کے بارے میں ایک بات سنی کہ کسی نے ان سے پوچھا کہ زکوٰۃ کتنی دینی چاہیے۔ وہ کہنے لگے کہ بس ہر چالیس پر ایک روپیہ نکالتے جاؤ۔ اب بتائیے کہ ایسا جواب آپ نے کبھی سنا ہو گا کہ تمہارے پاس جو چالیس روپے فالتو ہوں ان میں سے ایک روپیہ نکالتے جاؤ۔ نصاب کیا ہوتا ہے؟ کس پر شروع ہوتا ہے

کس پر نہیں ہوتا؟ جب مطالعہ سے طبیعت بیزار ہو جاتی ہے تو پھر ایسے جواب زبان سے نکلتے ہیں۔اس لئے کتابوں کے ساتھ اس رشتہ کا استوار رہنا بہت ضروری ہے۔

اکابرین امت میں مطالعہ کا شوق :۔

ہمارے اکابرین کو تو محبت ہی کتابوں سے ہوا کرتی تھی۔ہر وقت مطالعہ میں ڈوبے رہا کرتے تھے۔یہی وجہ تھی کہ حضرت انور شاہ کشمیریؒ فرمایا کرتے تھے کہ جس کتاب کو میں ایک دفعہ دیکھ لیتا تھا پھر اس کے بعد بیس سال تک اس کتاب کو نہیں بھولا کرتا تھا۔اور شیخ الاسلام حضرت حسین احمد مدنیؒ نے فرمایا کہ پندرہ سال تک تو میں بھی نہیں بھولتا تھا۔انہوں نے اتنی خدمات سرانجام دیں کہ کتابوں میں ہی انکی زندگی گزر گئی۔اوران کی خدمات کا صلہ آج ہمیں مل رہا ہے۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے اس وقت پر حسرت ہوتی ہے جو کھانے پینے میں گزر جاتا ہے کہ میں اس وقت مین مطالعہ نہیں کر پاتا۔امام محمدؒ کے بارے میں ایک صاحب جو ان کے ہم سبق تھے فرماتے تھے کہ میں نے ان کے بارے میں دیکھا کہ وہ رات کو چراغ جلاتے ، کتاب کھول کر دیکھتے اوراس کے بعد چراغ بجھا کر پھر لیٹ جاتے۔پھر تھوڑی دیر بعد اٹھ بیٹھتے اور چراغ جلاتے۔کہنے لگے کہ ایک دفعہ میں نے گنا کہ انہوں نے ایک رات میں سترہ دفعہ اٹھ کر چراغ جلایا اور کتاب کا مطالعہ کیا۔اب جس نے رات میں سترہ دفعہ اٹھ کر چراغ جلایا ہو کیا وہ سوتے ہوں گے ؟وہ سوتے نہیں تھے بلکہ وہ لیٹتے تھے اور ان کا لیٹنا غور و فکر کے ساتھ ہوتا تھا۔اس لئے کئی مرتبہ آدمی دیکھتے تھے کہ چارپائی پر لیٹے ہیں اور وہ اسی عشاء کے وضوسے اٹھ کر فجر کی نماز پڑھ لیتے تھے۔

فقیر ایک دفعہ دارالعلوم دیوبند کے مفتی عزیزالرحمانؒ کے حالات زندگی پڑھ رہا تھا۔ان میں لکھا تھا کہ جب ان کا آخری وقت آیا تو اس وقت بھی ان کے سینے کے اوپر

فتوے کا ایک کاغذ پڑا ہوا تھا۔ امام ابو یوسفؒ کا جب آخری وقت آیا تو کسی طالبعلم نے اس وقت بھی ان سے میراث کے بارے میں سوال پوچھا۔ یعنی اس وقت میں جب کہ جان نکل رہی ہوتی تھی اس وقت بھی علمی نکات ان حضرات کے ذہن پر حاوی رہا کرتے تھے۔

عہد حاضر میں علماء کی خدمات :-

آپ دیکھئے کہ پورے پاکستان میں چند شخصیتیں ایسی نمایاں ہیں جو واقعی ٹھوس بنیادوں پر کام کر رہی ہیں اور دین کے بارے میں کسی نہ کسی عنوان پر کچھ نہ کچھ لکھتے چلے جا رہے ہیں۔ حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی دامت برکاتہم اور حضرت مفتی رشید احمد مدظلہ کی خدمات قابل صد آفرین ہیں۔ دیکھیں کہ اگر ان جیسے علماء ہوں تو بتائیں کہ کوئی پینٹ کوٹ والا ان حضرات کی بے ادبی کر سکتا ہے۔ آپ جو یہ کہتے ہیں کہ آج انگریزی دان لوگ علماء کی قدر نہیں کرتے تو آپ ذرا ایسے عالم بن کر تو دکھائیں پھر یہ انگریزی دان آپ کے جوتے اٹھاتے پھریں گے۔ یہ آپ کے سامنے بچھتے پھریں گے۔ مگر ان کے سامنے ایسی شخصیتیں تو ہوں۔ دراصل بات یہ ہے کہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ آٹھ سال پڑھ کر بھی ایک عام آدمی جیسی زندگی گزار رہے ہیں اور انہیں اپنے اور ان میں کوئی فرق نظر نہیں آتا تو پھر انہوں نے تو شیر بنا ہوتا ہے کہ میں زیادہ جانتا ہوں اور یہ تھوڑا جانتا ہے، حالانکہ بات ایسی نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم علم کی اس استعداد کو ختم کر بیٹھے ہیں مطالعہ کے ساتھ اس رشتہ کے بحال نہ ہونے کی وجہ سے۔ اگر ہم بھی اپنے اکابرین کے نقش قدم پر چل کر ان کی طرح کام کریں تو ہمارا حصہ بھی ان کے ساتھ شمار کر لیا جائے گا۔

لمحہ ء فکریہ :-

یقین کیجئے کہ وہ علماء جن کے چراغ کے تیل کا خرچہ ان کے مہینے کے کھانے کے خرچے سے زیادہ ہوا کرتا تھا آج ان کی اولادیں کتب کے مطالعہ سے بالکل کٹ چکی ہیں۔ جن کے اجداد چٹائیوں پر بیٹھ کر ساری ساری رات مطالعہ کرنے میں گزار دیتے تھے آج ان کی اولادیں نرم بستروں پر شب باشی کرنے کی عادی بن چکی ہیں۔ وہ حضرات جو اپنے دن کی ابتداء قرآن پاک کی تلاوت کے ساتھ کیا کرتے تھے آج ان کی اولادیں اخبار پڑھنے سے اپنے دن کی ابتداء کرتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اب علمی ذوق ختم ہوتا چلا جارہا ہے۔

ہمیں اس بات کو تسلیم کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہئے کہ ہمارے اندر استعداد نہیں ہے لیکن احساس تو ہے۔ اب اس احساس کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں گے اور کچھ کرنا شروع کریں گے تو کیا بعید ہے کہ اللہ رب العزت کی رحمت جوش میں آجائے اور ہم جیسے لوگوں سے بھی اللہ تعالیٰ کوئی ڈھب کا کام لے لے اور آنے والی نسلوں میں اس کا فیض جاری ہو جائے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا تحریری فیض :-

مالا بد منه قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے لکھی۔ آج جو عالم بنتا ہے اس کے ہاتھ میں یہ کتاب دے دیتے ہیں کہ جی یہ تجھے پڑھنا پڑے گی۔ ماشاء اللہ ہزاروں حضرات اس کتاب کو پڑھ کر علماء بنیں گے اور وہ زندگی بھر علم کا جتنا کام کریں گے ان کو بھی اس میں سے حصہ ملتا رہے گا۔ بلکہ جس جس عالم کی کتاب درس نظامی کے نصاب میں شامل ہے وہ اس کے علم کے پورے اجر میں برابر کے حصہ دار ہیں۔

...ولانا مشتاق حسین کا تحریری فیض :۔

مولانا مشتاق حسین چرتھاویؒ نے اردو میں "علم النحو" اور "علم الصرف" رسالے ...ھے ہیں۔ دیکھئے کہ یہ کتابیں کتنی عام ہوتی چلی جارہی ہیں۔ حتیٰ کہ مدارس میں کئی ...رتبہ کہتے ہیں کہ یہ کتاب ذرا دیکھ لو اس سے فائدہ ہوگا۔ ظاہر میں تو ایک چھوٹا سا ...م ہے۔ انہوں نے کیا کیا؟ ان کی زندگی کا جو مطالعہ تھا انہوں نے کوشش کی کہ میں ...ں کو آسان بنا کر پیش کردوں تاکہ طلباء کو آسانی ہو۔ چنانچہ آج لوگوں کے لئے ...رف و نحو سیکھنے میں بہت آسانی ہو گئی ہے۔

...ینی ماہنامے کیوں بند ہو گئے :۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی زندگی میں اپنے فرض منصبی کو سمجھتے ہوئے ... ہم نے اس طریقہ سے بھی دین کی حفاظت کرنی ہے، اس سلسلہ میں بھی قدم اٹھانا ...ا ہئے۔ اب ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ آج پوچھیں کہ مرشد پکڑنے کی کیا ضرورت ...ہے؟ آج کے دور میں اس لمبے چوغے کی کیا ضرورت ہے؟ بھئی ہمیں تو ...بوب ﷺ سے یہی چیزیں ملی ہیں اور ہم اس بات کے پابند ہیں کہ محبوب ﷺ کی ...نتوں کو آنے والی نسلوں تک پہنچا جائیں۔ اس لئے کتابوں کا مطالعہ کرتے رہنا چاہئے ...ر انسان اس پر اپنی سوچ بچار کرے وقت کے تقاضوں کے مطابق اس کو لکھتے رہنا ...ا ہئے اور پھر اس کی اپنے بڑوں سے تصحیح کروالینا چاہئے تاکہ ان کی نظر سے گزر ...ائے۔ ابتداء میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ حضرات جو کچھ لکھیں، کسی نہ کسی ماہنامے ...ں جو مختلف مدارس سے چھپتے ہیں ان کو بھیجنا شروع کردیں۔ آج ماہناموں والوں کو ...نی پریشانی ہے کہ لکھنے والے ہی نہیں ملتے۔ کتنے ہی ایسے ماہنامے ہیں جو ہزاروں کی ...نداد میں جاری ہوئے اور پھر کچھ عرصہ کے بعد وہ صفحۂ ہستی سے غائب ہو گئے۔

جب پوچھا گیا کہ ایسا کیوں ہوا تو کہنے لگے کہ لکھنے والے ہی نہیں ملتے ہم کیا کریں۔ افسوس کہ مختلف جگہوں سے جو فیض جاری ہوتا تھا وہ فیض ہی بند ہوتا چلا جا رہا ہے۔ تو آخر کہیں کوئی تو ہو جو اس کے بارے میں بیٹھ کر سوچے اور قدم اٹھانے کی کوشش کرے۔ کیا بعید ہے کہ اللہ رب العزت اس فکر پر ایسی مہربانی فرما دیں کہ آپ حضرات میں سے کچھ حضرات ایسے ہوں جن کا علمی کام تحریر کی شکل میں اس طرح ضبط ہو جائے کہ وہ آپ کے لئے اور ہمارے لئے بخشش کا ذریعہ بن جائے۔

علمی سرمایہ سے محرومی :-

اس عاجز کو یاد ہے کہ جب سکول میں پڑھتے تھے تو دھجی روڈ پر وقف یٰسینی کے نام سے ایک لائبریری ہوتی تھی۔ اس میں بہت زیادہ کتابیں ہوا کرتی تھیں۔ مگر چونکہ اس علمی خزانے کی حفاظت کرنے والا کوئی نہیں تھا اس لئے پتہ چلا کہ کچھ عرصہ کے بعد اس شہر کا علمی ذخیرہ یہاں سے اٹھا کر کہیں کسی دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا ہے۔ وہ ہزاروں کتابیں اس عاجز نے خود دیکھی ہوئی ہیں۔ ہزاروں کتابوں کا علمی سرمایہ جب اس شہر سے چلا گیا تو یہ شہر تو محروم ہو گیا۔ اب اگر آج وہ لائبریری یہاں موجود ہوتی تو ہم میں سے کوئی بھی وہاں کی کتابوں سے فائدہ اٹھانا چاہتا تو اٹھا سکتا تھا۔

یہ چند باتیں جو سامنے آئیں وہ آپ کی خدمت میں عرض کر دی ہیں۔ اللہ رب العزت قبول فرمائیں اور ہمیں عملی طور پر اس سلسلہ میں قدم اٹھانے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ (آمین ثم آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○

خشیت الٰہی

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَ كَفٰى وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ ۔ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُوْنَ ۔ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِىْ مَقَامٍ اٰخَرَ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۔ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ بَكٰى مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ النَّارَ اَوْ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ ۔ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۔وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۔ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥

خشیت کسے کہتے ہیں ؟

خشوع دل کی وہ کیفیت ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت دل میں بیٹھے ، اللہ رب العزت کی ہیبت دل میں بیٹھے ، اللہ رب العزت کی ایسی محبت دل میں آجائے کہ انسان اس کی ناراضگی کے تصور سے کانپ اٹھے ، انسان اس کی محبت میں اداس ہو جائے ۔ پس ایسا انسان جس کے دل میں خشیت الٰہی پیدا ہو جائے وہ گناہوں کی طرف قدم نہیں

اٹھاتا۔

اعضائے انسانی پر خشیت کا اثر :

مفردات القرآن میں لکھا ہے **اَلْخُشُوْعُ اَلضَّرَاعَةُ وَ اَكْثَرُ مَا يُسْتَعْمَلُ فِيْمَا يُوْجَدُ عَلَى الْجَوَارِحِ** خشیت تضرع ، گڑگڑانے اور رونے کا نام ہے اور اس کا اثر انسان کے اعضاء پر ہوتا ہے۔ یہ خشیت انسان کے دل میں ہوتی ہے جب کہ اس کا اثر انسان کے جوارح پر نظر آتا ہے۔ جیسے آگ جلے تو دھواں اٹھتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور درخت لگے تو اس پر پھل نکلتے نظر آتے ہیں اسی طرح جس دل کے اندر خشیت ہو اس کے اعضاء پر اس خشیت کے آثار نظر آتے ہیں۔

کیوں دل جلوں کے لب پہ ہمیشہ فغاں نہ ہو
ممکن نہیں کہ آگ جلے اور دھواں نہ ہو

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دل میں آگ لگی ہوئی ہو اور اس کا دھواں ہی کسی کو محسوس نہ ہو۔

آہیں بھی نکلتی ہیں گر دل میں لگی ہو
ہو آگ تو موقوف دھواں نہیں ہوتا

جہنم کی آگ کی شدت :-

ارشاد نبوی ﷺ ہے **مَنْ بَكٰى مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ** جو کوئی رو پڑا اللہ کی خشیت سے **حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ النَّارَ** اللہ تعالیٰ اس پر جہنم کی آگ حرام فرما دیتے ہیں۔ جہنم کی آگ کو دنیا کی آگ کی طرح مت سمجھنا۔ جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے ستر گناہ زیادہ سخت اور گرم ہے۔ جہنم کی آگ میں اتنی شدت ہے کہ اس آگ کا ایک ذرہ اگر طلوع آفتاب کی جگہ پر رکھ دیا جائے اور کوئی بندہ غروب آفتاب کی جگہ پر موجود ہو تو اس آگ کی شدت

اور گرمی سے وہ بندہ وہاں پر بھی جل جائے گا۔ دوزخیوں کے پسینے کے قطرے اس قدر گرم ہوں گے کہ اگر ان کو احد پہاڑ کے اوپر ڈال دیا جائے تو وہ پہاڑ بھی پگھل جائے۔ اسی لئے حدیث پاک میں آیا ہے نَارُکُمْ ھٰذِہٖ اَحَدًا وَّ سَبْعُوْنَ جُزْءً ا مِنْ نَارِ جَھَنَّمَ یہ تمہاری دنیا کی آگ جہنم کی آگ کے حصوں میں سے اکہترواں حصہ بنتی ہے۔

دنیا کی آگ اور جہنم کی آگ :-

دنیا کی آگ اور جہنم کی آگ میں چند باتیں زیر نظر رہیں۔

1 ۔ دنیا کی آگ عام اسباب کے تحت نیک اور بد سب کو جلاتی ہے۔ اللہ رب العزت کے ایک پیغمبر حضرت جرجیسؑ کو اس آگ نے جلا دیا تھا۔ دنیا کی آگ نے حضرت موسیٰؑ کی زبان کو جلا دیا تھا۔ اسی طرح نیک عورت کھانا پکا رہی ہو اور بے احتیاطی سے اگر اس کا ہاتھ آگ میں پڑ جائے تو اس کا بھی ہاتھ جل جائے گا مگر دوزخ کی آگ فقط مجرموں، گنہگاروں اور خطا کاروں کے لئے بنائی گئی ہے۔ یہ صرف اللہ کے نافرمانوں کو جلائے گی، نیک اور متقی لوگوں کو جہنم کی آگ کچھ نہیں کہہ سکے گی۔

2 ۔ دنیا کی آگ پانی سے بجھ جاتی ہے مگر جہنم کی آگ گنہگار بندے کی آنکھ سے نکلے ہوئے آنسوؤں سے بجھا کرتی ہے۔

3 ۔ دنیا کی آگ کو ہوا بھڑکاتی بھی ہے اور اگر کبھی تیز ہو تو بجھا بھی دیا کرتی ہے۔ اسی طرح جب مومن پل صراط سے گزریں گے تو جہنم کہے گی اَسْرِعْ یَا مُؤْمِنْ اے مومن! تو جلدی کر فَاِنَّ نُوْرَكَ اَطْفَأَ نَارِیْ کہ تیرے ایمان کے نور نے تو میری آگ کو بھی بجھا دیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی فجر اور مغرب کی نماز کے بعد سات

مرتبہ اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ پڑھنے کا معمول بنالے تو اللہ رب العزت اس کو جہنم کی آگ سے پناہ عطا فرما دیتے ہیں۔

حقیقی مومن کون؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کیا ایمان والوں کے لئے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اس سے ڈر جائیں جو اللہ نے نازل کیا ہے یعنی اللہ کی یاد سے ان کے دل ڈر جائیں۔ سبحان اللہ، پروردگار عالم کیسے عجیب انداز سے ارشاد فرماتے ہیں کہ کیا ایمان والوں کے لئے ابھی وقت نہیں آیا یعنی یہ کام تو پہلے سے ہو جانا چاہئے تھا۔ اب تو اتنی مدت اس کے بغیر گزر گئی ہے۔ امام رازیؒ اس آیت کے تحت تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں اِنَّ الْمُؤمِنَ لَا یَکُوْنُ مُؤمِنًا فِی الْحَقِیْقَةِ اِلَّا مَعَ خُشُوْعِ الْقَلْبِ مومن حقیقت میں اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے دل کے اندر خشوع پیدا نہیں ہوتا۔

خشیت کی مختلف صورتیں

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ خشیت کی مختلف صورتیں ہیں۔

⊙۔ نماز میں خشیت:

نماز کی خشیت دراصل طمانیت کہلاتی ہے۔ یعنی انسان نماز اتنی بنا سنوار کر پڑھے کہ اعضاء و جوارح میں سکون اور اطمینان ہو اور تعدیل ارکان کا خیال رکھے۔ اس کو کہتے ہیں جما کر نماز پڑھنا، بنا سنوار کے نماز پڑھنا۔ اس کی دلیل نبی اکرم ﷺ کی وہ حدیث ہے جس میں ایک صاحب نے نماز کی نیت باندھی اور اپنی داڑھی کے بالوں میں انگلیاں ڈالنا شروع کر دیں۔ نبی اکرم ﷺ نے دیکھ کر ارشاد فرمایا۔ لَوْ خَشَعَ قَلْبُ

ھٰذَا لَخَشَعَتْ جَوَارِحُہٗ اگر اس بندے کے دل میں خشیت ہوتی تو یہ اپنی داڑھی کے بالوں سے نہ کھیلتا بلکہ اس کے ہاتھوں کو سکون ہو جاتا۔

⊙۔ذکر اللہ میں خشیت :

جب انسان ذکر اور مراقبہ کی حالت میں ہو تو اس وقت بھی دل میں خشوع ہوتا ہے۔اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ بسااوقات انسان کے منہ سے اللہ کی محبت میں آہیں نکلتی ہیں، کبھی ٹھنڈی سانس لیتا ہے، کبھی آنکھوں سے آنسو نکل آتے ہیں، کبھی اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، کبھی جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے، اور کبھی تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ رو رو کر بے ہوش ہو جاتا ہے۔ یہ تمام کیفیتیں تڑپنا، رونا، آہیں بھرنا اور بے ہوش ہو جانا، یہ سب اِقْشِعْرَار یعنی خشیت ہی کی اقسام ہیں۔

⊙۔اللہ تعالیٰ کی محبت میں آہیں بھرنا :

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں فرماتے ہیں اِنَّ اِبْرَاھِیْمَ لَاَوَّاہٌ حَلِیْمٌ بے شک ابراہیم خلیل اللہ، اللہ تعالیٰ کی محبت میں آہیں بھرا کرتے تھے۔ اگر کسی سے محبت ہو تو انسان کی زبان سے خود بخود ایسی آواز نکلتی ہے کہ دوسرے بندے کو محسوس ہو جاتا ہے کہ اس شخص کے دل کو کوئی غم لگا ہوا ہے۔

آہ کسے کہتے ہیں ؟

تفسیر روح البیان میں لکھا ہے کہ اَلْاَوَّاہُ کا مطلب اَلْخَاشِعُ الْمُتَضَرِّعُ ہے یعنی خاشع وہ ہوتا ہے جس کے اوپر تضرع ہو، گڑگڑاہٹ ہو۔ آہ کہتے ہی اس کو ہیں جو زور کی ہو، آہ کبھی چھپی ہوئی نہیں ہوتی بلکہ امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں ایک شعر نقل کیا ہے کہ شاعر کہتا ہے

اذا ما کنت ارحلها بلیل
تارة اهة رجل الحزین

جب میں رات کو اندھیرے میں اٹھتا ہوں کہ اپنی اونٹنی کو کس دوں تو وہ اونٹنی کسی غمناک مرد کی طرح آہیں بھرتی ہے...... اونٹنی بسا اوقات ایسی آواز نکالتی ہے کہ سننے والے کو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی غمناک مرد آہیں بھر رہا ہوتا ہے۔

خاموش رہ کے دل کا نکلتا نہیں غبار
اے عندلیب! بول دہائی خدا کی ہے
تڑپنا تلملانا ہجر میں رو رو کے مر جانا
یہ شیوہ عاشقی میں ہے مریضان محبت کا

اچھے سالک کی پہچان :-

ذکر کرتے وقت آہیں تو نکلتی ہیں مگر اچھا سالک وہ ہوتا ہے جو اس کو قابو میں رکھے۔ برتن بڑا ہوگا تو چھوٹی چیز آرام سے اس میں آجائے گی اور اگر برتن چھوٹا ہوگا تو ابل کر باہر نکل جائے گی۔ ہم نقشبند ہیں، ان احوال اور کیفیات کو دل کی ہنڈیا کے اندر ڈالئے اور اسکے اوپر اپنی فہم و فراست کا ڈھکنا ڈال دیجئے اور اس سالن کو اندر پکنے دیجئے۔ جو چیز عام حالات میں دیر سے پکتی ہے وہ ڈھکنا پڑنے کی وجہ سے بہت جلدی پک جایا کرتی ہے۔ لہٰذا اپنے دل کی ہنڈیا پر ڈھکنا دو اور اسے پکنے دو۔

وصل کا لطف یہی ہے کہ رہیں ہوش بجا
دل بھی قبضے میں رہے پہلو میں دلدار بھی ہو

اس لئے ہمارے نقشبند حضرات اپنے آپ کو قابو میں رکھتے ہیں۔

محبوب کی نظر عنایت :-

تاہم کبھی کبھی محبوب کی نظر ہی ایسی ہوتی ہے جو سینے سے پار ہو جاتی ہے۔ پھر بس میں نہیں ہوتا۔ ایسا بندہ جب کبھی رو پڑتا ہے تو اللہ رب العزت کے ہاں اس بندے کے آنسوؤں کی بڑی قدر و قیمت ہوا کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی محبوبیت :-

محترم جماعت ! اللہ رب العزت ہی وہ ہستی ہے کہ کائنات میں جتنی اس سے محبت کی گئی اتنی کسی اور سے نہیں کی گئی ، جتنا اللہ رب العزت کی تعریفیں کی گئیں کسی اور کی اتنی تعریفیں نہیں کی گئیں، جتنا دنیا میں اس کے سامنے فریادیں کی گئیں اتنا کسی اور کے سامنے فریاد نہیں کی گئی ، جتنا اس کی چوکھٹ کو پکڑ کر رویا گیا اتنا کسی اور سخی کے در پر نہیں رویا گیا، جتنا اپنی پریشانیوں میں اللہ کو پکارا گیا کائنات میں کسی اور کو نہیں پکارا گیا۔ جب بے سہاروں کے سہارے نہیں رہتے تب اس کو ایک سہارا نظر آتا ہے۔ وہ اللہ رب العزت کی ذات ہوتی ہے ، جب امید کی شمعیں گل ہو جاتی ہیں تو پھر صرف ایک کرن باقی ہوتی ہے ، وہ اللہ رب العزت کی ذات ہوتی ہے ، جب انسان ساری مخلوق کی بے وفائی سے ناامید ہو جاتا ہے تب اسے وفا والی ایک ہی ذات نظر آتی ہے ، جب اسے کوئی فائدہ دینے والا نظر نہیں آتا تو اسے پروردگار عالم کی ذات نظر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا نظارہ کرنے والے انسان کے دل پر جب اللہ تعالیٰ کی عظمت ثبت ہو جاتی ہے تو انسان کی توجہ اپنے پروردگار کی طرف رہتی ہے۔ جس کی وجہ سے اسے گناہ کرنے کی جرأت ہی نہیں ہوتی کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر میں نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی تو رب کریم مجھ سے ناراض ہوں گے۔

عوام الناس کے دل میں خشیت :

عام آدمی کا ڈر اور خوف اس طرح کا ہوتا ہے کہ وہ ڈرتا ہے اللہ رب العزت کی سزاؤں سے ،وہ ڈرتا ہے کہ فرشتے ماریں گے ،وہ ڈرتا ہے کہ جہنم کی آگ شدید گرم ہوگی ،وہ ڈرتا ہے کہ قیامت کے دن ذلت ورسوائی ہوگی ،وہ ڈرتا ہے کہ قیامت کا عذاب اور دردناک تکالیف برداشت کرنا مشکل ہوں گی ،وہ ڈرتا ہے کہ کہیں قبر کے اندر سانپ نہ داخل کر دیئے جائیں ،وہ ڈرتا ہے کہ جہنم میں کہیں بچھوؤں کی غار میں مجھے دھکیل نہ دیا جائے ،وہ ڈرتا ہے کہ کہیں فرشتے مجھے گرز سے نہ ماریں۔اس لئے وہ گناہوں سے بچتا ہے۔

اللہ والوں کے دل میں خشیت :-

اللہ والوں کا خوف اور طرح کا ہوتا ہے۔ان کو تکالیف تو چھوٹی نظر آتی ہیں۔ان کے دل میں ایک بڑی غمناک کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اگر میں گناہ کروں گا تو میرا پروردگار مجھ سے ناراض ہو جائے گا۔ محترم جماعت! جس سے رب کریم ناراض ہو گیا پھر دنیا میں اس کا کوئی نہ بچا، اس نے سب کچھ ضائع کر دیا۔ اللہ والے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے ڈرتے ہیں وہ اگر بڑھ چڑھ کر عبادت بھی کر رہے ہوتے ہیں تو انہیں پھر بھی قدم قدم پر یہی خوف رہتا ہے کہ معلوم نہیں کہ وہ بے نیاز پروردگار ہماری عبادت کو کہیں منہ پر نہ مار دے۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ ریاکار لوگوں کی عبادتوں کو اللہ تعالیٰ ان کے منہ پر پھٹے ہوئے کپڑے کی طرح مار دیتے ہیں۔ راتوں کو جاگنے والے کتنے ہی ایسے ہوں گے کہ ریاکاری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان راتوں کے اندھیروں کو ان کے چہروں پر مل دیں گے۔ کتنے ہی لوگ ایسے ہوں گے کہ دنیا میں کلمہ پڑھتے ہوں گے مگر ان کا عمل اس کے خلاف ہوگا جس کی وجہ سے موت کے بعد

قبروں میں ان کے رخ قبلہ سے بدل دیئے جائیں گے، کتنے ہی لوگ ایسے ہوں گے کہ جب قبر میں پہنچیں گے تو ان سے کہا جائے گا نَمْ كَنَوْمَةِ الْعُرُوْسِ تم دلہن کی نیند سو جاؤ اور کئی ایسے بھی ہوں گے کہ جب قبر میں پہنچیں گے تو ان سے کہا جائے گا نَمْ كَنَوْمَةِ الْمَنْحُوْسِ تم منحوس کی نیند سو جاؤ۔ ان کے لئے سزائیں ہوں گی کیونکہ پروردگار ان سے ناراض ہوگا، وہ عبادت بھی کر رہے ہوتے ہیں اور دل میں یہ کیفیت بھی ہوتی ہے کہ پروردگار اتنی عظمتوں اور کبریائی والا ہے، اس کی شان اتنی بلند ہے اور میں اتنا حقیر ہوں، میں گناہوں میں ڈوبا ہوا ہوں، میں اتنا عاجز ہوں، میں اتنا چھوٹا ہوں کہ میری عبادتیں نیچے رہ جائیں گی، میری عبادتیں اس قابل نہیں کہ پروردگار کی جناب تک پہنچیں، ان کے دل میں یہ خوف بھی ہوتا ہے کہ اگر میری عبادتوں کی طرف پروردگار نے نظر ہی نہ اٹھائی تو میرا کیا بنے گا؟ میری عبادتوں کے لئے آسمان کے دروازوں کو نہ کھولا گیا تو کیا بنے گا؟ اس لئے بڑی بڑی عبادات کر کے پروردگار کو راضی کرنے والے مقربین ساری ساری رات عبادت کرتے رہے۔ چالیس چالیس سال عشاء کے وضو کے ساتھ فجر کی نمازیں پڑھتے رہے۔ اس کے باوجود جب ان کو بیت اللہ شریف کی زیارت کے لئے جانا نصیب ہوا تو طواف کر کے مقام ابراہیمؑ پر دو نفل پڑھے اور اس کے بعد ہاتھ اٹھا کر یوں دعائیں مانگیں مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ اے اللہ! ہم نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا جو ہمیں کرنا چاہیے تھا مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ اے اللہ! ہمیں تیری معرفت جیسے حاصل کرنا چاہیے تھی ہم اس کو حاصل نہیں کر سکے۔ سبحان اللہ یہ ان حضرات کی مناجات ہیں جن کی زندگیاں پھولوں کی نزاکت سے بھی زیادہ عفیف گزریں۔ کاملین حضرات اتنی زیادہ عبادات کے بعد اللہ رب العزت کے سامنے اپنا دامن پھیلا کر کہتے تھے، اے اللہ! اگر تو قبول

کرلے تو یہ تیرا فضل اور احسان ہے اور اگر تو رد فرمادے تو یہ تیرا عدل ہو گا۔ دنیا
میں رونما ہونے والے واقعات ان کی نظر میں ہر وقت رہتے ہیں۔ بلعم باعور پانچ سو سال
تک عبادت کرتا رہا، میرے پروردگار کی شان بے نیازی کا مظاہرہ ہوا تو اس کی پانچ سو
سال کی عبادت کو پھٹکار کے رکھ دیا۔ پھر اس کا حشر کتے کی مانند کر دیا اور اس کا تذکرہ
قرآن میں یوں فرمایا فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اس کی مثال تو کتے کی مانند ہے۔ اے
اللہ! تو اگر چاہے تو پانچ سو سال کی عبادت کے بعد کتے کی طرح حشر کر دے اور اگر
تیری رحمت جوش میں آجائے تو فضیل بن عیاضؒ کو ڈاکوؤں کی سرداری سے اٹھا کر
ولیوں کا سردار بنادے۔ جب انسان کا نفس ریاضت کی بھٹی میں پک کر کندن بنتا ہے تو
یہ گناہ کرنے سے ڈرتا ہے، خوف کھاتا ہے۔ جیسے کوئی اس بات سے ڈرتا ہے کہ بادشاہ
مجھ سے ناراض نہ ہو جائے اور کوئی غلط کام نہیں کرتا، اسی طرح بندے کے دل میں
جب خشیت الٰہی پیدا ہو جاتی ہے تو وہ اللہ رب العزت کی ذات سے ڈرتا ہے کہ کہیں وہ
مالک ناراض نہ ہو جائے۔ اسی کو عارفین کا خوف کہتے ہیں۔

ایک مثال سے وضاحت :

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اگر شیر پاس بیٹھا ہو تو دیکھو گے کہ آدمی اس سے ہیبت
کھائے گا حالانکہ وہ شیر اس آدمی کی طرف دیکھ ہی نہیں رہا ہوتا' اسے کوئی نقصان بھی
نہیں پہنچا رہا ہوتا۔ مگر اس سب کے باوجود وہ انسان شیر کے اس رعب کی وجہ سے جو
اللہ نے شیر کو دیا ہے ہیبت زدہ ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اگر اس نے میری طرف توجہ
کرلی تو چیر پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ اسی طرح چونکہ اللہ والوں کو اللہ رب
العزت کی جلالت شان کا علم ہوتا ہے وہ اس کی عظمتوں کو اور اس کی بے نیازی کو جانتے
ہیں کہ اگر کبھی اس کی بے نیازی کی ہوا چل گئی تو ہماری عبادتوں کو هَبَآءً مَّنْثُوْرًا کی

ند اڑا کر رکھ دیا جائے گا۔

یمان کی دلیل :-

اللہ والوں کے دلوں میں یہ کیفیت ہوتی ہے کہ وہ عبادتیں بھی کرتے ہیں مگر
ں کو سکون نہیں ہوتا۔ ان کے دلوں میں ایک غم ہوتا ہے۔ وہ موت سے پہلے کیسے
سکون ہو سکتے ہیں جنہیں اپنے انجام کا پتہ نہیں کہ کس حال میں موت آئے گی۔
یں ہر وقت یہ خوف رہتا ہے کہ پتہ نہیں ہماری قبر جنت کا باغ بنے گی یا دوزخ کا گڑھا
گی۔ وہ رب کے سامنے پیشی کی کیفیت سے ڈرتے ہیں کہ پتہ نہیں مجھے مجرموں میں
ا کیا جائے گا یا عبادت گزاروں میں۔

محترم جماعت ! ایسا بندہ پھر چین کی بنسی کیسے بجا سکتا ہے، وہ دنیا میں لمبی تان کر کیسے
سکتا ہے، وہ دنیا کے اندر بے غم زندگی کیسے گزار سکتا ہے ؟ وہ تمام عبادتوں کے
ود اپنے پروردگار کے سامنے اس کی بے نیازی اور عظمتوں کی وجہ سے ڈرتے ہیں
نکہ عمل کرنا اور پھر اس پر ڈرنا ایمان کی دلیل ہوتی ہے۔

شم اور چشمہ کے پانی کی تاثیر :

آئیے رونے کے بارے میں بھی چند باتیں کر لیں۔ آنکھ کو اردو میں چشم کہتے ہیں۔
م سے آنسو نکلتے ہیں۔ ایک چشمہ بھی ہوتا ہے جو زمین کی آنکھ ہوتا ہے۔ اس میں سے
پانی ابلتا ہے۔ عربی زبان میں دونوں کو "عین" کہتے ہیں۔ انسان کی آنکھ سے بھی پانی
ا ہے اور زمین کی آنکھ سے بھی پانی نکلتا ہے۔

- جس طرح چشمہ پانی کے بغیر بے کار ہوتا ہے اسی طرح انسان کی آنکھ بھی آنسوؤں
کے بغیر بے کار ہوتی ہے۔

- چشمے کے پانی سے دنیا کا باغ لگا کرتا ہے اور چشم کے پانی سے نیکیوں کا باغ لگا کرتا

ہے۔

- چشمے کے پانی سے نکلنے والی فصل فانی ہوتی ہے مگر چشم کے آنسو سے نکلنے والی فصل ہمیشہ باقی رہتی ہے۔
- چشمے سے نکلنے والا پانی انسان کی ظاہری نجاست کو دور کر دیتا ہے اور انسان کی چشم سے نکلنے والا آنسو انسان کی باطنی نجاست کو دھو دیا کرتا ہے۔
- چشمے کا پانی اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسی قدر و قیمت نہیں رکھتا کہ اسے تولا جائے مگر چشم سے نکلنے والا پانی اللہ رب العزت کے ہاں اتنی قدر و قیمت رکھتا ہے کہ حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ قیامت کے دن اللہ رب العزت اپنی یاد میں یا گناہوں کو یاد کر کے رونے والے بندے کے آنسوؤں کو اس کے نامہ اعمال میں تولیں گے اور ایک ایک آنسو زمین اور آسمان سے زیادہ بھاری ہو جائے گا۔

اجرام فلکی پر خشیت الٰہی کا اثر:

حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں قَالَ النَّبِیُّ ﷺ تَضَرَّعُوْا وَ ابْکُوْا عاجزی کرو، زاری کرو اور روؤ فَاِنَّ السَّمٰوَاتِ وَ الْاَرْضِ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النَّجُوْمَ یَبْکُوْنَ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰہِ کہ بیشک آسمان، زمین، سورج، چاند اور ستارے اللہ تعالیٰ کی خشیت سے روتے ہیں۔ جب کہ ہماری حالت یہ ہے کہ ہم ہنسنے کے مزے سے واقف ہیں رونے کے مزے سے واقف نہیں ہیں۔

رونے کی لذت:

اے مردہ سر کی طرح دانت نکالنے والے!...... بکری کا سر کٹا ہوا ہو تو کبھی دیکھنا کہ اس کے دانت نکلے ہوتے ہیں...... اے مردہ سر کی طرح دانت نکالنے والے! تجھے رونے کی لذت کا کیا پتہ......!!! جب شمع کی طرح آنسو بہائے گا تو اپنے دل کے گھر

روشن پائے گا۔

رونے کی اقسام

رونے کی مختلف اقسام ہیں۔

1. مصیبت میں رونا

ایک ہوتا ہے مصیبت میں رونا۔ یہ ایک طبعی امر ہے۔ چھوٹا ہو یا بڑا جس پر بھی مصیبت آئے اس کی آنکھوں سے آنسو آجاتے ہیں۔ مومن کو دنیا میں جو بھی چھوٹی یا بڑی مصیبت آئے اس پر اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ملتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر ہوا کے جھونکے سے چراغ بھی بجھ جائے تو اس چراغ کے بجھنے پر بھی اس مومن کو اللہ تعالیٰ اجر عطا فرماتے ہیں۔ اسی طرح ایک آدمی نے اگر اپنی قمیص کو دو جیبیں لگوائی ہوئی ہوں اور کوئی چیز ایک جیب میں ڈال لے۔ پھر ضرورت کے وقت بھولے سے دوسری جیب میں تلاش کرے تو اسے اس جیب سے وہ چیز نہیں ملتی ۔ اس پر اسے پریشانی ہوتی ہے۔ پھر دوسرے ہی لمحے وہ دوسری جیب میں اسے تلاش کرنے پر مل بھی جاتی ہے تو اسے اس پریشانی پر بھی اللہ تعالیٰ اجر و ثواب عطا فرما دیتے ہیں۔

2. کسی کی جدائی میں رونا

دوسرا ہوتا ہے کسی کے فراق اور جدائی میں رونا۔ جیسے حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹے حضرت یوسفؑ کی جدائی میں رویا کرتے تھے۔ اتنا روتے تھے کہ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ غم

کی وجہ سے ان کی آنکھیں سفید ہو گئی تھیں۔

حضرت یوسفؑ کی جدائی میں اتنا غم کیوں؟

یہاں علماء نے ایک اشکال اور اس کا جواب لکھا ہے۔ وہ اشکال یہ ہے کہ بیٹے کی جدائی میں پیغمبرؑ کا اتنا زیادہ رونا عجیب معلوم ہوتا ہے کیونکہ آخر بیٹا تھا، بیٹے فوت بھی ہو جاتے ہیں، بیٹوں کو کوئی پکڑ کر بھی لے جاتا ہے۔ علماء نے اس کا جواب لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت یعقوبؑ کو معلوم تھا کہ میرا بیٹا میرے بعد میرے علم کا وارث بنے گا اور اپنے وقت کا نبی بنے گا۔ لہٰذا وہ اپنے بیٹے کی جدائی میں اس لئے زیادہ روتے تھے کہ پتہ نہیں کہ اس کے ایمان کا کیا حال ہو گا۔ اور کیسے لوگوں کے پاس ہو گا۔ پھر اس جواب کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ جب حضرت یوسفؑ نے اپنی قمیص بھیجی کہ میرے والد گرامی کے پاس لے جاؤ اور خوشخبری لانے والا لایا تو انہوں نے سب سے پہلی بات یہ پوچھی کہ تم نے یوسف کو کس حال میں پایا۔ اس نے کہا کہ میں نے ان کو دین اسلام پر پایا تو آپؑ نے فرمایا اَلْاٰنَ تَمَّتْ نِعْمَتُ رَبِّیْ اب میرے رب کی نعمت مجھ پر کامل ہو گئی کہ میرا بیٹا ابھی تک دین اسلام پر موجود ہے۔

ایک اور نکتہ :-

حضرت مجدد الف ثانیؒ اس میں ایک نکتہ اور لکھتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کو جنتی حسن کی ایک جھلک سی دے دی تھی۔ اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ جب زنان مصر نے یوسفؑ کو دیکھا تو کہنے لگیں مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ یہ بشر نہیں، یہ تو کوئی بڑا اکرم فرشتہ معلوم ہوتا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ چونکہ ان کو جنتی حسن کا بہت چھوٹا سا حصہ دے دیا تھا۔ اس لئے ان کی خوبصورتی پر ہر ایک قربان ہوا جاتا تھا۔ مومن ہمیشہ جنت کی چیزوں سے اور جنت سے محبت کرتا ہے،

اللہ تعالیٰ بھی بندوں کو جنت کی طرف بلا رہے ہیں۔ وَاللّٰہُ یَدْعُوْا اِلٰی دَارِ السَّلَامِ تو جس نعمت کی طرف پروردگار بلائے مومن اس نعمت سے محبت کرتا ہے، چونکہ حضرت یعقوبؑ کو جنت سے محبت تھی اور بیٹے کو ملنے والے جنتی حسن سے بھی بہت محبت تھی اس لئے اس جنتی حسن کی جدائی پر حضرت یعقوبؑ رویا کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے آنسو:۔

سیدنا رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے سیدنا ابراہیمؓ کی جب وفات ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں دفن فرمادیا۔ اس وقت آپ ﷺ کی مبارک آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ایک صحابیؓ نے دیکھ کر عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ بھی رو رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا اَلْقَلْبُ یَحْزَنُ دل مغموم ہے وَالْعَیْنُ تَدْمَعُ آنکھ رو رہی ہے۔ وَاِنَّا بِفِرَاقِکَ یَا اِبْرَاھِیْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ اور اے ابراہیم! ہم تیری جدائی پر بڑے غمناک ہیں۔

اذان بلالؓ کے وقت صحابہ کرامؓ کا رونا:

حضرت بلالؓ نبی اکرم ﷺ کے پردہ فرما جانے کے بعد شام ہجرت کر گئے تھے۔ بہت عرصہ وہاں رہے۔ ایک مرتبہ خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا، بلال! تم ہمیں ملنے ہی نہیں آتے۔ مقصد یہ کہ تم نے تو دور بسیرے کر لئے ہیں۔ دل بڑا اداس ہوا۔ چنانچہ سفر کر کے شام سے مدینہ طیبہ آئے۔ صحابہ کرامؓ نے جب حضرت بلالؓ کو دیکھا تو پرانی یادیں تازہ ہو گئیں۔ صحابہ کرامؓ جمع ہو گئے۔ سب کے دل میں تمنا پیدا ہوئی کہ حضرت بلالؓ سے دور نبوی ﷺ والی اذان سنیں۔ چنانچہ جب حضرت بلالؓ کے سامنے انہوں نے اپنی تمنا ظاہر کی تو انہوں نے فرمایا کہ میں قابو نہ رہ سکوں گا۔ سب حضرات اصرار کرتے رہے مگر آپ انکار کرتے

رہے۔ بالآخر حسنین کریمینؓ آگئے۔ دونوں شہزادوں نے آکر تمنا ظاہر کی کہ ہمیں اپنے نانا ﷺ کے دور کی اذان سنا دیجئے۔ شہزادوں کی فرمائش کوئی چھوٹی فرمائش نہ تھی۔ چنانچہ اسی جگہ پر کھڑے ہو گئے جہاں نبی اکرم ﷺ کے دور میں کھڑے ہو کر اذان دیا کرتے تھے۔ اللہ اکبر کہہ کر اذان دینا شروع کی۔ آواز بلالؓ کی تھی مگر صحابہ کرامؓ کے دل میں یاد اپنے محبوب ﷺ کی تھی۔ ادھر اذان ہو رہی تھی اور ادھر دل بے قابو ہوتے چلے جارہے تھے۔ صحابہ کرامؓ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بہہ رہی تھیں، آنسوؤں کے موتی گر رہے تھے۔ آنکھوں نے ساون بھادوں کی برسات برسانا شروع کر دی۔ حتیٰ کہ یہ معاملہ آنسوؤں تک نہ رہابلکہ ان کی زبانوں سے بھی نبی اکرم ﷺ کی جدائی میں محبت کی باتیں نکلنا شروع ہو گئیں۔ یہ شور اتنا بلند ہوا کہ مدینہ طیبہ کے گھروں میں صحابیات نے بھی حضرت بلالؓ کی آواز سن لی۔ پس وہ بھی اپنے گھروں سے روتی ہوئی باہر آگئیں۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ **فَلَمْ يَقْدِرُ عَلَيْهِ فَسَكَتَ مَغْشِيًّا عَلَيْهِ حُبًّا لِلنَّبِيِّ ﷺ** حضرت بلالؓ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے اور نبی اکرم ﷺ کی محبت کی وجہ سے غش کھا کر نیچے گر گئے۔ **وَ شَوْقًا عَلَيْهِ وَاشْتَدَّ عِنْدَ ذٰلِكَ بُكَاءُ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ** اور اہل مدینہ کے رونے دھونے کی آوازیں اتنی بلند ہوئیں۔ **مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ** وہ مہاجرین میں سے تھے یا انصار میں سے تھے۔ **حَتّٰى خَرَجَتِ الْعَوَائِقُ مِنْ خُدُوْرِهِنَّ شَوْقًا اِلَى النَّبِيِّ ﷺ** حتیٰ کہ گھروں میں بیٹھی ہوئی عورتیں بھی باہر نکلیں اور انہوں نے بھی رونا شروع کر دیا۔ سوچئے تو سہی کہ نبی اکرم ﷺ کی جدائی کے اندر ان کا اس وقت کیا حال ہوا ہوگا۔ **معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ یا اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی محبت میں اور جدائی میں رونا بھی عین عبادت ہے۔**

یہ رونا کیسا ہے؟

لیکن خشک بندے کو اس کا پتہ نہیں چلتا۔ یہ عاجز ایک مرتبہ مواجہہ شریف کے سامنے کھڑا تھا۔ ایک صاحب میرے ساتھ ہی خاموش کھڑے رو رہے تھے۔ ایک خشک بندہ اس کے قریب آکر کہنے لگا **مَا هٰذِهِ الْبُكٰى** یہ رونا کیسا ہے؟ افسوس کہ اس بیچارے کی سمجھ میں بھی نہیں آتا تھا کہ یہ رونا بھی کچھ ہوتا ہے۔

3. تلاوت کے وقت رونا

رونے کی تیسری قسم تلاوت قرآن مجید کے وقت رونے کی ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ تلاوت قرآن کے وقت جس آدمی کی آنکھوں میں سے آنسو نکل آتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کو واجب کر دیتے ہیں۔ اسی لئے حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے تھے کہ تلاوت قرآن کرتے ہوئے جب تم جہنم اور عذاب کی آیات پڑھو تو **فَاِنْ لَّمْ تَبْكُوْا فَتَبَاكَوْا** تمہیں رونا نہ آئے تو تم رونے والی شکل ہی بنا لیا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اس بہروپ کو ہی قبول فرمالیں گے۔

تلاوت کے وقت صحابہ کرامؓ کی حالت:

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ تلاوت قرآن کے وقت صحابہ کرامؓ کی حالت عجیب ہوتی تھی۔ **فَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ مَّنْ صَعِقَ** بہت سارے تو ان میں ایسے تھے کہ جو جھومتے تھے۔ **وَ مِنْهُمْ مَّنْ بَكٰى** ۔ بعض ایسے تھے جو روتے تھے۔ **وَمِنْهُمْ مَّنْ غُشِيَ عَلَيْهِ** بعض ایسے تھے جو بے ہوش ہو جاتے تھے۔ **وَ مِنْهُمْ مَّنْ مَّاتَ فِيْ غَشْيَتِهٖ** اور بعض ایسے تھے کہ اس بے ہوشی کے عالم میں ان کی جان جان آفرین کے سپرد ہو جایا کرتی تھی۔ تو قرآن پڑھنے اور سننے کے وقت رونا صحابہ کرامؓ کی سنت ہے۔

سیدنا صدیق اکبرؓ کے دل میں خشیت الٰہی :۔

جب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں ابو بکرؓ سے کہتا ہوں کہ وہ میری بیماری کی وجہ سے مسلمانوں کی نماز کا امام بنے اور سیدہ عائشہ سے پوچھا تو انہوں نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! اِنَّ اَبَا بَکْرٍ اِذَا قَامَ فِیْ مَقَامِكَ لَمْ یَسْمَعِ النَّاسُ مِنَ الْبُکٰی بے شک ابو بکرؓ کی حالت ایسی ہے کہ جب وہ آپ ﷺ کے مصلے پر کھڑے ہونگے تو وہ تلاوت کرتے ہوئے اتنا روئیں گے کہ نمازیوں کو ان کی تلاوت قرآن سمجھ ہی نہیں آئے گی۔ میں ان کی طبیعت کو جانتی ہوں۔ میں ان کی بیٹی ہوں۔

حضرت عمرؓ کے دل میں خشیت الٰہی :

حضرت عمرؓ کا حال یہ تھا کہ فجر کی نماز میں امام ہوتے تھے۔ سورۂ یوسف کی تلاوت کرتے ہوئے اتنا روتے کہ حضرت عبداللہ بن شداد فرماتے ہیں کہ وَ اَنَا فِیْ اٰخِرِ الصُّفُوْفِ میں صفوں کے آخر میں تھا یَقْرَءُ حضرت عمر پڑھ رہے تھے۔ اِنَّمَا اَشْکُوْا بَثِّیْ وَ حُزْنِیْ اِلَی اللّٰہِ۔ اور میں آخری صف میں کھڑا ان کے رونے کی آواز کو سن رہا تھا۔

امام شافعیؒ کے دل میں خشیت الٰہی :

امام شافعیؒ نے ایک مرتبہ آیت سنی هٰذَا یَوْمُ لَا یَنْطِقُوْنَ وَلَا یُؤْذَنُ لَهُمْ فَیَعْتَذِرُوْنَ اس آیت کا سننا تھا کہ غش کھا کر گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے۔

علی بن فضیلؒ کے دل میں خشیت الٰہی :

فضیل بن عیاضؒ کے بیٹے علی بن فضیلؒ کو مقام خوف نصیب تھا۔ جب قرآن پڑھا یا سنا کرتے تو عذاب کی آیتوں پر بے ہوش ہو جاتے تھے۔ چنانچہ دل میں تمنا کیا کرتے تھے کہ یا اللہ! کبھی مجھے بھی ایک ہی وقت میں پورا قرآن سننے کی توفیق عطا فرما کیونکہ د

تلاوت کرتے وقت تھوڑا سا پڑھتے اور جہاں ڈرانے کی بات آتی تو وہیں بے ہوش ہو جاتے تھے۔ان کے بارے میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ ان کے سامنے قاری صاحب نے پڑھا یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہ وہ ایسا دن ہوگا کہ انسان اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے ۔اس بات کو سنا اور اسی وقت بے ہوش ہو کر گر گئے۔اللہ اکبر

سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے دل میں خشیت الٰہی :

سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے ایک مرتبہ پوری رات یہ آیت پڑھتے ہوئے گزار دی

وَبَدَالَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ

حضرت شبلیؒ کے دل میں خشیت الٰہی :

ایک مرتبہ حضرت شبلیؒ نے یہ آیت سنی لَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْ اَوْحَیْنَا اِلَیْكَ امام تراویح پڑھا رہا تھا۔جب اس نے یہ آیت پڑھی تو حضرت شبلیؒ وہیں گر کر بے ہوش ہوگئے۔ہمیں کیا پتہ کہ قرآن سن کر عاشقوں کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔

ناز ہے گل کو نزاکت کا چمن میں اے ذوق!
اس نے دیکھے ہی نہیں نازو نزاکت والے

ہماری حالت زار :

آج یہاں بھی قرآن پڑھا جاتا ہے مگر معانی کا اتنا بھی پتہ نہیں ہوتا کہ قاری صاحب پڑھ رہے ہوتے ہیں اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنْتَقِمُوْنَ اور سننے والے اچھی آواز کی وجہ سے سبحان اللہ کہہ رہے ہوتے ہیں۔حالانکہ ان الفاظ کا ترجمہ ہے کہ ہم ان مجرموں سے خود انتقام لیں گے۔اور سننے والے بندے گناہوں کے پلندے سبحان اللہ کہہ رہے ہوتے ہیں۔معلوم ہوا کہ فقط قاری صاحب کی آواز کانوں تک پہنچ رہی ہوتی

ہے لیکن اس کی کیفیت اور معانی دل میں نہیں پہنچ رہے ہوتے۔

ایک علمی نکتہ :

ایک علمی نکتہ سمجھ لیجئے۔ آپ نے عام طور پر دیکھا ہوگا کہ جب لوگوں کے سامنے اشعار پڑھے جاتے ہیں تو ان کو بڑا رونا آتا ہے مگر قرآن پڑھا جائے تو رونا نہیں آتا۔ اس مرض میں عوام الناس بھی شامل ہیں اور کئی علماء بھی شامل ہیں۔ اب دل میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ سنئے اور دل کے کانوں سے سنئے۔ اشعار مخلوق کا کلام ہوتے ہیں اور قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ انسان کے دل میں جب مخلوق کا تعلق موجود ہوتا ہے تب اس کو اشعار سن کر رونا آتا ہے اور جب ماسوا کی گرفتاری سے نجات نصیب ہوتی ہے تب اسے قرآن سن کر رونا آتا ہے۔ یہ ہمارے دل کی کیفیت کی پہچان ہوتی ہے۔ اگر قرآن سن کر رونا نہیں آتا تو سمجھ لیں کہ ابھی محبت کا وہ مقام حاصل نہیں ہے جو ہونا چاہئے تھا بلکہ ابھی تک مخلوق کے تعلق سے جان نہیں چھوٹی، ابھی خالق کے ساتھ پوری طرح منتھی نہیں ہوئے، واصل نہیں ہوئے، دل کو غیر سے خالی نہیں کیا۔

لمحہ ء فکریہ

اہل علم کی پہچان :-

اب آپ کے سامنے دو آیتیں پیش کی جائیں گی۔ محفل سے اٹھ کر دو سجدے کر لینا۔ (اگر قارئین کرام بھی یہ آیات پڑھیں تو وہ بھی سجدے کریں) فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِہٖ بے شک وہ لوگ جن کو پہلے علم عطا کیا گیا اِذَا یُتْلٰی عَلَیْھِمْ جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے۔ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا تو وہ اپنے کانوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ وَیَقُوْلُوْنَ اور کہا کرتے تھے سُبْحَانَ رَبِّنَا

اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا وَ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وہ قرآن سنتے تھے اور سجدے میں گر پڑتے تھے۔ مگر حالت کیا ہوتی تھی؟ يَبْكُوْنَ وہ رو رہے ہوتے تھے۔ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا اور ان کے دلوں کے اندر خشوع بڑھ جایا کرتا تھا۔ سبحان اللہ، اللہ تعالیٰ نے اہل علم کی پہچان بتادی ہے کہ وہ قرآن سنتے تھے اور روتے تھے۔

الفاظ اور حروف کا علم :

اس محفل میں اس عاجز کے اندازے کے مطابق سو سے زیادہ عالم بیٹھے ہوں گے۔ کوئی ایک آدمی کھڑا ہو کر بتا سکتا ہے کہ میں نے قرآن سنا اور سن کر مجھ پر اتنا گریہ طاری ہوا کہ میں روتے ہوئے گر پڑا۔ معلوم ہوا کہ ہمارا علم فقط الفاظ اور حروف کا علم ہے۔ اس سے ایک قدم آگے بڑھائیے اور احوال و کیفیات کو بھی حاصل کر لیجئے۔ ہمارے سلف صالحین کے اندر علم الفاظ اور حروف کی شکل میں بھی ہوتا تھا اور احوال و کیفیات کی شکل میں بھی۔

جسموں پر نشان :-

چلیں عوام الناس کو چھوڑ دیجئے۔ ہم اہل علم کی بات کرتے ہیں جنہوں نے دس پندرہ سال تک علم پڑھا اور پڑھایا کہ ان کے ٹخنوں، گھٹنوں اور سرینوں پر نشان پڑ گئے۔ اب وہ ایک قدم اور بھی آگے بڑھائیں کہ علم پر عمل میں کوئی کسر نہ چھوڑیں۔ نشانوں کی کیا بات ہے، کیا جانوروں کے جسم پر نشان نہیں ہوتے؟ کبھی گدھے اور گھوڑے کو دیکھا کریں، بیٹھ بیٹھ کر ان کے ٹخنوں اور گھٹنوں پر بھی نشان پڑ جاتے ہیں۔ تو فقط نشان کی بات نہیں، اب ایک قدم اور آگے بڑھنا ہے، ہمیں قرآن کے ایک ایک لفظ پر عمل کرنا ہے۔

رونے کی توفیق کب ملے گی؟

ایک دوسری آیت آپ کے سامنے پڑھی جاتی ہے۔ ہم سب مل کر سوچیں کہ کیا
ہم نے پوری زندگی میں اس آیت پر عمل کیا یا **ابھی تک عمل** نہیں کر پائے۔ اگر ابھی
تک عمل نہیں کر پائے تو پھر عمل کرنے کا وقت کب آئے گا...... اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں
وَ مِمَّنْ هَدَيْنَا وَ اجْتَبَيْنَا اور ان لوگوں میں سے جن کو ہم نے ہدایت دی اور جن کو
ہم نے اپنے لئے چن لیا۔ یہ بات ہو رہی ہے ان بندوں کی جن کو پروردگار ہدایت دے
کر اپنے دین کے کام کے لئے قبول کر لیتے ہیں، جن کی زندگیاں منبر و محراب کے لئے
وقف ہو جاتی ہیں، جو لوگ انبیاءؑ کے نائب اور ان کے وارث کہے جاتے ہیں ان کی
صفت ارشاد فرمائی **اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُ الرَّحْمٰنِ** جب ان کے سامنے رحمٰن کی
آیات پڑھی جاتی ہیں تو **خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُكِيًّا** وہ سجدہ کر دیتے ہیں روتے ہوئے۔

اب بتائیے کہ آپ نے اپنی پوری زندگی میں تراویح میں اس آیت کو درجنوں
مرتبہ سنا ہوگا مگر ہر مرتبہ پوری کی پوری مسجد کے لوگ اس آیت کو سن کر **خَرُّوْا
سُجَّدًا** پر تو عمل کرتے ہیں لیکن پوری مسجد میں کوئی بھی ایسا نہیں ہوتا جو **بُكِيًّا** پر
عمل کرنے والا ہو۔ وہ وقت کب آئے گا جب ہم ایک قدم اور آگے بڑھیں گے۔ اور
دل کی کیفیت ایسی بنے گی کہ جب ہم ان آیتوں کو پڑھیں گے تو ساتھ ہی آنکھوں سے
ساون بھادوں کی برسات شروع ہو جائے گی۔ سلف صالحین اس آیت کو تراویح میں
سنتے تھے تو جسم تو سجدے میں جاتے تھے مگر دل میں خشیت کی وجہ سے سجدے میں
آنسو آیا کرتے تھے۔ ہم نے کبھی تنہائی میں بیٹھ کر سوچا ہے کہ ہمیں رونا کیوں نہیں آتا
کیا ساری زندگی قرآن کی تفسیر اور حدیث پڑھا کر **وَّ بُكِيًّا** کے لفظ پر عمل کئے بغیر ہی
مر جائیں گے، رونے کی توفیق اللہ تعالیٰ سے کب پائیں گے......؟

محترم جماعت! رونے کی توفیق ملتی ہے مگر سوالی کو۔ پیٹ بھرنے سے نہیں ملتی، یہ خالی پیٹ رہ کر ملا کرتی ہے، یہ اخبار پڑھنے سے نہیں ملتی یہ قرآن پڑھنے سے ملا کرتی ہے، یہ فقط تنقید کرنے سے نہیں ملتی یہ سنت کی پیروی کرنے سے ملا کرتی ہے۔ اس لئے ہم اپنے دل کی کیفیت کو دیکھیں کہ آج ہمارے دل کی حالت کیا ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ بھری مسجد کے نمازی سجدہ کرتے ہیں مگر رونے کی توفیق نہیں ملتی۔ کاش کہ اللہ رب العزت ہمیں اپنے سامنے رونے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہم سجدہ بھی کرتے اور روتے بھی تاکہ قرآن کی اس آیت پر بھی ہمارا عمل ہو جاتا۔

ہماری غفلت کا نتیجہ :-

ہماری اس حالت زار کو دیکھ کر رب کریم کو بھی فرمانا پڑا وَ تَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ تم ہنستے تو ہو اور روتے نہیں۔ وجہ کیا ہے؟ وَ اَنْتُمْ سَامِدُوْنَ اس لئے کہ تم غافل ہو۔ تو معلوم ہوا کہ جب غفلت نکل جاتی ہے تو پھر ہنسنا کم ہو جاتا ہے اور انسان کا رونا زیادہ ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید سے گواہی :-

قرآن پاک سے گواہی مانگئے۔ وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا اللہ تعالیٰ کے قرآن سے بڑا گواہ کون ہے؟ قرآن صحابہ کرامؓ کی حالت بتاتے ہوئے کہتا ہے کہ

وَ اِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ . وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَاءَ نَا مِنَ الْحَقِّ وَ نَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ .

جو یوں گڑگڑا کر مانگتے تھے تو پروردگار فرماتے ہیں فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جو

مانگتے تھے اللہ تعالیٰ انہیں عطا فرما دیتے تھے اور اس کو پورا کر دیا کرتے تھے۔ سبحان اللہ

سب سے بڑی مصیبت :-

فتح الباری شرح بخاری میں لکھا ہے کہ یَسْتَحِبُّ الْبُکٰی مَعَ الْقِرأۃِ جب انسان قرآن مجید پڑھے تو اچھا ہے کہ وہ روئے وَ طَرِیْقُ تَحْصِیْلِہٖ اور اس کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اَنْ یَحْضُرَ قَلْبَہُ الْحُزْنَ وہ اپنے دل میں غم کو حاضر کرے وَ الْخَوْفَ اور اللہ تعالیٰ کے خوف کو حاضر کرے۔ اس کے باوجود بھی اگر رونا نہ آئے تو فَاِنَّہٗ مِنْ اَعْظَمِ الْمَصَائِبِ تو یہ سب سے بڑی مصیبت ہے جو اس بندے کے سر پر آپڑی ہے۔

4. گناہوں کو یاد کر کے رونا

رونے کی چوتھی قسم گناہوں کو یاد کر کے رونا ہے۔ جب انسان نادم اور شرمندہ ہو کر روتا ہے تو یہ رونا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت مقبول ہوتا ہے۔ اس لئے یہ بھی عبادت ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے مَن تَذَکَّرَ خَطَایَاہُ جس نے اپنی کوتاہیوں، غلطیوں اور گناہوں کو یاد کیا بَکٰی عَیْنَاہُ اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے رَضِیَ اللّٰہُ مِنْہُ الْاِلٰہُ اس سے اس کا معبود راضی ہو جاتا ہے۔ ایک اور حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب کوئی انسان گناہوں کو یاد کر کے روتا ہے تو اس کے اوپر جتنے بال ہوتے ہیں اتنے توبہ کرنے والوں کا ثواب اللہ تعالیٰ اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دیتے ہیں۔

انبیائے کرام کا رونا :

سیدنا آدمؑ اپنی بھول اور نسیان کے بعد تین سو سال تک روتے رہے۔ حضرت داؤدؑ چالیس سال تک روتے رہے۔ آپ کہیں گے کہ یہ تو انبیائے کرام کی باتیں ہیں۔ اب

اس امت کے اکابرین کا حال بھی سن لو۔

حضرت حسن بصریؒ کا رونا :

حسن بصریؒ اتنا روتے تھے کہ رونے کی کثرت کی وجہ سے ان کے آنسوؤں کا پانی زمین پر بہہ پڑتا تھا۔ یہ رونا خشیت الٰہی کی وجہ سے تھا، اپنے اتنے اچھے اعمال ہونے کے باوجود بھی روتے تھے۔

رابعہ بصریہؒ کا رونا :

رابعہ بصریہؒ روتی تھیں اور اپنے آنسوؤں کو زمین پر چھڑکتی رہتی تھیں۔ ان کے آنسوؤں کا اتنا پانی ہوتا تھا کہ اس جگہ کے اوپر گھاس اگ آیا کرتی تھی۔

حضرت عمرؓ کا رونا :

سیدنا عمرؓ اتنے کثیر البکاء تھے کہ آپ کی آنکھوں سے بکثرت آنسوؤں کے گرنے کی وجہ سے آپ کے رخساروں پر آنسوؤں کے نشان بن گئے تھے۔ آنسوؤں کی لڑی کے نشان اور لائنیں بن گئی تھیں۔

آخرت کی شرمندگی :

جو انسان اپنے گناہوں پر دنیا میں شرمندہ نہیں ہوگا اسے اپنے گناہ کی وجہ سے آخرت میں شرمندہ ہونا پڑے گا۔ لہٰذا جب گنہگار لوگ قیامت کے دن کھڑے کئے جائیں گے تو ان کی آنکھیں شرم کی وجہ سے جھکی ہوئی ہوں گی۔ قرآن سے پوچھئے کہ ان کا حال کیا ہوگا۔ فرمایا **وَلَوْ تَرٰی اِذِا لْمُجْرِمُوْنَ نَاکِسُوْا رَءُ وْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ** اور یاد کرو اس وقت کو جب مجرم لوگ اپنے رب کے سامنے اس حال میں کھڑے ہوں گے کہ ان کی گردنیں شرم کے مارے جھکی ہوئی ہوں گی اور ان کی آنکھیں اوپر نہیں اٹھتی ہوں گی۔ وہ اپنے پروردگار کو چہرہ نہیں دکھا سکیں گے۔ تو یاد

رکھے کہ یا تو دنیا میں ہی ان گناہوں پر شرمندہ ہولیں، یہ آسان کام ہے، وگرنہ قیامت کے دن تو شرمندہ ہونا ہی پڑے گا۔ تاہم پروردگارِ عالم بھی بڑے کریم ہیں کہ جب کوئی بندہ اپنے گناہوں پر رو پڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کی آگ سے بری فرما دیتے ہیں۔

محترم جماعت! آج بندوں کے سامنے روئیں گے مگر کل پروردگار کے سامنے رونا پڑے گا۔ کل نبی اکرم ﷺ کے سامنے شرمندہ ہو کر رونا پڑے گا۔ آقا ﷺ کے سامنے گناہ کھولے جائیں گے تو سوچیں کہ کیا منہ دکھائیں گے۔ نبی اکرم ﷺ کیا کہیں گے کہ میری امت نے میرے تہجد کے آنسوؤں کی قدر نہ کی، میں ان کی مغفرت کے لئے رات کو تہجد میں روتا تھا، میرے بعد میں آنے والے یہ کیسے نام لیوا تھے، یہ کیسے میرے راستے پر چلنے والے تھے جو گناہ بھی کرتے تھے اور شرمندہ بھی نہ ہوتے تھے۔ اللہ رب العزت ہمیں قیامت کی شرمندگی سے محفوظ فرمادے۔ (آمین)

رونے کی فضیلت:

ابن ماجہ شریف کی ایک حدیث ہے **مَا مِنْ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ يَخْرُجُ مِنْ عَيْنَيْهِ دُمُوْعٌ وَاِنْ كَانَ مِثْلُ رَأْسِ الذُّبَابِ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ثُمَّ يُصِيْبُ شَيْئًا مِنْ حَرِّ وَجْهِهٖ اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ** جب کوئی آدمی خشیت الٰہی کی وجہ سے روتا ہے اور اس کی آنکھ سے مکھی کے سر کے برابر بھی آنسو نکل آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس آنسو کی وجہ سے اس پر جہنم کی آگ حرام کر دیتے ہیں۔

دو پسندیدہ قطرے:

ترمذی شریف کی روایت ہے کہ **لَيْسَ شَيْءٌ اَحَبَّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ قَطْرَتَيْنِ** اللہ تعالیٰ کو دو قطروں سے زیادہ پسندیدہ کوئی بھی چیز نہیں ہے۔ **قَطْرَةُ دُمُوْعٍ مِنْ**

خَشْيَةِ اللّٰهِ ایک تو آنسو کا وہ قطرہ جو اللہ کی خشیت کی وجہ سے بہہ پڑے۔ اور دوسرا قَطْرَةُ دَمٍ تَهْرَاقُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ خون کا وہ قطرہ جو مجاہد کے جسم سے جہاد کی حالت میں گرتا ہے۔

رب کریم ! آپ کتنے مہربان اور کریم ہیں کہ ایک گنہگار کی آنکھوں سے آنسو کا قطرہ نکل رہا ہے، آپ اس کو اور شہید کے جسم سے نکلنے والے خون کے قطرے کو برابر بیان فرما رہے ہیں۔ اے اللہ ! آپ نے گنہگار کو کتنی عظمت دی۔ اے اللہ ! آپ کی رحمت کتنی وسیع ہے، قربان جائیں آپ کی رحیمی پر، قربان جائیں آپ کی ستاری پر۔ رب کریم ! آپ قبول کرنے پر آجائیں تو معمولی بہانے پر زندگی کی غلطیوں کو نیکیوں میں تبدیل فرما دیں اور اگر آپ بے نیازی کا مظاہرہ فرما دیں تو انسانوں کی عبادتیں تیری جناب کے لائق نہیں۔ تیری شان بلند ہے، تو اتنی عظمتوں والا ہے کہ ہم تیری شان کے مطابق تیری عبادت نہیں کر سکتے۔ رب کریم ! یہ نیکیوں کے، نمازوں کے اور ذکر مراقبہ کے پھولوں کا گلدستہ ہم نے آپ کی خدمت کے لئے تیار کیا ہے، اے اللہ ! اگر تو قبول کر لے تو یہ تیرا فضل ہو گا اور اگر تو قبول نہ کرے گا تو یہ تیرا عدل ہو گا مگر ہم آپ سے آپ کا فضل مانگتے ہیں۔ ہم پر مہربانی فرما دیجئے۔

پلکوں کے بال کی گواہی :

محترم جماعت ! قیامت کے دن ایک آدمی اپنے گناہوں پر نادم ہو گا مگر اس کی شفاعت کرنے والا کوئی نہیں ہو گا۔ پھر اس آدمی کی پلکوں کا ایک بال گواہی دے گا۔ حدیث پاک میں آیا ہے فَتَشْهَدُ تِلْكَ الشَّعْرُ پلکوں کا وہ بال اس بندے کے لئے گواہی دے گا کہ اِنَّهُ قَدْ بَكٰى فِي الدُّنْيَا مِنْ خَوْفِ رَبِّهٖ اے اللہ ! یہ بندہ دنیا میں آپ کے خوف کی وجہ سے رویا تھا فَيُغْفَرُ لَهُ وَ يُنَادِيْ مُنَادٍ اس کی بخشش کر دی جائے گی

اور ایک اعلان کرنے والا فرشتہ یہ اعلان کرے گا کہ اے لوگو! هٰذَا عَتِيْقُ اللّٰهِ تَعَالٰى بِشَعْرِهٖ یہ وہ بندہ ہے جس کی پلکوں کے بال کی گواہی کو قبول کر کے اللہ تعالیٰ نے اسے جہنم کی آگ سے بری فرما دیا۔ سبحان اللہ

5. اللہ تعالیٰ کے اشتیاق میں رونا

پانچویں قسم کا رونا اللہ تعالیٰ کے اشتیاق میں رونا ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو یہ رونا نصیب ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے مَنْ بَكٰى فِيْ اِشْتِيَاقِ الْمَوْلٰى فَلَهٗ جَنَّةُ الْمَاْوٰى جو آدمی اللہ تعالیٰ کے اشتیاق میں روتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جنت الماوی عطا فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات بہت ہی پسند ہے کہ کوئی اس کی محبت میں روئے۔

حضرت شعیبؑ کا اشتیاق الٰہی میں رونا :

حدیث پاک میں آیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت شعیب علیہ السلام روئے۔ فَقَالَ اللّٰهُ لَهٗ مَا هٰذَا الْبُكٰى اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا، اے شعیبؑ! آپ کا یہ رونا کیسا؟ اَشَوْقًا اِلَى الْجَنَّةِ اَمْ خَوْفًا مِنَ النَّارِ کیا جنت کے شوق کی وجہ سے ہے یا جہنم کے خوف کی وجہ سے ہے فَقَالَ لَا يَارَبِّ عرض کیا، اے پروردگار! ایسا تو نہیں۔ گویا نہ جنت کے شوق میں اور نہ جہنم کے خوف سے میں رو رہا ہوں وَلٰكِنْ شَوْقًا اِلٰى لِقَائِكَ میں تو آپ کی ملاقات کے شوق میں رو رہا ہوں۔ فَاَوْحَى اللّٰهُ اِلَيْهِ اللہ رب العزت نے ان کی طرف وحی نازل فرمائی اَنْ يَّكُنْ ذٰلِكَ هَنِيْئًا لَكَ لِقَائِيْ يَا شُعَيْبُ لِذٰلِكَ اے شعیب! آپ کو مبارک ہو کہ اس رونے کی وجہ سے آپ کو میری

ملاقات نصیب ہوگی۔ سبحان اللہ

حضور اکرم ﷺ کا اشتیاق الٰہی میں رونا :

سیدنا عمرؓ کی صاحبزادی اور امت کی ماں سیدہ حفصہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ تشریف لائے اور بستر پر آرام فرمانے لگے۔ میرے بھائی عبداللہ ابن عمرؓ صحن میں بیٹھ کر قرآن مجید پڑھ رہے تھے۔ فرماتی ہیں کہ میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ بستر پر آرام کر رہی تھی۔ اچانک حضرت عبداللہؓ نے آیت پڑھی۔ كَلَّا اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ مجرم لوگ قیامت کے دن اس طرح کھڑے ہوں گے کہ ان کے پروردگار کے درمیان حجاب (پردہ) ہوگا۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ آیت سنی تو آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ سیدہ حفصہؓ فرماتی ہیں کہ مجھے اپنے رخسار پر نبی اکرم ﷺ کے آنسو گرتے ہوئے محسوس ہوئے تو میں حیران ہوئی۔ میں نبی اکرم ﷺ کے چہرے مبارک کی طرف دیکھنے لگی۔ میں نے پوچھا، آقا! آپ کو کوئی تکلیف ہو رہی ہے؟ فرمایا، نہیں۔ میں نے عرض کیا، اے اللہ کے محبوب ﷺ! آپ جنت کے شوق میں رو رہے ہیں؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، نہیں۔ تو میں نے پوچھا، اے محبوب ﷺ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ نبی اکرم ﷺ نے روتے ہوئے فرمایا، اَنَا مُشْتَاقٌ وَ بِیْ اِشْتِيَاقٌ میں تو مشتاق ہوں، اللہ کا عاشق ہوں اور اس کے عشق و محبت میں رو رہا ہوں۔ آپ نے دو مرتبہ یہ الفاظ دوہرائے۔ آج ہم اتباع سنت کی باتیں کرتے ہیں کاش! ہمیں اللہ کے محبوب ﷺ کی اس سنت پر بھی عمل نصیب ہو جائے۔

ساری چمک دمک تو انہی موتیوں سے ہے
آنسو نہ ہو تو عشق میں کچھ آبرو نہیں ہے

6. شکر کی وجہ سے رونا

چھٹی اور آخری قسم کا رونا شکر کی وجہ سے رونا ہے۔ نعمت ملے تو رب کریم کے احسانات اور منعم حقیقی کی نعمتوں کو یاد کر کے اظہار تشکر میں بے اختیار آنسو نکل آتے ہیں۔ اس کو شکر کی وجہ سے رونا کہتے ہیں۔

اظہار تشکر میں نبی اکرم ﷺ کا رونا :

نبی اکرم ﷺ اظہار تشکر کے لئے بھی روتے تھے۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے حجرے میں تہجد کی نماز ادا فرمائی۔ فَبَکٰی پھر آپ ﷺ روئے حتی کہ آپ ﷺ کے آنسو آپ ﷺ کے سینہ مبارک پر گرے ثُمَّ رَکَعَ فَبَکٰی پھر آپ ﷺ نے رکوع کیا اور پھر بھی روئے۔ ثُمَّ سَجَدَ فَبَکٰی پھر آپ ﷺ سجدے میں گئے تو سجدے میں بھی روئے۔ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ فَبَکٰی پھر آپ ﷺ نے سجدے سے سر اٹھایا اور پھر آپ ﷺ روئے۔ حتی کہ جب آپ ﷺ نے اسی طرح نماز مکمل کر لی تو سیدہ عائشہؓ نے پوچھا، اے اللہ کے نبی ﷺ! مَا یُبْکِیْکَ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ وَ قَدْ غَفَرَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَأَخَّرَ اللہ تعالیٰ نے تو آپ ﷺ کے اگلے پچھلے گناہوں کو معاف کر دیا ہے۔ یہ سن کر نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، عائشہ! اگر پروردگار نے مجھ پر اتنا احسان فرمایا ہے کہ اس نے میرے اگلے پچھلے تمام گناہوں کو معاف کر دیا ہے تو اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا کیا میں اپنے پروردگار کا شکر گزار بندہ نہ ہوں۔

امام غزالیؒ کے ملفوظات :

امام غزالیؒ فرماتے ہیں هَذَا يَدُلُّ عَلَى اَنَّ الْبُكٰى يَنْبَغِيْ اَنْ لَّا يَنْقَطِعَ اَبَدًا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بندے کا رونا کبھی بھی منقطع نہیں ہو سکتا۔ ہر حال میں روئے گا، جب نعمت نہیں ملے گی تو نعمت مانگنے کے لئے روئے گا اور جب نعمت ملے گی تو شکر کی وجہ سے روئے گا۔ چنانچہ آپ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے قَلْبُ الْعَبْدِ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةٍ بندے کا دل پتھر کی مانند ہے یا اس سے بھی زیادہ سخت ہے۔ لَا تَزَالُ قَسْوَةٌ اِلَّا بِالْبُكٰى فِيْ حَالِ الْخَوْفِ وَالشُّكْرِ جَمِيْعًا چاہے خوف کا حال ہو یا شکر کا حال ہو دونوں حالتوں میں جب تک نہ روئے اس بندے کے دل کی سختی دور نہیں ہو سکتی۔

دل کی سختی :

انسان کے دل کی مثال زمین کی مانند ہے۔ جس زمین کو بیکار چھوڑ دیا جائے اور محنت نہ کی جائے تو کچھ عرصہ بعد وہ زمین سخت ہو جاتی ہے اور کاشت کے قابل نہیں رہتی۔ اسی طرح جب کوئی انسان اپنے دل پر محنت نہ کرے اور دل کی زمین کو ایک عرصہ تک خالی چھوڑے رکھے تو یہ بھی بنجر ہو جاتی ہے، یہ بھی سخت ہو جاتی ہے، اس میں بھی پھر نیکی کے پھول پودے نہیں اگتے۔ قرآن پاک سے اس کی دلیل ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے بارے میں فرماتے ہیں فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ ان پر غفلت کی ایک طویل مدت گزر گئی۔ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ان کے دلوں کو سخت کر دیا گیا۔

دل کی سختی کو دور کرنے کا طریقہ :

محترم جماعت! آپ میں سے بعض لوگ آکر بتاتے ہیں کہ ہمارے دل سخت ہو چکے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہم تنہائیوں میں بیٹھ کر روتے نہیں۔ اگر ہمیں اللہ

تعالیٰ کے عشق میں رونا آئے، قرآن سن کر رونا آئے، اپنے گناہوں کو یاد کر کے رونا آئے تو اس رونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ دلوں کی سختی کو دور کر دیا کرتے ہیں۔ یاد رکھئے کہ پتھر کتنا سخت ہوتا ہے۔ اس کے اوپر پانی کا ایک ایک قطرہ گرتا رہے تو پانی کا وہ قطرہ اس پتھر میں راستہ بنا لیتا ہے۔ بالکل اسی طرح مومن جب اپنے گناہوں کو یاد کر کے روتا ہے تو اس کے آنسوؤں کا پانی اس کے دل کے پتھر میں بھی راستہ بنا لیا کرتا ہے...... یہی سیکھنے کے لئے تو خانقاہوں میں آنا ہوتا ہے، اللہ والوں کی محفل میں آنا ہوتا ہے۔ یہ دل کاروبار میں لگنے سے نرم نہیں ہوتے، گھر میں بیٹھنے سے نرم نہیں ہوتے، یہ من پسند کھانا کھانے سے نرم نہیں ہوتے، یہ آرام کی نیند سونے سے نرم نہیں ہوتے، یہ چین کی بنسی بجانے سے نرم نہیں ہوتے، بلکہ یہ خشیت الٰہی کی وجہ سے رونے سے نرم ہوتے ہیں۔

ایک پتھر کا رونا:

ایک بزرگ کسی راستے پر جا رہے تھے۔ انہوں نے ایک پتھر کو روتے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے پتھر سے پوچھا، تم کیوں رو رہے ہو؟ وہ کہنے لگا، میں نے کسی قاری صاحب کو پڑھتے ہوئے سنا ہے "وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ" کہ انسان اور پتھر جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ جب سے میں نے سنا ہے میں رو رہا ہوں کہ کیا پتہ کہ مجھے بھی جہنم کا ایندھن بنا کر جلا دیا جائے۔ ان بزرگوں کو اس پر بڑا ترس آیا۔ چنانچہ انہوں نے کھڑے ہو کر دعا مانگی، اے اللہ! اس پتھر کو جہنم کا ایندھن نہ بنانا، جہنم کی آگ سے معاف اور بری فرما دینا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمالی۔ وہ بزرگ آگے چلے گئے۔ کچھ دنوں کے بعد واپس اسی راستے پر گزرنے لگے تو دیکھا کہ وہ پتھر پھر رو رہا ہے۔ وہ پھر کھڑے ہو گئے۔ پتھر سے ہمکلام ہوئے تو پھر پتھر سے پوچھا کہ اب کیوں رو رہا ہے؟

تو پتھر نے جواب دیا کہ ذٰلِكَ بُكَاءُ الْخَوْفِ اے اللہ کے بندے! جب آپ پہلے آئے تھے تو اس وقت کا رونا تو خوف کا رونا تھا'' وَ هٰذَا بُكَاءُ الشُّكْرِ وَ السُّرُوْرِ'' اور اب میں شکر اور سرور کی وجہ سے رو رہا ہوں کہ میرے پروردگار نے مجھے جہنم کی آگ سے معافی عطا فرمادی ہے...... جیسے بچے کا رزلٹ اچھا نکلے تو خوشی کی وجہ سے آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں اسی طرح اللہ کے نیک بندوں کو جب اس کی معرفت ملتی ہے، جب سینوں میں نور آتا ہے، سکینہ نازل ہوتی ہے اور رب کریم کی رحمت اور برکت نازل ہوتی ہے تو اللہ کے کامل بندے پھر اللہ کے شکر سے رویا کرتے ہیں۔

عاشق کی زندگی میں رونے کی فضیلت:

یہی وجہ ہے کہ سالک کی زندگی میں رونا کبھی ختم نہیں ہوتا۔ مبتدی ہو یا منتہی ہو ہر حال میں اسے رونا ہوگا۔ سلوک یہی ہے کہ انسان عبادت کرنے پر بھی روئے اور گناہوں کی معافی مانگ کر بھی روئے۔ کسی نے کیا ہی اچھا کہا ہے۔

عاشق دا کم رونا دھونا تے بن رون نئیں منظوری
دل رووے چاہے اکھیاں رودن تے وچ عشق دے رون ضروری
کئی تے رودن دید دی خاطر تے کئی روندے وچ حضوری
عظمٰ عشق وچ رونا پیندا چاہے وصل ہووے چاہے دوری

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی ایسی محبت عطا فرمادے اور ایسا عشق عطا فرمادے جو ہمارے دلوں کو موم کردے۔ (آمین)

آج آنسو بہالو...... ورنہ!!!

محترم جماعت! یہ آنکھیں کیسی ہیں کہ ان کے اندر سے پروردگار کی محبت میں، پروردگار کے عشق میں، پروردگار کے شوق میں اور اپنے گناہوں پر ندامت کی وجہ

سے آنسو نہیں نکلتے۔ پھر ان آنکھوں کا کیا فائدہ ؟ آج اس چشم سے آنسو بہا لیجئے۔ ایک ایک آنسو جہنم کی آگ سے بچنے کا سبب بن جائے گا۔ ورنہ جب جہنمیوں کو جہنم میں ڈالیں گے تو روایات میں آتا ہے کہ وہ ایک ہزار سال تک روتے رہیں گے۔ حتی کہ ان کے آنسو پانی کے دریا کی مانند بہنے لگ جائیں گے مگر پروردگار کو ان پر ترس نہیں آئے گا۔ کل اتنا روئیں گے تو ترس نہیں آئے گا مگر آج مکھی کے سر کے برابر آنسو ہمارے گناہوں کو مٹا سکتا ہے۔

مجمع میں کون ہے جو دم مارے کہ میرے گناہ کوئی نہیں۔ ہم سب گنہگار ہیں، خطا کار ہیں، کبھی یہ گناہ کیا کبھی وہ گناہ کیا۔ جب ہم خطا کار ہی ہیں تو ہمیں اپنے پروردگار کے حضور پھر معافی مانگنی چاہیے۔

ساری محفل کے گنہگاروں کی بخشش :

بیہقی شریف کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ وعظ فرمایا۔ آپ ﷺ کا وعظ سن کر ایک صحابی رو پڑے۔ ان کے رونے کی آواز بلند ہو گئی۔ آپ ﷺ نے اس کے رونے کی آواز سنی تو فرمایا کہ اس گنہگار کا رونا اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند آیا ہے کہ آج اس محفل میں جتنے لوگ موجود ہیں اللہ تعالیٰ نے سب کی بخشش فرما دی ہے۔

آج ہی بخشش کروالیں :

محترم جماعت ! آج گناہوں کی بخشش کروا لیجئے تاکہ پروردگار سے حساب بے باق ہو۔ معافی مانگ لیجئے، اللہ رب العزت کے حضور گر جایئے، سجدے کیجئے۔ معلوم نہیں کہ زندگی کا کیا بھروسہ کہ آج ہے کل نہیں ہو گی۔ یہ سورج غروب ہو چکا پتہ نہیں کہ طلوع ہو گا یا نہیں ہو گا۔ ہمیں کیا معلوم ہے کہ کل پروردگار کا ہمارے ساتھ کیا معاملہ

ہو۔ اپنی عبادات پر بھروسہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، اپنے ذکر و مراقبہ پر اعتماد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جو کرتے ہیں یا نہیں کرتے سب اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں اور پروردگار کے سامنے روئیں اور اللہ تعالیٰ سے طلب کریں کہ رب کریم! ہم آپ کے بندے جہنم کا ایندھن بننے کے قابل ہیں مگر میرے مولا! آپ بھی تو عطا کرنے والے ہیں۔ اللہ سے مانگئے کہ

کیف ادعوك وانا اثم

وکیف لا ادعوك وانت کریم

اے اللہ! میں تجھ سے کیسے دعا مانگوں کیونکہ میں بہت گنہگار ہوں، اور اے اللہ! میں تجھ سے کیسے دعا نہ مانگوں جب تو اتنا کریم ہے...... یقیناً جب ہم اپنے گناہوں کو دیکھتے ہیں تو دل کہتا ہے کَیْفَ اَدْعُوْكَ وَاَنَا آثِمٌ کہ میں کیسے دعا مانگوں میں تو گنہگار ہوں، لیکن جب رب کریم کی رحمت کو دیکھتے ہیں تو پھر دل کہتا ہے کَیْفَ لَا اَدْعُوْكَ وَ اَنْتَ کَرِیْمٌ اے اللہ! میں کیسے نہ دعا مانگوں، آپ تو اتنے کریم ہیں۔

اعتراف جرم :-

رب کریم! ہماری عبادتوں کو نہ دیکھنا، اپنے فضل و کرم کا معاملہ فرما دینا۔

عدل کریں تے کنبدے جاون اچیاں شاناں والے

فضل کریں تے بخشے جاون میں جئے وی منہ کالے

اے اللہ! اگر آپ نے عدل کیا تو ہم ڈوب جائیں گے، ہم شرمندہ ہو جائیں گے، ہم ذلیل و خوار ہو جائیں گے، ہم چہرہ دکھانے کے قابل نہیں ہیں۔ ہم تو تجھ سے تیرے فضل کا سوال کرتے ہیں۔

رحمت الٰہی کو متوجہ کرنے والی دعا :-

میرے دوستو! ہم نیکوں میں سے نہیں ہیں مگر نیکوں کے ساتھ تو ہونا چاہتے ہیں۔اس لئے رب کریم سے مانگا کیجئے کہ

احب الصالحین و لست منہم
لعل اللہ یرزقنی صلاحا

اے اللہ! میں نیک تو نہیں ہوں مگر نیکوں کے ساتھ میں اپنا حشر چاہتا ہوں۔ جب ہم اپنے پروردگار سے یوں مانگیں گے تو کیا بعید ہے کہ اللہ رب العزت ہم پر مہربانی فرمادے اور ہمارے ان دو آنسوؤں کو قبول فرما کر ہماری زندگی کے گناہوں کو معاف فرمادے اور آئندہ زندگی ہمیں نیکوکاری اور پرہیزگاری پر گزارنے کی توفیق عطا فرمادے، کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی زندگی عطا کردے جو ہماری گزری ہوئی زندگی کا کفارہ بن جائے، کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سمندر جوش میں آئے اور ہمارے گناہوں پر پانی بہادیا جائے، بلکہ ان گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیا جائے۔ الٰہی! آپ تو اتنے عطا کرنے والے ہیں کہ اگر ایک بدکار عورت کسی کتے کو پانی پلاتی ہے تو زندگی کے گناہوں کو دھو دیا جاتا ہے، الٰہی! ہمارے حال پر بھی رحم فرمادیجئے اور ہمارے گناہوں کو معاف فرما کر ہمیں بھی اپنے مقربین میں شامل فرمالیجئے۔(آمین ثم آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

شب برأت کی فضیلت

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا . وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِى مَقَامٍ آخَرْ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيْشَتَهُمْ . وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِى مَقَامٍ اٰخَرْ وَ اِنْ مِّنْ شَىْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَعْلُوْمٍ . سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ٥ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥

قدرت الٰہی کے مناظر

انسان اللہ رب العزت کی تخلیق کا شاہکار ہے۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِىٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ کے مصداق انسان اشرف المخلوقات ہے۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىٓ اٰدَمَ کا حکم دے کر پروردگار نے اسے فضیلت بخشی۔ اس کیلئے زمین و آسمان کے درمیان محل سجادیا۔ زمین کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ

الْمَاهِدُوْنَ۔ زمین کو اللہ تعالیٰ نے فرش کی مانند بنایا۔ آسمان کے بارے میں فرمایاو
جَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَحْفُوْظًااور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنا دیا پھر اس
چھت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو خوبصورت نظر آنے کے لئے سجا دیا۔ ارشاد
فرمایا، وَلَقَدْ زَيَّنَاالسَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَ جَعَلْنٰهَا رَجُوْمًا لِلشَّيٰطِيْنِ ۔
اللہ تعالیٰ نے ستاروں کی قندیلیں (شمعیں) آسمان کے اوپر روشن کر دیں۔ اللہ تعالیٰ
نے اپنی قدرت کاملہ سے آسمان کو کیسا بنایا؟ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا تم دیکھتے ہو کہ بغیر
ستونوں کے یہ آسمان کھڑا ہے۔ تم اس کی طرف غور سے دیکھو، هَلْ تَرٰى مِنْ
فُطُوْرٍ کیا تمہیں اس میں کوئی نقص نظر آتا ہے۔ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ
يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ۔ فرمایا، دیکھنے والے! تو دوسری دفعہ
پھر اسے دیکھ، تیری نگاہ ناکام واپس لوٹے گی اور تمہیں پروردگار کی اس آسمان کی
تخلیق میں کوئی کمی کوتاہی نظر نہیں آئے گی۔ زمین کا فرش بنایا تو انسان کی ضروریات
کے لئے اس میں پھل پھول، میوے اور زراعت پیدا فرما دی۔ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى
السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَ زَيَّنّٰهَا وَ مَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ٥وَالْاَرْضَ
مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ اَنْبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيْجٍ ٥تَبْصِرَةً
وَّ ذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ٥اس میں اس بندے کے لئے عبرت کی باتیں ہیں
جس کے اندر رجوع ہوتا ہے، جس کے اندر انابت ہوتی ہے۔ پھر پروردگار عالم نے
انسان کی ضرورت کے لئے سورج، چاند اور ستاروں کا نظام بنا دیا۔ وَ الشَّمْسُ
تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ یہ سورج اپنی منزل کی
طرف رواں دواں ہے۔ قدرت نے جو کام ان کے ذمے لگائے ہیں وہ احسن طریقے
پر سرانجام دے رہے ہیں۔ لَاالشَّمْسُ يَنْبَغِيْ لَهَا اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ سورج کی

زیب نہیں دیتا کہ وہ پکڑ سکے چاند کو، وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّھَارِ اور رات بھی دن سے پہلے نہیں آسکتی۔ وَکُلٌّ فِی فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ۔ یہ سورج، چاند اور ستارے اپنے اپنے دائروں میں تسبیح بیان کر رہے ہیں۔ گویا پروردگار عالم نے ایک نظام بنایا اور پھر انسان سے کہا کہ اے انسان! تو ذرا آنکھ کھول کر میرے اس نظام کو تو دیکھ۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مختلف طریقوں سے اپنی طرف متوجہ فرمایا۔ کہیں اَلَمْ تَرَ ارشاد فرمایا تو کہیں اَلَمْ تَرَوْا کے ساتھ بندوں کو متوجہ کیا گیا۔ سورۃ غاشیہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ ○ وَاِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ ○ وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ ○ وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ ○ کیوں نہیں دیکھتے، کیا یہ حقانیت کی دلیل نہیں ہے اور کبھی اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے فرمایا اَلَمْ نَجْعَلْ لَهٗ عَیْنَیْنِ وَلِسَانًا وَّ شَفَتَیْنِ وَھَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ ○ کیا ہم نے اس کے لئے دو آنکھیں نہیں بنائیں، زبان نہیں دی، دو ہونٹ نہیں بنائے۔ اور کہیں اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِھٰدًا ○ وَالْجِبَالَ اَوْتَادًا ○ وَخَلَقْنٰکُمْ اَزْوَاجًا ○ گویا اللہ تعالیٰ انسان کو آنکھیں کھول کر مظاہر قدرت پر نظر ڈالنے کی دعوت دے رہے ہیں کہ آنکھ کھول اور ذرا دیکھ میرے اس شاہکار کو۔ اس میں غور کر، تجھے میری قدرت کا پتہ چلے گا، تجھ پر میرے کمالات منکشف ہوں گے کہ میں کامل قدرت والا کیا کیا کر سکتا ہوں۔

تخلیق انسانی کا مقصد :

اللہ رب العزت اپنے بندوں کو ان الفاظ کے ساتھ اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ کیا ہم نے تیرے لئے یہ نہیں بنایا، یہ نہیں بنایا، تاکہ انسان ان چیزوں کو دیکھے، غور کرے اور اپنے پروردگار حقیقی کی نعمتوں کا شکر ادا کرے۔ ان تمام چیزوں کو بنا کر

پھر انسان کو بتایا گیا کہ اِنَّ الدُّنْیَا خُلِقَ لَکُمْ وَ اِنَّکُمْ خُلِقْتُمْ لِلْاٰخِرَۃ یہ ساری کی ساری دنیا تمہارے لئے بنائی گئی ہے مگر تمہیں ہم نے آخرت کے لئے بنایا ہے۔

دنیا میں ہوں دنیا کا طلبگار نہیں ہوں
بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں

مومن دنیا میں تو ہوتا ہے مگر دنیا کا طلب گار نہیں ہوتا۔ یہ دنیا کے لئے نہیں بلکہ دنیا اس کے لئے بنائی گئی ہے۔

کھیتیاں سرسبز ہیں تیری غذا کے واسطے
چاند ، سورج اور ستارے ہیں ضیاء کے واسطے
بحر و بر ، شمس و قمر ، ما و شما کے واسطے
یہ جہاں تیرے لئے ہے تو خدا کے واسطے

یہ سب کچھ پروردگار نے ہمارے لئے بنایا اور ہمیں اس نے اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ ۔ اور جنوں اور انسانوں کو ہم نے اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ گویا ہمارا مقصد زندگی اللہ رب العزت کی بندگی ہے۔

بندگی کسے کہتے ہیں ؟

بندگی کسے کہتے ہیں ؟ بندگی یہ ہے کہ انسان اپنے آقا کے حکم کے مطابق اپنی زندگی گزار رہا ہو اور اپنی مرضی کو مولا کی مرضی میں گم کر چکا ہو۔

ایک مثال سے وضاحت :

آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب بقر عید آتی ہے تو کچھ لوگ کئی کئی ماہ پہلے دنبہ یا بکرا لے کر پالتے ہیں۔ وہ اسے خوب کھلاتے پلاتے ہیں اور سجاتے ہیں۔ وہ دنبہ یا بکرا ان

سے کافی مانوس ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ جب کبھی وہ شام کو اپنے دنبے کو لے کر گھر سے نکلتے ہیں تو وہ اس جانور کی رسی نہیں پکڑتے بلکہ جب مالک چلتا ہے تو وہ بھی ساتھ ساتھ چلتا ہے اور جب مالک رکتا ہے تو وہ بھی ساتھ ہی رک جاتا ہے۔ ایسے جانور کو پنجابی میں ''راکھواں لیلا یا دنبہ،، کہتے ہیں۔ جس طرح وہ جانور اپنے مالک کے نقش قدم پر چل رہا ہوتا ہے اسی طرح امتی کو بھی اپنے پیغمبر علیہ السلام کے نقش قدم پر چلنا ضروری ہوتا ہے۔ بالکل قدم بہ قدم زندگی گزارنی چاہئے۔ کھانا پینا، سونا جاگنا، غرض ہر کام نبی علیہ السلام کے طریقے کے مطابق کرنے سے انسان میں کمال پیدا ہوتا ہے۔

عالم بیداری میں زیارت نبوی ﷺ کے لئے نسخہ :

آج دنیا کہتی ہے کہ جی ایسا وظیفہ بتاؤ کہ جس سے خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہو جائے۔ میرے محسن! میرے دوست! میں تجھے وہ وظیفہ نہ بتاؤں کہ تو بیداری کی حالت میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت کیا کرے۔

مشائخ فرماتے ہیں کہ جو انسان اپنی رفتار میں، اپنی گفتار میں، اپنے کردار میں، لیل و نہار میں، معاشرت میں، حتیٰ کہ اپنی زندگی کے ہر کام کاج میں نبی اکرم ﷺ کے نقش قدم پر چلنے میں کمال پیدا کر لیتا ہے اللہ رب العزت اسے جیتے جاگتے اپنے محبوب ﷺ کی زیارت کروا دیا کرتے ہیں۔ سوتے میں دیکھتے ہو، جاگتے میں کیوں نہیں دیکھتے؟

خدا طلبی......بلا طلبی!!!

مگر اس کے لئے کچھ کرنا پڑتا ہے، اپنے آپ کو بدلنا پڑتا ہے۔ اور ہم کیا کہتے ہیں کہ بدلے بغیر سب کچھ مل جائے، ہم جو ہیں سو ہیں، اللہ تعالیٰ نے دینا ہے تو خود دے

دے۔ یہ بے اعتنائی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کے زمرے میں آتی ہے۔ بے طلبی اور خدا طلبی دو مختلف چیزیں ہیں۔ طبیعت میں بے طلبی ہو اور زبان سے بندہ خدا طلب ہو، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ خدا طلبی کے لئے سراپا طلب گار بننا پڑتا ہے۔

ایک روپے کے سوالی کی حالت:

جس بندے نے آپ سے ایک روپے کا سوال کرنا ہو کبھی اس کی شکل دیکھا کریں اس نے ہاتھ پھیلایا ہوا ہوتا ہے، مسکین چہرہ بنایا ہوتا ہے، عجیب و غریب عاجزانہ انداز میں کھڑا ہوتا ہے، آواز سے بھی بڑی مسکنت ظاہر ہوتی ہے، عجز ظاہر ہوتا ہے۔ ایسے بول بولتا ہے کہ دل مائل ہو جائے۔ آنکھیں دیکھو تو سوالی، ہاتھ دیکھو تو سوالی، حتیٰ کہ پورا جسم سوالی بن کر کھڑا ہوتا ہے اور وہ آپ سے ایک روپے کا سوال کر رہا ہوتا ہے۔

دعا کرتے وقت ہماری حالت:

اے انسان! تو پروردگار سے خود پروردگار کے تعلق کا سوال کرتا ہے اور تیری کیفیت کے اندر کوئی فرق نہیں آتا، بھلا تیرا یہ سوال کیسے پورا کیا جائے گا؟ روپیہ مانگنے والا تو یوں عاجز بن کر مانگے جبکہ ہم دعا مانگتے ہوئے کچھ اور سوچ رہے ہوتے ہیں۔ دوست یہ بھی بتاتے ہیں کہ دعا پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ ایک ہوتا ہے دعا کرنا اور ایک ہوتا ہے دعا پڑھنا۔ دونوں میں فرق ہے۔ آج کل ہم دعائیں پڑھتے ہیں۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا ، رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا ، یہ دعائیں پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ جب تک دعائیں پڑھتے رہیں گے نتیجہ ظاہر نہیں ہوگا۔ جب دعائیں کرنا شروع کریں گے تب ان کے نتائج بھی سامنے آنا شروع ہو جائیں گے۔

دعا کرنے کا طریقہ :

دعا کرنا کیا ہوتا ہے؟ دعا کرتے وقت انسان سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک سراپا سوال بنا ہوتا ہے، پھر اس کے جسم پر ایک کیفیت طاری ہوتی ہے جسے تضرع کہتے ہیں، زاری کہتے ہیں۔ اس کیفیت میں رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، پھر اللہ کی عظمت کو وہ سوچتا ہے کہ میں کسی حیثیت کا حامل نہیں اور پھر جب پروردگار کے سامنے وہ دامن دراز کرتا ہے تو پروردگار اس کے دامن مراد کو گوہر مراد سے بھر دیا کرتے ہیں۔

دعائیں لینے کے طریقے :

آج کل کے نوجوانوں کو دعائیں کروانے کا شوق رہتا ہے دعائیں لینے کا شوق نہیں ہے۔ دعا کروانا اور چیز ہے اور دعا لینا اور چیز ہے۔ دعائیں کروانا تو یہ ہوا کہ حضرت جی! دعا کیجئے، ابو! دعا کیجئے! امی! دعا کیجئے۔ اور ایک دعائیں لینا ہوتا ہے۔ وہ اس طرح کہ سالک وظائف واوراد میں اور اتباع سنت میں اتنی پابندی کرے کہ شیخ کی نظر پڑے تو اس کا دل باغ باغ ہو جائے اور شیخ کے دل سے بے اختیار دعائیں نکلنا شروع ہو جائیں۔ اسی طرح بیٹا اتنا فرمانبردار بنے کہ باپ کی اس کے چہرے پر نظر پڑے تو باپ کے دل سے بیٹے کے لئے دعائیں نکل رہی ہوں۔ بیٹا ماں کی اتنی خدمت کرے کہ ماں بیٹے کی طرف نظر اٹھائے تو ماں کی زبان سے دعائیں نکلتی چلی جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دعائیں لینے والوں میں سے بنا دے۔ کام تبھی بنتا ہے جب انسان کسی کی دعائیں لیتا ہے۔

نوجوانوں کے دل میں ماں باپ کی حیثیت :

آج کل کے نوجوان ماں کی کوئی وقعت نہیں سمجھتے۔ ماں کو تو سمجھتے ہیں کہ بس اللہ

میاں کی گائے ہے جو گھر میں پل رہی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ تو مفت کی خادمہ ملی ہوئی ہے، میں راضی ہوں یا ناراض اس نے تو میری خدمت کرنی ہے، یہ میری محبت کی ماری ہوئی ہے، میں جو مرضی کہوں گا اس نے تو سننا ہی ہے۔ اور باپ کے بارے میں یہ حال ہوتا ہے کہ ذرا اٹھارہ بیس سال کی عمر ہوئی تو باپ سے یوں نفرت کرتا ہے جیسے کوئی پاپ (گناہ) سے نفرت کیا کرتا ہے۔ اس سے پوچھا جائے کہ تمہارے ہاتھ میں کوئی لاٹھی دے دی جائے تو سب سے پہلے کس کے سر پر مارے گا تو کہے گا کہ باپ کے سر پر۔ نوجوانو! جب تمہارا یہ حال ہے تو پھر بتاؤ کہ کیسے فلاح پاؤ گے؟

اولاد کے نمازی بننے کے لئے دعائیں:

غور کیجئے کہ آج اگر ایک چھ سال کا بچہ نماز پڑھنا سیکھ لیتا ہے تو وہ التحیات کے آخر میں کیا پڑھ رہا ہوتا ہے۔ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ اے اللہ! مجھے اور میری اولاد کو نماز کا پابند بنا دے۔ اس چھ سال کے بچے کی اولاد تو نہیں ہوتی مگر وہ چھ سال کی عمر سے مانگ رہا ہوتا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ جب یہ بچہ بڑا ہوگا تو اس کی شادی ہوگی۔ اب اس بچے کی کیفیت تو سوچئے جس نے چھ سال کی عمر میں اپنی اولاد کے نمازی بننے کی دعائیں مانگیں اور جب اس کے بال سفید ہو گئے اور اپنے بچے جوان ہو گئے، تو وہ ان کو نماز کے لئے کہتا ہے مگر یہ سیدھے منہ باپ سے بات نہیں کرتے۔ قرب قیامت کی نشانی ہے کہ انسان اپنے دوست کو اپنا سمجھے گا اور ماں باپ کے ساتھ نفرت کرے گا۔

ماں باپ کو ملنے کی فضیلت:

ماں باپ کو اللہ تعالیٰ نے کیا مقام عطا فرمایا ہے؟ سبحان اللہ، اگر کوئی آدمی اپنے گھر سے یہ نیت لے کر چلے کہ میں اپنی ماں یا باپ سے جا کر ملوں گا تو ہر قدم اٹھانے پر

اللہ تعالیٰ اس کو ایک نیکی عطا کرتے ہیں، ایک گناہ معاف کرتے ہیں اور جنت میں اس کا ایک درجہ بلند فرما دیتے ہیں۔ ماں یا باپ کے چہرے پر محبت اور عقیدت کی ایک نظر ڈالنے پر اس آدمی کو ایک حج یا ایک عمرہ کرنے کا ثواب عطا کر دیا جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا، اے اللہ کے نبی اکرم ﷺ! جو بار بار دیکھے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، جتنی بار دیکھے گا اتنی بار حج یا عمرہ کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔

ماں باپ کی دعاؤں کا مقام:

ماں باپ کی دعاؤں کو کیا سمجھتے ہو؟ یاد رکھنا کہ یہ ماں ہی ہے کہ جب کبھی ہاتھ اٹھا دیا کرتی ہے تو اس کی دعا سیدھی عرش پہ جاتی ہے، آسمان کے دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے اور اس دعا کے درمیان کوئی حجاب نہیں رہتا اور دعا کو پروردگار کے حضور پہنچا دیا جاتا ہے۔

ذرا سنبھل کر قدم اٹھانا:

ایک بزرگ کی والدہ فوت ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے الہام فرمایا، اے میرے پیارے! جس کی دعائیں تیری حفاظت کرتی تھیں وہ ہستی اب اس دنیا سے اٹھ گئی ہے، اب ذرا سنبھل کر قدم اٹھانا۔

انوکھی تمنا:

نہ دعائیں لیں پیر استاد کی اور نہ دعائیں لیں ماں باپ کی اور تمنا کیا؟ کہ اللہ مل جائے۔ تجھے اللہ تو نہیں ملے گا البتہ تجھے ”کھلہ،، ملے گا۔ یہ پنجابی زبان کا لفظ ہے، اس کا مطلب پوچھتے پھرنا کہ کھلا کیا ہوتا ہے۔

رجب، شعبان اور رمضان کے فضائل:

آج کی رات دعائیں مانگنے کی رات ہے۔ تین مہینے، رجب، شعبان اور رمضان آگے پیچھے آتے ہیں۔ احادیث مبارکہ میں ان تینوں مہینوں کی فضیلت بتائی گئی ہے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا، رجب کو سال کے باقی مہینوں پر ایسی فضیلت دی گئی ہے جیسے قرآن مجید کو باقی کتابوں پر فضیلت حاصل ہے۔ نیز ارشاد فرمایا کہ شعبان کو باقی مہینوں پر وہ فضیلت حاصل ہے جیسی میں محمد رسول اللہ ﷺ کو باقی انبیاء پر فضیلت حاصل ہے۔ اور فرمایا کہ رمضان کو باقی مہینوں پر وہ فضیلت حاصل ہے جیسی اللہ رب العزت کو اپنی مخلوقات پر فضیلت حاصل ہے۔

لفظ شعبان کی تشریح:

بعض علماء نے لکھا ہے کہ شعبان کا لفظ ''شعبہ'' سے نکلا ہے۔ یہ لفظ اردو میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ کام کے کسی ایک حصے کو شعبہ کہتے ہیں۔ شعبان کا لفظ بنا ہی اسی لئے ہے کہ اس مہینے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل کے خاص شعبہ جات کام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر جب ملک کے اندر الیکشن ہونے ہوتے ہیں تو کئی شعبہ جات کام کرنا شروع کر دیتے ہیں جو عام حالات میں کام نہیں کر رہے ہوتے یا تھوڑا کام کر رہے ہوتے ہیں۔ مگر ان دنوں میں ان کا کام بڑھا دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل کا کام تو ہر وقت ہو رہا ہے مگر رجب، شعبان اور رمضان میں ان شعبہ جات کے کام کو پھیلا دیا جاتا ہے۔

حروف کے اعتبار سے شعبان کی فضیلت:

بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ اس مہینے کو اس لئے شعبان کہتے ہیں کہ اس کے پانچ حروف ہیں۔ ش، ع، ب، الف، ن۔ ان حروف کی فضیلت اپنی جگہ پر ہے ''ش''

ر افت سے لیا گیا۔ ''ع'' علو مرتبت سے لیا گیا۔ ''ب'' بِر (نیکی) سے لیا گیا۔ ''الف'' الفت سے لیا گیا (یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت) اور ''ن'' نور سے لیا گیا۔ ان پانچ الفاظ کے پہلے پہلے حروف کو ملا کر یہ لفظ بنا دیا گیا تاکہ بندوں کو پتہ چل جائے کہ اگر ہم اس مہینے میں عبادت کریں گے تو پروردگار کی طرف سے یہ پانچ نعمتیں عطا کر دی جائیں گی۔

رزق کے فیصلوں کی رات

بعض روایات میں آیا ہے کہ 15 شعبان کی رات رزق کے فیصلوں کی رات ہے۔ رزق کے زمرہ میں بیوی، بچے، صحت، عزت، مال و دولت، کپڑا، مکان ہر چیز شامل ہے۔ گویا آج ہماری جتنی پریشانیاں ہیں وہ ساری کی ساری عموماً رزق ہی سے متعلقہ ہوتی ہیں۔ آئندہ سال کے ان فیصلوں کی رات آج ہے۔ فہرستیں آج رات ہی بنتی ہیں اور یہ رمضان المبارک میں لیلۃ القدر میں فرشتوں کے حوالے کر دی جاتی ہیں۔ جیسے ڈیپارٹمنٹ کے اندر فہرستیں بنتی ہیں اور پھر ٹیکنیشن کے حوالے کر دی جاتی ہیں کہ اس پر عمل کر لیا جائے۔

پندرہ شعبان کا روزہ:

اس لئے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس رات میں آدمی کے آئندہ سال زندہ رہنے یا مرنے کے فیصلے ہوتے ہیں۔ اور میں چاہتا ہوں کہ جب وہ فیصلہ ہو تو میں اس وقت روزے کے ساتھ ہوں۔ ایام بیض کے تو ویسے بھی روزے رکھنے چاہئیں۔ تاہم پندرہ شعبان کا روزہ رکھنا مستحب ہے۔

سب خزانوں کا مالک کون؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا کہ

زمین میں چلنے پھرنے والی ہر چیز کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ البتہ تقسیم اس کی اپنی ہے۔ فرمایا نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيْشَتَهُمْ ہم نے ان کے درمیان معیشت کو تقسیم کر دیا ہے۔ وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ جو کوئی بھی چیز ہے اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهٗ اس کے پاس خزانے ہیں وَمَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ مگر ہم ایک معلوم مقدار کے مطابق اسے اتارتے ہیں۔ خوشی کے خزانے بھی اسی کے پاس، غم کے خزانے بھی اسی کے پاس، آرام کے خزانے بھی اسی کے پاس، بے آرامی کے خزانے بھی اسی کے پاس، عزت کے خزانے بھی اسی کے پاس، ذلت کے خزانے بھی اسی کے پاس، صحت کے خزانے بھی اسی کے پاس اور بیماری کے خزانے بھی اسی کے پاس ہیں۔ جب سب خزانوں کا مالک وہی ہے لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اسی کے ہاتھ میں آسمان اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں ہیں تو کیوں نہ ہم آج کی رات اپنے لئے رحمتوں کے خزانوں کی نعمتیں مانگ لیں۔ ہم کیوں نہ پروردگار سے یہ سوال کریں کہ اے اللہ! ہمارے لئے خیر کے فیصلے فرمادے، ہمارے لئے فضل وکرم کے فیصلے فرمادے۔

ذکر الٰہی سے منہ موڑنے کا وبال:

ہماری اپنی بے اعتدالیوں اور غفلتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ رزق کو سکیڑ دیتے ہیں۔ فرمایا وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ، جس نے میری یاد سے، میرے قرآن سے اعراض کیا فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا ہم اس کی معیشت کو تنگ کر دیتے ہیں۔ گویا دنیا میں نقد عذاب تو یہ ملا کہ معیشت کو تنگ کر دیا وَ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَعْمٰى اور قیامت کے دن ہم اس کو اندھا کھڑا کر دیں گے۔ یہ دنیا میں ہمارے حکموں سے اندھا بنا رہا اس لئے ہم اس کو قیامت کے دن اندھا کر کے کھڑا کریں گے۔

...یشانیوں کی اصل وجہ :

میرے دوستو! ہماری پریشانیاں ہمارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہیں۔ ارشاد باری ...الٰی ہے مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ جو مصیبتیں تمہیں ...نچتی ہیں وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہیں۔ اگر ہم اپنی زندگیوں پر غور کریں تو یہ ...ت روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ ہم میں سے کسی کی پریشانی مال سے متعلق ...گی۔ ایسا بندہ چاروں طرف نظر دوڑا کر دیکھتا ہے تو اس کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ...ں اتنے پیسے مل جائیں، پھر میری پریشانیاں ختم ہو جائیں گی۔ کسی کے پاس مال تو ہے ...ر اولاد نہیں۔ وہ سمجھتا ہے کہ اگر مجھے اولاد مل جائے تو میری زندگی میں بہار ...جائے۔ کسی کے پاس اولاد تو ہے مگر اولاد کی صحت ٹھیک نہیں۔ وہ سوچتا ہے کہ ...ری یہ بیٹی ٹھیک ہو جائے تو میرے گھر میں سکون ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ...رے گناہوں کا وبال ہے۔ اگر ہم گناہ کرنا چھوڑ دیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں غیب کے ...زانوں سے کھلانا شروع کر دیں۔

...لیاء اللہ کہاں سے کھاتے ہیں؟

یاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو وہاں سے کھلاتے ہیں جہاں سے وہ اپنے انبیاء کو ...لایا کرتے تھے۔ کیا انبیائے کرام اس دنیا میں نوکریاں کرتے تھے؟ وہ تو دین کا کام ...تے تھے اور پروردگار اس دین کے کام کے صدقے ان کو دنیا کی نعمتیں عطا فرما ...کرتے تھے۔ ہم بھی اگر دین کا کام کریں گے تو یہ دنیا قدموں میں نچھاور ہو گی۔

...چھے عالم کی پہچان :

اچھا عالم وہ ہوتا ہے جس کے دل میں استغناء ہو۔ علماء اور طلباء کی خدمت ...ں گزارش ہے کہ اللہ کے خزانوں پر نظر رکھئے۔ کسی کی جیب پر نظر رکھنے کی

ضرورت نہیں۔ ان دنیادار غافلین کو استغناء کی چھری سے ذبح کیجئے۔ علم کا وقار پید
کر لیجئے۔ پھر دیکھئے کہ کیسے عزتیں ملتی ہیں۔ ہر بندے کو اللہ تعالیٰ ہی رزق پہنچاتے ہیں
اور پھر رزق میں برکت بھی وہی دیتے ہیں۔

بند پتھر میں روزی :

ہمارے ایک دوست **M.B.B.S** ڈاکٹر تھے۔ وہ ایک مرتبہ بیوی بچوں کو ساتھ
لے کر سوات کے علاقے میں سیر کرنے کے لئے گئے۔ وہاں ایک جگہ پر گول س
خوبصورت پتھر پڑا دیکھا۔ انہیں اچھا لگا۔ بیوی نے بھی کہا کہ اس کا وہی رنگ ہے ج
ہمارے ڈرائنگ روم کے پینٹ کا رنگ ہے اس لئے ہم اسے لے جاتے ہیں۔ ڈرائنگ
روم میں سجائیں گے۔ ان بیچاروں کو کلر میچنگ سے فرصت نہیں ملتی۔ خاوند نے کہا
بہت اچھا۔ وہ اٹھا کے اس کو لے آئے اور ڈرائنگ روم میں سجادیا۔ دو سال وہ پتھر ا
کے گھر میں پڑا رہا۔ ایک دن وہ ڈاکٹر صاحب اس پتھر کو اٹھا کر دیکھنے لگے۔ اچانک و
پتھر اس کے ہاتھ سے نیچے گر کر ٹوٹ گیا۔ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس نے د
دیکھا کہ پتھر کے بالکل درمیان میں ایک خلاء ہے اور خلاء کے اندر ایک کیڑا ہے
جب پتھر ٹوٹا تو کیڑے نے چلنا شروع کر دیا۔ اب بتائیں کہ بند پتھر میں اس کیڑے
کس پروردگار نے رزق عطا کیا۔

ایک الہامی بات :

عطاء ابن ابی رباحؒ مشہور تابعین میں سے ہیں۔ آپ کا شمار امام ابو حنیفہؒ کے اساتذ
میں ہوتا ہے۔ آپ غلام تھے مگر دل کے بادشاہ تھے۔ آپ الہامی باتیں ارشاد فر
کرتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں بات ڈالی کہ اے
عطا! میں بھی تجھے رزق دے رہا ہوں گا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ تو رو رو کر مجھ سے رزق

نگے اور پھر میں تجھے رزق عطا نہ کروں۔

زق سے برکت نکلنے کی وجہ :

میرے دوستو ! اللہ تعالیٰ تو ہمیں رزق عطا فرما دیتے ہیں مگر ہم اس رزق کا ستعمال غلط طریقے سے کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے اس رزق سے برکت نکل جاتی ہے۔ جب برکت اٹھ جاتی ہے تو جتنا کماتے چلے جائیں گے ضرورتیں اس سے زیادہ ھتی چلی جائیں گی۔ حتیٰ کہ انسان کروڑوں کی فیکٹریوں کا مالک ہو کر بھی روتا پھرتا ہے کہ میں قرضے میں دبا ہوا ہوں۔

یک منیجر کا رونا دھونا :

مجھے ایک منیجر صاحب تقریباً 12 سال پہلے ملنے کے لئے آئے اس وقت اس کی نخواہ ستر ہزار روپے تھی۔ اسے فیکٹری کی طرف سے دو کاریں، کوٹھی، گارڈ اور یڈیکل فری کی سہولیات حاصل تھیں۔ اس کے تین بچے تھے۔ انہوں نے آکر اپنے الات سنائے اور آنسوؤں سے رو پڑے۔ میں نے پوچھا کہ آپ رو کیوں رہے ہیں ؟ ہنے لگے، میں کس کے سامنے دل کھولوں کہ میرے اخراجات پورے نہیں ہوتے۔ ں نے پوچھا، وہ کیسے ؟ انہوں نے بتایا کہ میں نے نئی گاڑی نکلوائی، چار دن بھی نہیں وئے تھے کہ ایکسیڈنٹ سے وہ گاڑی بالکل ختم ہو گئی۔ اور اب تک مجھے سات لاکھ وپے کا نقصان ہو چکا ہے۔ بیچارے ہزاروں کماتے تھے اور لاکھوں گنوا بیٹھتے تھے۔ اور نا کما کر بھی روتے تھے کہ میرے خرچے پورے نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ رزق تو یتے ہیں مگر ہمارے کرتوت رزق کی برکت کو ضائع کر دیتے ہیں۔

زق میں اتنی برکت ...... !!!

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک آدمی تھا۔ وہ بڑا غریب تھا۔ نان

شبینہ کو ترستا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا، اے اللہ کے پیغمبر! آپ کوہ طور پر جا کر اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی فرماتے ہیں۔ ذرا اس مرتبہ میری فریاد بھی پہنچا دیجئے کہ اے اللہ! زندگی کے جتنے دن باقی ہیں ان دنوں کا میرا جو رزق بنتا ہے۔ وہ اکٹھا ایک ہی دفعہ مجھے دے دیجئے۔ مقصد یہ تھا کہ میں کچھ دن تو پیٹ بھر کر کھا لوں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر جا کر یہ فریاد پہنچا دی۔ چنانچہ اس بندے کو اس کی پوری زندگی کا رزق مل گیا۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔

دو چار سال گزرنے کے بعد حضرت موسیٰؑ کو اچانک خیال آیا کہ پتہ نہیں کہ وہ بندہ زندہ بھی ہے یا نہیں۔ چنانچہ جب جا کر پتہ کیا تو دیکھا کہ اس جگہ پر محل بنا ہوا ہے، دستر خوان لگا ہوا ہے، مخلوق خدا کھا رہی ہے اور وہ خود بھی بڑی ٹھاٹھ کی زندگی گزار رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑے حیران ہوئے کہ یا اللہ! اس آدمی کو جو ساری زندگی کا رزق ملا تھا وہ تو تھوڑا سا تھا اور اب تو اس کے وارے نیارے ہو چکے ہیں۔ رب کریم نے فرمایا، اے میرے پیارے پیغمبر! اگر وہ اپنی ذات پر استعمال کرتا تو اس کا رزق تو وہی تھا جو ہم نے اسے دے دیا تھا۔ اس نے اس رزق سے نفع بخش تجارت کی کہ اس نے فقراء اور مساکین کو کھلانا شروع کر دیا اور جو میرے راستے میں خرچ کرتا ہے میں اس کو کم از کم دس گنا واپس لوٹا دیتا ہوں۔ اس کو اس تجارت میں اتنا نفع ہوا کہ آج وہ مالدار بنا ہوا ہے۔

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ اور انفاق فی سبیل اللہ :

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کو ماہانہ تین روپے تنخواہ ملتی تھی۔ دو روپے سے گھر کے اخراجات پورے کرتے تھے اور ایک روپیہ اللہ کی راہ میں خرچ کیا کرتے تھے۔

علماء اور طلباء یہ بات ذرا دل کے کان کھول کر سنیں۔ آج ہم سینکڑوں کی تنخواہ لے کر بھی کوئی پیسہ خرچ نہیں کرتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری اپنی ضروریات ہی پوری نہیں ہوتیں۔ اس سے بے برکتی ہوتی ہے۔ اگر ہم اللہ کے وعدوں پر بھروسہ کرتے ہوئے خرچ کریں گے تو اللہ تعالیٰ اس کو 70 گنا زیادہ بنا کر ہمیں واپس لوٹا دیں گے۔

خواجہ عبدالمالک صدیقیؒ اور انفاق فی سبیل اللہ :

حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقیؒ کا یہ حال تھا کہ جب کبھی اخراجات کرتے کرتے پیسے کم ہو جاتے تو جو رہ جاتے تھے ان کو بھی جلدی سے صدقہ کر دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ جب جیب خالی ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ خود جیب کو بھر دیتے ہیں۔ اور ہماری یہ حالت ہے کہ جو بچ جائے اس کو ہم سنبھال سنبھال کر رکھتے ہیں۔ کیوں ؟ اس لئے کہ دل پیسوں سے لگا ہوا ہے۔

دنیاداروں کے لئے چیلنج :

میں نے ایک مرتبہ کراچی میں تقریر کی۔ میمن حضرات کا مجمع تھا۔ میں نے کہا کہ آپ تو تاجر حضرات ہیں، دنیا کو دیکھنے والے ہیں، ذرا بتایئے کہ آپ نے کبھی کسی عالم باعمل کو یا حافظ باعمل کو بھوک اور پیاس سے ایڑیاں رگڑتے ہوئے مرتے دیکھا ہے ؟ کوئی مثال سنی ہو تو بتا دیجئے۔ پورا مجمع خاموش تھا۔ کسی کے پاس کوئی مثال نہیں تھی۔ میں نے کہا کہ میں ایم اے ایم ایس سی کی تو بات ہی نہیں کرتا، میں ایک پی۔ ایچ۔ ڈی ڈاکٹر کی مثال دیتا ہوں ...... ایک پی۔ ایچ۔ ڈی ڈاکٹر اپنی عمر کے ایسے وقت میں دیکھا کہ جہاں اس کو ایڑیاں رگڑتے رگڑتے موت آگئی۔ اس کو روٹی دینے والا اور اس کی خیر خبر پوچھنے والا کوئی نہیں تھا۔ تو پھر بتاؤ کہ رزق کس راستے سے ملتا ہے ؟ دین کے راستے سے یا دنیا کے راستے سے۔

اولاد کی تربیت کی پہلی اینٹ :

آج ہم اپنی اولادوں کو بھاگ بھاگ کر انگریزی پڑھاتے ہیں۔ پڑھایئے انگریزی مگر اس سے پہلے بچے کو مسلمان تو بنا لیجئے۔ اسلام تو پڑھا لیجئے۔ یہ کیا بات ہوئی کہ بچہ پیدا ہوا اور زبان کھولنے کے قریب ہوا تو ماں نے پڑھانا شروع کر دیا،

Twinkle, twinkle, little star,

How I wonder what you are.

صحابہ کرامؓ اپنے بچوں کو کلمہ پڑھایا کرتے تھے، قرآن کی آیتیں یاد کراتے تھے اللہ کا نام یاد کراتے تھے آج کی مائیں اس بچے کو شروع میں ڈیڈی اور ماما کا نام سکھاتی ہیں۔ جب پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی رکھ دی تو یہ دیوار جتنی اونچی جائے گی اتنا ہی اس کا ٹیڑھا پن بڑھتا چلا جائے گا۔ اس لئے بچوں کو سب سے پہلے دین پڑھایئے جب دیندار بن کر مشرق سے مغرب تک جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو ان کا رزق پہنچا دیں گے۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی فقیرانہ زندگی :

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ وقت کے خلیفہ تھے۔ ایک مرتبہ آپ اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے بیٹی کو آواز دی کہ بیٹی! میرے لئے پانی کا پیالہ لاؤ کافی دیر گزر گئی مگر بیٹی نہ آئی۔ آپ نے پھر سختی سے بلایا۔ بیوی نے آکر پوچھا، کیا ہوا؟ فرمایا، میں نے بیٹی سے کہا کہ پانی کا پیالہ لا، اتنی دیر ہو گئی ہے وہ ابھی تک پانی کا پیالہ لے کر نہیں آئی، کتنی نافرمان بنتی چلی جارہی ہے۔ بیوی فاطمہ نے کہا، آپ کی بیٹی نافرمان نہیں، اس نے جو کپڑا پہنا ہوا تھا (شلوار کا) وہ پھٹ گیا تھا، وہ دوسرے کمرے میں اس شلوار کو اتار کر بیٹھی سی رہی ہے، اس کو سینے اور پہننے بغیر وہ کیسے آسکتی ہے۔

وقت کا خلیفہ ہو اور اس کی بیٹی کے پاس پہننے کے لئے صرف ایک لباس ہو، یہ ان حکمرانوں کے امین ہونے کی دلیل ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ وہ خزانوں کی کنجیوں کے مالک تھے مگر ان کا غلط استعمال نہیں کیا کرتے تھے۔ شاہی ملنے کے باوجود انہوں نے فقیرانہ زندگی اختیار کی ہوئی تھی۔

بیٹے گورنر بن گئے:

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے گیارہ بیٹے تھے۔ آپ جب وفات پانے لگے تو ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا، عمر بن عبد العزیز! آپ نے اپنے بچوں کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ آپ نے کہا، وہ کیسے؟ اس نے کہا، آپ سے پہلے جو لوگ حکمران تھے انہوں نے تو اپنی اولادوں کے لئے اتنی جائیدادیں بنا لیں، اتنے لاکھ درہم و دینار چھوڑے اور آپ نے اپنی اولاد کے لئے کچھ بھی نہ کیا۔ یہ سن کر آپ کو اس وقت غصہ آیا اور چہرے پر سرخی ظاہر ہوئی۔ آپ نے فرمایا، مجھے ذرا اٹھا کر بٹھا دو۔ چنانچہ آپ کو ٹیک لگا کر بٹھا دیا گیا۔ آپ نے فرمایا، اگر میں نے اپنی اولاد کو نیکی سکھائی ہے تو میرے پروردگار کا وعدہ ہے، وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِيْنَ کہ نیک لوگوں کا ولی خود پروردگار ہوتا ہے۔ میں اپنے بیٹوں کو اللہ تعالیٰ کی سرپرستی میں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ اور اگر یہ نیک نہیں ہیں تو مجھے بھی پروا نہیں کہ ان کے ساتھ دنیا میں کیا ہوتا ہے۔

آپ تو وفات پا گئے مگر امام شافعیؒ یا اسی طرح کی کوئی اور بزرگ شخصیت تھی، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ پہلے والے حکمران جنہوں نے اپنی اولادوں کے لئے لاکھوں درہم و دینار چھوڑے' ان کی اولاد کو دیکھا کہ وہ جامع مسجد کے دروازے پر بھیک مانگ رہی تھی اور میں نے عمر بن عبد العزیزؒ کے بیٹوں کو دیکھا کہ ان کے گیارہ

بیٹے مختلف علاقوں کے گورنر بنے ہوئے تھے، کیونکہ لوگوں کو ان سے بہتر بندہ ملتا کوئی نہیں تھا۔

ایک عبرتناک واقعہ :

اسی شہر (جھنگ) میں ایک آدمی تھا جس کے پاس بہت مال پیسہ تھا۔ اس کی بڑی زمینیں تھیں۔ حتیٰ کہ ایک سے زیادہ ریلوے اسٹیشن اس کی زمین میں لگتے رہے۔ اور وہ کروڑوں کا مالک تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ میرے پاس اتنی دولت ہے کہ میری سات نسلوں سے بھی ختم نہیں ہوگی۔

اس کی وفات کے بعد اس کا اکلوتا بیٹا اس کی جائیداد کا وارث بنا۔ جوانی کی عمر تھی اور مال کی فراوانی تھی۔ چنانچہ جوانی والے کاموں میں پڑ گیا۔ روز کے نئے مہمان آنا شروع ہو گئے۔ پیسہ پانی کی طرح بہنے لگا۔ اسی مہم میں اس نے ملک کے مختلف شہروں کے سفر کئے۔ جب یہاں سے دل بھر گیا تو دوستوں نے مشورہ دیا کہ بیرون ملک چلتے ہیں۔ چنانچہ باہر ملک کا سفر کیا۔ عیش و آرام اور لذات کی خاطر زمینیں بک گئیں، سارے پیسے خرچ ہو گئے حتیٰ کہ جس مکان میں رہتا تھا وہ مکان بھی بک گیا۔ جس آدمی نے یہ واقعہ مجھے بیان کیا اس نے اس فضول خرچی کرنے والے آدمی کو اس شہر کے چوک میں کھڑے بھیک مانگتے ہوئے دیکھا۔

مہمان کا رزق :

اسی شہر میں ایک حکیم انصاری صاحب تھے۔ وہ وفات پا چکے ہیں۔ ہم سکول جایا کرتے تھے تو راستے میں ان کی دکان آتی تھی۔ اس وقت ان کے سفید بال تھے۔ ان کا تعلق بھی مسکین پور شریف میں سلسلہ نقشبندیہ سے ہی تھا۔ جب ہمارا بھی اس سلسلہ کے ساتھ غلامی کا تعلق ہوا تو ہم بھی ان سے دعائیں لینے کے لئے عقیدت و احترام

کے ساتھ ان کے پاس جاتے تھے۔

انہوں نے ایک واقعہ سنایا اور فرمایا کہ میں اس واقعہ کا چشم دید گواہ ہوں۔ واقعہ یوں ہے کہ اس شہر سے کچھ فاصلے پر ایک گاؤں میں ایک صاحب کی اپنی بیوی کے ساتھ کچھ ان بن ہو گئی۔ ابھی جھگڑا ختم نہیں ہوا تھا کہ اسی اثناء میں ان کا مہمان آ گیا۔ خاوند نے اسے بیٹھک میں بٹھا دیا اور بیوی سے کہا کہ فلاں رشتہ دار مہمان آیا ہے اس کے لئے کھانا بناؤ۔ وہ غصے میں تھی۔ کہنے لگی، تمہارے لئے کھانا ہے نہ تمہارے مہمان کے لئے۔ وہ بڑا پریشان ہوا کہ لڑائی تو ہماری اپنی ہے، اگر رشتہ دار کو پتہ چل گیا تو خواہ مخواہ کی باتیں ہوں گی۔ لہٰذا خاموشی سے آ کر مہمان کے پاس بیٹھ گیا۔

اتنے میں اسے خیال آیا کہ چلو بیوی اگر روٹی نہیں پکاتی تو سامنے والے ہمارے ہمسائے بہت اچھے ہیں، خاندان والی بات ہے، میں انہیں ایک مہمان کا کھانا پکانے کے لئے کہہ دیتا ہوں۔ چنانچہ وہ ان کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ میری بیوی کی طبیعت خراب ہے (اب یہ کیسے کہتا کہ نیت خراب ہے) لہٰذا آپ ہمارے مہمان کے لئے کھانا بنا دیجئے۔ انہوں نے کہا، بہت اچھا، جتنے آدمیوں کا کہیں کھانا بنا دیتے ہیں۔ وہ مطمئن ہو کر مہمان کے پاس آ کر بیٹھ گیا کہ مہمان کو کم از کم کھانا تو مل جائے گا جس سے عزت بھی بچ جائے گی۔

تھوڑی دیر کے بعد مہمان نے کہا کہ ذرا ٹھنڈا پانی تو لا دیجئے۔ وہ اٹھا کہ گھڑے کا ٹھنڈا پانی لاتا ہوں۔ اندر گیا تو دیکھا کہ بیوی صاحبہ تو زار و قطار رو رہی تھیں۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ یہ شیرنی اور اس کے آنسو۔ کہنے لگا، کیا بات ہے؟ اس نے پہلے سے بھی زیادہ رونا شروع کر دیا۔ کہنے لگی، بس مجھے معاف کر دیں۔ وہ بھی سمجھ گیا کہ کوئی وجہ ضرور بنی ہے۔ اس بیچارے نے دل میں سوچا ہو گا کہ میرے بھی بخت جاگ گئے ہیں۔ کہنے لگا کہ بتاؤ تو سہی کہ کیوں رو رہی ہو؟ اس نے کہا کہ پہلے آپ مجھے معاف

کردیں پھر میں آپ کو بات سناؤں گی۔ خیر اس نے کہہ دیا کہ جو لڑائی جھگڑا ہوا ہے میں نے وہ دل سے نکال دیا ہے اور آپ کو معاف کر دیا ہے۔ کہنے لگی کہ جب آپ نے آکر مہمان کے بارے میں بتایا اور میں نے کہہ دیا کہ نہ تمہارے لئے کچھ پکے گا اور نہ مہمان کے لئے، چلو چھٹی کرو، تو آپ چلے گئے مگر میں نے دل میں سوچا کہ لڑائی تو میری اور آپ کی ہے، اور یہ مہمان رشتہ دار ہے، ہمیں اس کے سامنے تو یہ پول نہیں کھولنا چاہیے۔ چنانچہ میں اٹھی کہ کھانا بناتی ہوں۔ جب میں کچن (باورچی خانہ) میں گئی تو میں نے دیکھا کہ جس بوری میں ہمارا آٹا پڑا ہوتا ہے، ایک سفید ریش آدمی اس بوری میں سے کچھ آٹا نکال رہا ہے۔ میں یہ منظر دیکھ کر سہم گئی۔ وہ مجھے کہنے لگا، اے خاتون! پریشان نہ ہو، یہ تمہارے مہمان کا حصہ تھا جو تمہارے آٹے میں شامل تھا، اب چونکہ یہ ہمسائے کے گھر میں پکنا ہے اس لئے میں وہی آٹا لینے کے لئے آیا ہوں۔...... جی ہاں، مہمان بعد میں آتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ اس کا رزق پہلے بھیج دیتے ہیں۔

نیک دل خاتون کی سخاوت:

ہمارے اس ضلع میں فیصل آباد روڈ پر ایک گاؤں میں ایک نیک خاتون رہتی تھی۔ وہ بہت زیادہ سخیہ تھی۔ وہ اتنی نیک دل، اتنی مہمان نواز اور اس قدر غریبوں پر خرچ کرنے والی تھی کہ لوگ اسے حاتم طائی کی بیٹی کہتے تھے۔ وہ گاؤں سڑک کے قریب ہی تھا۔ پہلے تو کوئی مستقل بس سٹاپ نہ تھا مگر دیہاتی لوگوں کی آمد ورفت کی وجہ سے آہستہ آہستہ سڑک کے اوپر بس سٹاپ بن گیا۔ اندر کے علاقوں کے دیہاتی لوگ پانچ دس میل چل کر وہاں آتے کہ ہم خرید و فروخت کے لئے بس پر بیٹھ کر شہر کو جائیں گے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ بس کا وقت ختم ہو جاتا تو ان بیچاروں کے پاس وہاں رہنے کے لئے انتظام نہیں ہوتا تھا وہ اسی حال میں بیٹھ کر رات گزارتے۔ بھوکے پیاسے

رہتے۔ اگر عورتیں ساتھ ہوتیں تو اور زیادہ پریشانی ہوتی۔ اس خاتون نے محسوس کیا کہ یہاں تو ان کے لئے کوئی بندوبست ہونا چاہئے۔ چنانچہ اس نے اپنے خاوند سے کہا کہ کیوں نہ ہم لوگوں کی سہولت کے لئے ایک مہمان خانہ بنوا دیں تاکہ وہ لوگ جو رات کو آگے یا پیچھے نہیں جا سکتے وہ آسانی سے رات گزار سکیں اور وہ اگلے دن اپنے کام کے لئے روانہ ہو جایا کریں گے۔

خاوند کو یہ بات پسند آئی۔ چنانچہ اس نے مہمان خانہ بنوایا اور ایک آدمی رکھ کر ان کیلئے کھانا پکانے کا بندوبست کر دیا۔ اب لوگ آنے جانے لگے۔ اور جو آگے پیچھے نہیں جا سکتے تھے وہ رات کے وقت وہیں سے کھانا کھاتے اور آرام سے سو جاتے۔ پھر رات گزار کر اپنے کام کیلئے چلے جاتے۔ ان میں سے کئی لوگ تلبیس ابلیس کی وجہ سے ”خیر خواہ،، بھی بن جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک ”خیر خواہ،، نے اس کے خاوند کو یہ مشورہ دیا کہ آپ کی بیوی تو آپ کو کنگال کر دے گی، روزانہ اتنا اتنا پکتا ہے اور فالتو لوگ آکر کھا جاتے ہیں، ایسی سخاوت کا کیا فائدہ۔

جب دوستوں نے خاوند کو بار بار یہ مشورہ دیا تو خاوند کے دل میں بھی یہ بات آگئی کہ بھئی یہ تو واقعی لوگوں نے تماشا بنا لیا ہے۔ چنانچہ اس نے ایک دن فیصلہ کر لیا کہ مہمان خانہ بند کر دیا جائے۔ بیوی کو پتہ چلا تو وہ پریشان ہوئی کہ جب پروردگار نے ہمیں اتنی زمینیں دی تھیں کہ ہماری اپنی گزرم سے ہی روٹی بنتی تھی اور سارا سال مہمان نوازی کا ثواب ملتا تھا، اب یہ نیکی کا ذریعہ بند ہو گیا ہے۔ لیکن جب خاوند نے کہہ دیا تو بیوی خاموش ہو گئی۔ نیک بیویاں پھر بات کرنے کے لئے موقع ڈھونڈا کرتی ہیں، جھگڑے نہیں کیا کرتیں۔ چنانچہ وہ موقع کی تلاش میں رہی۔

ایک دن خاوند سے کہنے لگی کہ آج میری طبیعت کچھ اداس سی ہے، گھر میں رہ رہ کر کچھ تنگ سی آگئی ہوں، کیوں نہ میں زمینوں سے ذرا ہو آؤں۔ اس نے کہا، بہت

اچھا۔ خاوند اسے اپنی زمین پر لے کر چلا گیا۔ وہاں کنواں، باغ اور فصلیں تھیں۔ وہ تھوڑی دیر چلی پھری اور پھر آکر کنویں کے کنارے پر بیٹھ گئی اور کنویں کے اندر دیکھنا شروع کر دیا۔ خاوند بھی ادھر ادھر پھرتا رہا۔ کافی دیر کے بعد کہنے لگا، نیک بخت! چلیں دیر ہو رہی ہے۔ کہنے لگی، بس چلتے ہیں۔ پھر کنویں کے اندر دوبارہ جھانکنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے پھر کہا۔ وہ پھر جواب میں کہنے لگی، اچھا ابھی چلتے ہیں۔ اور پھر کنویں میں دیکھتی رہی۔ بالآخر خاوند نے کہا کہ خدا کی بندی! کنویں میں کیا دیکھ رہی ہو؟ کہنے لگی کہ میں دیکھ رہی ہوں کہ خالی ڈول پانی میں جا رہے ہیں اور بھر بھر کر واپس آ رہے ہیں۔ مگر کنویں کا پانی جیسا ہے ویسا ہی ہے۔ اس نے کہا، خدا کی بندی! تو اگر سارا دن اور ساری رات بیٹھی رہے گی تو یہ پانی تو ایسے ہی رہے گا، خالی ڈول بھر بھر کے آتے رہیں گے مگر پانی میں کمی نہیں آئے گی۔ جب خاوند نے یہ بات کہی تو اس نیک دل خاتون نے کہا، اچھا کیا کنویں کا پانی ختم نہیں ہوتا؟ اس نے کہا کہ واقعی کنویں کا پانی ختم نہیں ہوتا۔ یہ سن کر وہ کہنے لگی، اللہ تعالیٰ نے ہمارے گھر کے اندر بھی ایک کنواں جاری کیا تھا۔ لوگ خالی پیٹ آتے تھے اور پیٹ کا ڈول بھر کے جاتے تھے، تمہیں کیوں ڈر ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اس کنویں کے پانی کو کم کر دیں گے۔

بیوی کی بات سن کر خاوند کے دل پر ایسی چوٹ پڑی کہ کہنے لگا، میں مہمان خانے کو دوبارہ جاری کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ خاتون جب تک زندہ رہی اس علاقہ میں وہ مہمان خانہ اسی طرح جاری رہا۔

حضور اکرم ﷺ کی دعا:

میرے دوستو! انسان اللہ تعالیٰ کے راستے میں جتنا خرچ کریں گے اللہ تعالیٰ اتنا زیادہ عطا کریں گے۔ اس رزق کے فیصلے ہونے کی رات آج ہے۔ ان اوقات کو

غنیمت جان لیجئے۔ معلوم نہیں کہ آئندہ سال ہمیں شعبان اور رمضان تک پہنچنا نصیب بھی ہوگا یا نہیں ہوگا۔ نبی علیہ السلام دعا کیا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي رَجَبَ وَ شَعْبَانَ وَ بَلِّغْنَا اِلٰی رَمَضَانَ اے اللہ! ہمیں رجب اور شعبان میں برکت عطا فرما اور ہمیں رمضان تک پہنچا۔

ایک عجیب نکتہ:

دعا مانگنے کے بارے میں ایک نکتہ سمجھ لیجئے کہ جب ہم دعا مانگتے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں نیک بنا دے تو اس دعا کے مانگنے کا ایک فائدہ تو کم از کم یہ ہے کہ کل قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ پوچھیں گے کہ اے میرے بندے! تو نیک کیوں نہ بنا؟ تو وہ بندہ کہہ سکے گا کہ اے میرے پروردگار! میں آپ سے دعا تو مانگتا تھا۔ جب نامۂ اعمال میں دعا موجود ہوگی تو اللہ تعالیٰ اسی دعا کو عذر بنا کر اس بندے کی مغفرت فرمادیں گے کہ ہاں بھئی ہم سے دعا مانگتا تو تھا کہ اے اللہ، مجھے نیک بنا دے۔ اس لئے سب سے پہلی دعا یہ مانگئے کہ اے اللہ! مجھے نیک بنا دے۔

اللہ سے اللہ کا عشق مانگیے:

آج اللہ تعالیٰ سے دنیا کا مال مانگنے والے، خوبصورت بیوی مانگنے والے، دنیا کے عہدے مانگنے والے، صحت اور شہرت مانگنے والے بہت زیادہ ہیں مگر آج اللہ تعالیٰ سے اللہ تعالیٰ کو مانگنے والے بہت تھوڑے ہیں۔ کہیں ایسے چہرے نظر آتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لئے اداس پھر رہے ہوں؟ کیا ایسے نوجوان ہیں جو رات کے آخری پہر میں اٹھ کر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی ضربیں لگاتے ہوں؟ اس لئے آج اللہ تعالیٰ سے اس کا عشق مانگ لیجئے۔ اور زبان حال سے کہئے۔

تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
میری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

عشق الٰہی وہ نعمت ہے کہ جب بندے کو مل جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو دنیا کی سرداری عطا فرما دیتے ہیں۔

صلوۃ التسبیح پڑھنے کا طریقہ:

آج رات صلوۃ التسبیح پڑھیے۔ اس نماز میں چار رکعتیں ہیں اور ہر رکعت میں 75 مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَر پڑھا جاتا ہے۔ ہر رکعت میں 75 مرتبہ پڑھنے کی ترکیب یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد ثناء پڑھ کر یہ تسبیح 15 مرتبہ پڑھی جاتی ہے۔ پھر سورۃ فاتحہ پڑھی جاتی ہے۔ پھر کوئی سورۃ یا آیات ملائی جاتی ہیں پھر رکوع کرنے سے پہلے دس مرتبہ پڑھی جاتی ہے۔ پھر رکوع میں جا کر سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم پڑھنے کے بعد دس مرتبہ یہ تسبیح پڑھی جاتی ہے۔ پھر رکوع سے اٹھ کر قومہ میں دس مرتبہ یہ تسبیح پڑھی جاتی ہے۔ پھر پہلا سجدہ کیا جاتا ہے اس سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی پڑھ کر یہ تسبیح دس مرتبہ پڑھی جاتی ہے۔ پھر جب پہلے سجدے کے بعد اٹھ کر بیٹھتے ہیں اس وقت دس مرتبہ یہ تسبیح پڑھی جاتی ہے۔ پھر دوسرے سجدے میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی پڑھنے کے بعد دس مرتبہ یہ تسبیح پڑھی جاتی ہے۔ اس طرح ایک رکعت میں کل 75 مرتبہ یہ تسبیح پڑھی جاتی ہے۔ اور چار رکعتوں میں کل 300 مرتبہ ہو جاتی ہے۔ اگر کسی رکن میں پڑھنا بھول جائیں تو اگلے رکن میں اس کی تعداد پوری کر لی جائے۔ اور گننے کا طریقہ یہ ہے کہ جیسے ہاتھ باندھے کھڑے ہوں اسی حالت میں انگلیوں کے پورے دبا کر گنا جائے۔

صلوۃ التسبیح کی فضیلت :

صلوۃ التسبیح کی فضیلت کا تذکرہ کرتے ہوئے نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اس نماز کی اتنی برکت ہے کہ آدمی کو چاہئے کہ وہ روزانہ ایک مرتبہ پڑھے۔ اگر روزانہ نہیں پڑھ سکتا تو ہر جمعہ کے دن یعنی ہفتے میں ایک دن پڑھ لیا کرے۔ اگر ہفتے میں ایک دفعہ نہیں پڑھ سکتا تو مہینے میں ایک دفعہ پڑھ لیا کرے۔ اگر مہینے میں بھی ایک مرتبہ نہیں پڑھ سکتا تو سال میں ایک مرتبہ پڑھ لیا کرے۔ اور اگر سال میں بھی ایک مرتبہ نہیں پڑھ سکتا تو کم از کم زندگی میں ایک مرتبہ ضرور پڑھ لے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔

قبولیتِ دعا کا راز :

میرے دوستو! دعا دل کا عمل ہے، زبان سے تو فقط اظہار ہوتا ہے اس لئے دل سے گڑگڑا کر دعا مانگیں گے تو اللہ تعالیٰ ہماری دعاؤں کو ضرور قبول فرمائیں گے۔ ایک بزرگ جب مجمع میں دعا مانگتے تو فرماتے کہ ہماری دعا قبول ہو گئی۔ کسی نے کہا، حضرت! آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ہماری دعا قبول ہو گئی۔ آپ نے فرمایا، اتنا مجمع اگر کسی سخی کے دروازے پر چلا جائے اور اس سے جا کر وہ ایک چونی کا سوال کرے تو بتاؤ کہ وہ اتنے مجمع کو خالی ہاتھ بھیجے گا یا چونی دے کر بھیجے گا؟ اس نے کہا، حضرت! وہ خالی تو نہیں بھیجے گا، ایک چونی تو دے ہی دے گا۔ آپ نے فرمایا، اس دنیادار کا چونی دینا مشکل کام ہے اور پروردگار کے لئے ان سب کو معاف کر دینا آسان کام ہے۔

بخشش کا عجیب بہانہ :

اب ایک نکتہ سمجھئے کہ ہر بندے کی حفاظت کے لئے فرشتے متعین ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے، وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ

اعمال نامہ لکھنے والے محافظ فرشتے مقرر ہیں۔ یہ ادلتے بدلتے رہتے ہیں۔ مگر ایک بزرگ نے بڑی عجیب بات لکھی کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے خیر کا ارادہ کر لیتے ہیں تو اس کے گناہ لکھنے والے فرشتے کو تو نہیں بدلتے مگر نیکیاں لکھنے والے فرشتے کو بدلتے رہتے ہیں۔ گویا گناہ لکھنے والا فرشتہ وہی رہا اور نیکیاں لکھنے والے فرشتے بدلتے رہے۔ جب قیامت کے دن نامۂ اعمال کھلے گا تو گواہیاں دینے والے فرشتے دو طرح کے ہوں گے۔ گناہوں کی گواہیاں دینے والا فرشتہ ایک ہوگا اور نیکیوں کی گواہی دینے والے فرشتوں کی ایک جماعت ہو گی۔ اللہ تعالیٰ اسی بات کو بہانہ بنالیں گے کہ میں ایک کی بات مانوں یا جماعت کی بات مانوں۔ چنانچہ جماعت کی بات قبول کر کے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مغفرت فرمادیں گے۔

روز جزا کا مالک :

اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ میں قیامت کے دن کا منصف ہوں۔ بلکہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ فرمایا کہ میں روز جزا کا مالک ہوں۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ منصف خود بھی اصول کا پابند ہوتا ہے۔ کسی کی **Favour** (حمایت) کرنا اس کے لئے منع ہوتا ہے۔ لیکن جب کوئی مالک بن گیا تو اب اس کے پاس اختیار ہے کہ وہ جب چاہے، جس کو چاہے بخش دے، وہ گناہوں کو نیکیوں میں بدل دے تو پروردگار اس کا بھی حق رکھتا ہے۔ اور وہ کسی کی نیکیوں کو ٹھکرا دینے کا بھی حق رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ قیامت کے دن کا مالک ہے۔ جب ہمارا معاملہ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ سے ہے تو کیوں نہ ہم آج ہی اس مالک کو منالیں تاکہ وہ ہمارے گناہوں پر قلم پھیر دے اور ہمارے گناہوں کو ہماری نیکیوں میں بدل دے۔

آج کی رات اس حوالے سے بڑی اہم رات ہے اس لئے آج خصوصی دعائیں مانگئے۔ کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ آج کی رات میں ہمارے لئے خیر کے فیصلے فرمادے۔

وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

انسان کی چار بڑی غلطیاں

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى،اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُوْرًا ○سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ○وَالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○

منزل پر پہنچنے کی دو شرائط :-

• وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَ سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُوْرًا جو انسان آخرت کا ارادہ کرے اور اس کے لئے کوشش کرے جیسے کوشش کرنے کا حق ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی کوششوں کو قبول فرماتا ہے۔اور فرمایا کہ اِنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى مرد ہو یا عورت، میں تم میں سے کسی کے بھی کئے ہوئے عملوں کو ضائع نہیں کرتا۔ جب اللہ تعالیٰ اتنے قدردان ہیں تو انسان کو چاہئے کہ اپنا رخ سیدھا کر لے اور پھر عزم صمیم کے ساتھ قدم اٹھائے۔ کیونکہ کسی بھی منزل پر پہنچنے کے لئے ان دو چیزوں کا ہونا شرط ہے۔ اگر رخ ٹھیک نہ ہو تو انسان کبھی منزل پر نہیں پہنچ سکتا۔ اور اگر رخ تو ٹھیک ہو مگر انسان قدم ہی نہ اٹھائے، پھر بھی منزل پر نہیں پہنچ سکتا۔

انسان اور آزمائش :-

اگر انسانیت کی تاریخ پر غور کیا جائے تو یہ بات اظہر من الشمس ہوتی ہے کہ انسانیت کو کئی فتنوں اور آزمائشوں میں سے گزرنا پڑا۔ مختلف اوقات میں انسان کو مختلف فتنوں کا سامنا کرنا پڑا۔ آج جس دور میں ہم زندگی گزار رہے ہیں اس وقت انسان عام طور پر چار بڑی غلطیاں کر رہا ہے جن کی وجہ سے آج انسانیت پریشان نظر آ رہی ہے۔

پہلی غلطی

پہلی غلطی یہ ہے کہ انسان نے آخرت کو چھوڑ کر اس دنیا کو اپنی محنت کا میدان بنالیا ہے۔ اس کی توجہ آخرت سے ہٹ کر دنیا کی طرف زیادہ ہو رہی ہے۔ جبکہ دنیا ایک عارضی جگہ ہے، جہاں کی خوشی اور غم دونوں عارضی ہیں۔ ہم دنیا میں آخرت کی تیاری کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ اس لئے ہمیں چاہیئے کہ ہم آخرت کی تیاری کرتے رہیں۔ دنیا کی زندگی تو جیسے کیسے ہے گزر جائے گی۔

اے شمع تیری عمر طبعی ہے ایک رات
ہنس کر گزار دے یا کہ رو کر گزار دے

خوشی میں گزری تو بھی گزر گئی، غمی میں گزری تو بھی گزر گئی، چکنی چپڑی کھا کر گزری تو بھی گزر گئی روکھی سوکھی کھا کر گزری تو بھی گزر گئی۔ دیکھنا یہ ہے کہ آخرت بھی بنی ہے کہ نہیں بنی۔

کسی نے خوب کہا :

یہاں ایسے رہے کہ ویسے رہے
وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے

یہ بات تو سمجھ آتی ہے کہ جو انسان غریب ہے، جس کے گھر میں کھانے کو روٹی
نہیں اور فاقہ کی حالت میں ہے، وہ اضطراب کے عالم میں ہے، وہ تو دن رات دنیا کی
فکر میں لگا ہوا ہے۔ مگر ایک امیر آدمی کیوں اس کے پیچھے لگا ہوا ہے وہ بھی چوبیس گھنٹے
دنیا کی سوچ میں لگا رہتا ہے۔ حالانکہ وہ کروڑوں اور اربوں روپوں میں کھیلنے والا ہوتا
ہے۔

36ویں مل کا غم :-

ایک دفعہ ایک صاحب نے رات کے تین بجے مجھے فون کیا اور کہا، حضرت! میں
اس وقت بہت پریشان ہوں، رات کو سویا بھی نہیں ہوں، میں نے سوچا کہ آپ کا تہجد
کے لئے اٹھنے کا وقت ہو گیا ہے، میں آپ سے دعاؤں کے لئے کہوں گا۔ میں نے
پوچھا، بھئی! آپ کی پریشانی کی کیا وجہ ہے؟ کہنے لگا، میری 35 ملیں تو ہیں لیکن
صبح ایک نئی مل کے Shares (حصص) کھلنے ہیں، دعا کریں کہ اچھا کھل جائے۔
اب بتائیں کہ 35 ملیں ہونے کے بعد 36 ویں مل کا اس پر اتنا غم سوار ہے کہ اس کی
رات کی نیندیں اڑ گئیں۔ وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ آخرت کی جائے ہم نے
دنیا کو محنت کا میدان بنالیا ہے جس کی وجہ سے دلوں میں سکون نہیں ہے۔

انسان کے لالچ کی انتہاء :-

ہم جتنی بھی دنیا حاصل کرتے جائیں ہمارے دلوں کو کبھی اطمینان نہیں ملے گا۔
حدیث پاک میں آتا ہے کہ کسی کو ایک وادی سونے کی بنی ہوئی دے دی جائے تو وہ
تمنا کرے گا کہ ایک اور وادی مل جائے۔ اس کے بعد اور تمنا کرے گا۔ حتیٰ کہ پوری
دنیا سونے کی بنی ہوئی دے دیں تو تمنا کرے گا کہ اس کا بنانے والا بھی میں ہوتا۔

دنیا کے سونے اور چاندی میں یہ کیفیت نہیں ہے کہ یہ انسان کے پیٹ کو بھر سکیں۔
یاد رکھیں کہ انسان کا پیٹ دنیا میں کبھی نہیں بھر سکتا۔اسے تو فقط قبر کی مٹی بھرے
گی۔

دوسری غلطی

دوسری غلطی یہ کہ انسان نے روحانیت کی بجائے مادے کو اپنی محنت کا میدان بنا
لیا ہے۔ مغرب کی دنیا میں آج مادے پر اتنی محنت ہو رہی ہے کہ انسان سن کر حیران
رہ جاتا ہے۔

امریکہ میں مادے پر محنت کرنے والوں کی کثرت :-

جب ہم انجینئرنگ یونیورسٹی میں پڑھا کرتے تھے اس وقت اس یونیورسٹی میں تین
ہزار طلباء ہو گئے تھے۔ یونیورسٹی میں شور مچ گیا کہ تین ہزار طالب علم ہو گئے ہیں۔
جب کہ امریکہ کی ایک عام یونیورسٹی میں 75 ہزار طالب علم ہوتے ہیں۔ اگر کسی
یونیورسٹی میں پچاس ہزار طلباء ہو جائیں تو اسے بڑی یونیورسٹی نہیں سمجھا جاتا۔ اب
بتائیے کہ ایک ایک یونیورسٹی میں 75,75 ہزار طلباء پڑھ رہے ہیں اور یہ سب کے
سب مادے پر محنت کرنے والے ہیں، قرآن و حدیث پڑھنے والے نہیں۔

خلاء میں سبزیاں اگانا :-

وہاں مادی ترقی بہت عام ہو رہی ہے۔ واشنگٹن میں ایک میوزیم (عجائب گھر) بنا
ہوا ہے۔ وہاں پر ایک نیا پراجیکٹ شروع کر رہے ہیں کہ آئندہ سبزیاں زمین پر اگانے
کی بجائے خلاء میں اگائی جائیں گی۔ وہ کہتے ہیں کہ زمین کچھ اور اچھے مقاصد کے لئے

استعمال کریں گے۔ وہ سبزیاں اس عاجز نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ ایک کمرے میں انہوں نے خلاء پیدا کیا ہوا تھا اور اس میں سبزیاں اگائی ہوئی تھیں۔ اس کے لئے مٹی کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ مادے پر محنت کی وجہ سے انہوں نے مٹی کی بجائے فقط پانی کی بنیاد پر وہ سبزیاں اگالیں۔ اب سبزیاں خلاء میں اگا کریں گی، زمین پر آئیں گی اور ان کو انسان کھایا کریں گے۔

تربوز، ٹماٹر اور کھیرے پر محنت :-

آپ نے سرخ رنگ کا تربوز تو دیکھا ہوگا، اب انہوں نے پیلے رنگ کا بھی تربوز بنا لیا ہے۔ آپ نے بیج والے تربوز دیکھے ہوں گے، اب بغیر بیج کے تربوز بن گیا ہے۔ میں نے پہلی مرتبہ بغیر بیج کے تربوز کھایا تو حیران ہوا۔ پورے تربوز میں آپ کو شرطیہ طور پر ایک بیج بھی نہیں مل سکتا۔ نہ پکا بیج نہ کچا بیج، حتیٰ کہ بیج کا نشان بھی نہیں مل سکتا۔ اور میٹھا اتنا جتنا آپ کا دل چاہے۔ انہوں نے ٹماٹر ایک کلووزن کا بنالیا ہے۔ کھیرے چاہے جتنے سائز کے بنالیں۔ چاہیں تو چھوٹے اور چاہیں تو بڑے۔

گملے میں بڑ کا درخت :-

جاپان میں ایک گملے میں بڑ کا درخت اگایا گیا جس کی عمر اب ایک سو سال سے زیادہ ہو چکی ہے۔ اب اس کو دیکھیں تو ظاہراً اس کی حالت ایسی ہی ہے جیسے ایک سو سال پرانے درخت کی ہوتی ہے مگر اس کا سائز دو اڑھائی فٹ کے قریب ہے۔ ایک سو سال تک بڑ کے درخت کو گملے میں اگائے رکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ یہ مادے پر محنت کرنے کا نتیجہ ہے۔

گھاس کی صفیں :-

ہم لوگ گھاس لگاتے ہیں تو گھاس لگاتے ہوئے کئی دن لگ جاتے ہیں۔ لیکن وہاں گھاس کی صفیں ملتی ہیں۔ جیسے آپ مسجدوں کی صفیں لپیٹ کر رکھ دیتے ہیں ایسے ہی انہوں نے گھاس کی صفیں بنا کر رکھی ہوتی ہیں۔ جتنی جگہ پر گھاس لگانا ہے آپ اس میں صفیں بچھاتے جائیں اور پیچھے سے اس کو پانی کی پھوار دیتے جائیں، گھاس اگتا چلا جائے گا۔ اس طرح آپ ایک دن میں جتنے رقبے میں چاہیں گھاس اگا لیں۔

امریکہ میں ایک باغ کا منظر :-

امریکہ میں ایک باغ دیکھنے کا موقع ملا۔ ان کا دعویٰ ہے کہ پوری دنیا میں ہر پھول جو کہیں بھی اگتا ہے وہ ہم نے یہاں اس باغ میں اگایا ہوا ہے۔ ہم پہلے تو یہ بات سن کر بہت حیران ہوئے اور عقل اس بات کو ہرگز نہیں مانتی تھی کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ دنیا میں تو برف والے ملک بھی ہیں اور بعض ملکوں میں اتنی دھوپ نکلتی ہے کہ گویا آگ برس رہی ہو۔ اس طرح سرد اور گرم ملکوں کے پھولوں کو ایک ہی جگہ پر اگانا بہت مشکل ہے۔ لیکن وہاں جاکر عجیب منظر دیکھا کہ شیشوں کے کمرے بنے ہوئے تھے۔ بعض کمروں میں تو برف کی سی ٹھنڈک پیدا کی ہوئی تھی اور برفانی ملکوں کے پھول اگے ہوئے تھے اور بعض کمروں میں ہیٹر لگا کر اتنی گرمی کنٹرول کی ہوئی تھی جیسے گرمیوں کے موسم میں دوپہر کے وقت سخت دھوپ ہوتی ہے، وہاں پر گرم ممالک کے پودے لگائے ہوئے تھے۔

خلائی جہازوں میں سفر کی تیاری :-

اب یہ کوشش ہو رہی ہے کہ ہوائی جہازوں میں سفر کرنے کی بجائے خلائی

جہازوں میں سفر کیا جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہوائی جہاز میں سفر کرنے میں دیر لگ جاتی ہے۔ وہ دیر کیسی؟ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ...... اگر یہاں زمین میں اتنا گہرا سوراخ کیا جائے حتیٰ کہ زمین کی دوسری طرف نکل جائے تو وہ جس جگہ نکلے گا اس کا نام کیلیفورنیا ہوگا۔ کیلیفورنیا امریکہ کی ایک ریاست کا نام ہے۔ ہم کیلیفورنیا کی بالکل Opposite (مخالف) سمت میں زمین کے دوسرے کنارے پر ہیں۔ یہاں دن کے بارہ بجے ہوتے ہیں اور وہاں رات کے بارہ بجے ہوتے ہیں اور جب وہاں دن کے بارہ بجے ہوتے ہیں اس وقت یہاں رات کے بارہ بجے ہوتے ہیں۔ ایک آدمی اگر یہاں سے ہوائی جہاز پر بیٹھے تو وہ 22 گھنٹوں کے بعد کیلیفورنیا میں اتر رہا ہوتا ہے۔ گویا آدھی دنیا کا سفر آج انسان 22 گھنٹوں میں کر رہا ہے۔ .... اب وہ یہ کہتے ہیں کہ اس طرح بہت زیادہ دیر لگتی ہے، یہ سفر اس سے بھی جلدی ہونا چاہئے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہوائی جہاز تو ہوا میں چلتا ہے اور ہوا میں چلتے ہوئے جہاز کی سپیڈ 500 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے زیادہ نہیں بڑھائی جا سکتی، کیونکہ ہوا ہوتی ہے۔ اور اگر رفتار اس سے زیادہ بڑھائی جائے تو اس کے اوپر کی Body (جسامت) کا ٹمپریچر بڑھ جاتا ہے۔ لہٰذا اب اس کی سپیڈ تو بڑھا نہیں سکتے اس لئے اب اس کی جگہ خلاء میں جہاز چلانے کا پروگرام بنا رہے ہیں جہاں انسان کا وزن ہی نہیں ہوتا۔ وہاں آپ پچاس ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے بھی چلیں تو آپ کو پتہ ہی نہیں چلے گا۔ کیونکہ وہاں کشش ثقل ہی نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ کہتے ہیں کہ وقت اتنا لگنا چاہئے کہ یہاں سے چلیں، خلاء میں پہنچیں اور پھر خلاء میں دو منٹ کے اندر دنیا کے جس کونے میں جانا چاہیں پہنچ جائیں اور وہاں جا کر پھر نیچے اتر جائیں۔ اس طرح آنے والے وقت میں دنیا کے ملک دنیا کے محلے بن جائیں گے۔ اس لئے آج کتابوں میں دنیا کو Global village (عالمی

گاؤں) لکھنا شروع کر دیا گیا ہے۔

تسخیر کائنات :-

انسان تو خلاء میں Blake Holes (بلیک ہولز) بھی دریافت کر چکا ہے جو شہاب ثاقب کو اپنا ایک ہی لقمہ بنا لیتے ہیں۔ بلکہ وہ کہتے ہیں کہ اب تو ہم مریخ پر جا رہے ہیں۔ اور واقعی آپ آئندہ چند سالوں میں سنیں گے کہ انسان نے مریخ پر قدم ٹکا لیا ہے۔ اس کے بعد وہ نئی سے نئی دنیائیں دریافت کرنے کی کوشش کریں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ خود تسخیر کائنات کا درس دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ سَخَّرَلَكُمْ تمہارے لئے مسخر کر دیا گیا ہے مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ یہ سورج، چاند، ستارے، ثریا اور کہکشائیں آسمان اور زمین کے درمیان ہی تو ہیں۔ جن کی طرف انسان پیش قدمی کر چکا ہے۔ لیکن افسوس کہ انسان نے فقط انہی مادی چیزوں کو اپنی محنت کا میدان بنا لیا ہے اور روحانیت کے درس کو بھول گیا ہے۔

تیسری غلطی

تیسری غلطی یہ ہے کہ انسان نے اپنے من کو چھوڑ کر اپنے تن کو محنت کا میدان بنا لیا ہے۔ آج ہمیں جتنی فکر اپنے ظاہر کی ہے اس سے زیادہ اپنے باطن کو سنوارنے کی فکر ہونی چاہئے۔ ہمارے چہرے پر ذرا سی کوئی چیز لگی ہوئی ہو تو ہم لوگوں میں جانا تو پسند نہیں کرتے لیکن دل پر میل چڑھی ہوئی ہوتی ہے اور ہم اسی حالت میں اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچ جاتے ہیں۔ ہمیں پرواہ ہی نہیں ہوتی کہ وہ مالک الملک ہمیں کیا کہے گا۔

جس چہرے کو دنیا دیکھتی ہے اس چہرے کو سنوارنے کیلئے ہم دن میں کئی مرتبہ آئینہ دیکھتے ہیں اور جس چہرے کو اس مالک الملک نے دیکھنا ہوتا ہے اس کو آئینے میں ایک دفعہ بھی نہیں دیکھتے۔

منہ دیکھ لیا آئینے میں پر داغ نہ دیکھے سینے میں
جی ایسا لگایا جینے میں مرنے کو مسلمان بھول گئے

ہمیں دل کے آئینے کو چمکانے کی ضرورت ہے حدیث پاک میں آتا ہے اِنَّ اللّٰہ لاَ یَنْظُرُ اِلٰی اَجْسَامِکُمْ وَلاَ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَ اَعْمَالِکُمْس بے شک اللہ تعالی تمہارے جسموں کو اور شکل و صورت کو نہیں دیکھتے، بلکہ وہ تو تمہارے دلوں کو اور تمہارے اعمال کو دیکھتے ہیں۔ اس لئے وہ چہرہ جو دنیا دیکھتی ہے اس کو دن میں اگر کئی مرتبہ دیکھتے ہیں تو جس چہرے کو ہمارا پروردگار دیکھتا ہے۔ ہم اس چہرے کو بھی اپنے ضمیر کے آئینے میں تھوڑی دیر کیلئے بیٹھ کر دیکھا کریں کہ یہ انسانوں والا چہرہ ہے یا حیوانوں والا۔

بھرے بازار میں کتے، بلے اور خنزیر :

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ ایک مرتبہ بازار سے گزر رہے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک صاحب نظر بزرگ بازار سے گزر رہے تھے۔ ان کے چہرے کی نورانیت بتاتی تھی کہ وہ صاحب نظر ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کے قریب ہو کر سلام کیا۔ انہوں نے مجھے دیکھتے ہی پہچان لیا اور فرمایا کہ ''احمد علی! انسان کہاں بستے ہیں؟'' کہنے لگے کہ میں گھبرا گیا کہ حسرت نے کیسا سوال پوچھا ہے۔ میں نے کہا، حضرت! یہ سب انسان ہی تو ہیں۔ انہوں نے بڑی اجنبیت کی سی نظر لوگوں پر ڈالی اور حسرت بھرے لہجے میں فرمایا، یہ سب انسان ہیں۔ ان کی بات میں ایسی تاثیر تھی

کہ یہ سن کر میرے دل کی کیفیت بدل گئی اور میں نے تھوڑی دیر کیلئے بازار پر نظر ڈالی تو مجھے پورا بازار کتے، بلے اور خنزیروں سے بھرا ہوا نظر آیا۔ جب میری یہ کیفیت ختم ہوئی تو میں نے دیکھا کہ وہ بزرگ غائب ہو چکے تھے۔

حضرتؒ یہ واقعہ درس قرآن میں خود سنایا کرتے تھے اور فرماتے تھے، لوگو!

مالک تو سب کا ایک مگر مالک کا کوئی ایک
اور واقعی
لاکھوں میں نہ ملے گا کروڑوں میں تو دیکھ

من کا اندھیرا :-

دنیا آج تحقیقات میں پڑی ہوئی ہے لیکن اسے اپنے اندر کی تحقیق کا پتہ نہیں۔ اس لئے صبح اٹھتے ہیں تو جتنی فکر اخبار پڑھنے کی ہوتی ہے اتنی مراقبہ کرنے کی فکر نہیں ہوتی۔ دنیا جہان کی خبریں معلوم کرنے کا شوق تو ہوتا ہے مگر اپنے اندر کی دنیا کو دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ساری دنیا کو قمقموں سے روشن کرنے والا انسان آج اپنے من میں اندھیرا لیے پھرتا ہے۔ کسی شاعر نے کیا ہی اچھی بات کہی :

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

ایک اور شاعر نے کہا :

جس قدر تسخیر خورشید و قمر ہوتی گئی
زندگی تاریک سے تاریک تر ہوتی گئی

کائنات ماہ و انجم دیکھنے کے شوق میں
اپنی دنیا سے یہ دنیا بے خبر ہوتی گئی

چوتھی غلطی

چوتھی غلطی یہ ہے کہ انسان نے اپنے دل کو چھوڑ کر اپنی عقل کو محنت کا میدان بنا لیا ہے۔ سائنس، ٹیکنالوجی، کمپیوٹر اور باقی تمام علوم جن کا تعلق انسان کے دماغ کے ساتھ ہے ان تمام علوم کا مرکز و محور عقل ہے۔ آج دنیا میں ان علوم کا طوطی بول رہا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ عقل پر محنت ہو رہی ہے۔ لیکن عقل ایک کمزور بنیاد ہے۔ علامہ اقبال نے کہا،

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے
عشق بیچارہ نہ واعظ ہے نہ زاہد نہ خطیب

دل پر محنت کرنے کی وجہ :-

انسان کو عقل کی بجائے دل پر محنت کرنی چاہئے تھی کیونکہ عقل دل کے تابع ہے، ارادے بھی دل میں اٹھتے ہیں، خواہشات بھی دل میں پیدا ہوتی ہیں اور عقل ان خواہشات کو پورا کرنے کی ترکیب بتاتی ہے۔ انبیائے کرامؑ نے انسان کے دل کو محنت کا میدان بنایا۔

دیکھیں، محبت کا جذبہ کہاں پیدا ہوتا ہے ؟ دل میں۔ نفرت کہاں ہوتی ہے ؟ دل میں۔ انتقام کی آگ کہاں بھڑکتی ہے ؟ دل میں۔ گویا تمناؤں کا مرکز و محور انسان کا دل ہوتا ہے۔ دل میں جس طرح کے جذبات ہونگے ویسی ہی انسان کے دماغ کی

کیفیت ہو گی۔ دل میں نفرت ہو تو انسان کا دماغ اس کے بارے میں غلط سوچنا شروع کر دیتا ہے۔ اور جب دل میں محبت ہوتی ہے تو آنکھوں پر ایسی پٹی بندھ جاتی ہے کہ انسان کو اپنے محبوب میں کوئی برائی نظر نہیں آتی۔ لہٰذا انسان کے دل پر محنت کرنا نہایت ضروری ہے۔ قرآن پاک اس پر گواہی دیتا ہے۔ فرمایا **لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَا** اے کاش! ان کے دل ہوتے جو انہیں عقل سکھاتے۔ **اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا** ان کے کان ہوتے جن سے وہ ہدایت کی بات سنتے۔ **فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ** بے شک آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں **وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ** بلکہ سینوں کے اندر دل اندھے ہوتے ہیں۔

کیلیفورنیا میں چوری :-

امریکہ کی ایک ریاست کیلیفورنیا ہے۔ اس کا رقبہ اور آبادی سعودی عرب کے رقبے اور آبادی کے برابر ہے۔ اس ریاست کے باشندے کا جو معیار زندگی ہے وہ بھی تقریباً سعودی عرب کے آدمی کے معیار برابر ہوگا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ کیلیفورنیا میں صرف چوری کو روکنے کے لئے اتنا بجٹ خرچ کیا جاتا ہے کہ وہ پاکستان کے بجٹ سے دس گنا زیادہ ہوتا ہے۔ کیا ایسی قوم کو تعلیم یافتہ اور مہذب، قوم کہا جا سکتا ہے ؟ ہرگز نہیں، کیونکہ ان کو خشیت الٰہی نے نہیں بلکہ ان کو وڈیو کیمروں نے روکا ہوا ہے۔ انہیں پتہ ہوتا ہے کہ پولیس والے کیمرے سے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ چند منٹ کے لئے وہاں بجلی بند ہوئی تو کئی ارب ڈالر کا مال ان تعلیم یافتہ لوگوں نے چوری کر لیا۔ معلوم یہ ہوا کہ دل نہیں بدلے۔ فقط ڈنڈے کے زور پر ان کو قابو کیا ہوا ہے۔

اسلامی تعلیمات کا حسن :-

نبی اکرم ﷺ نے ہمیں جو نظام زندگی دیا وہ کوئی اور تھا۔ وہ نظام تو انسان کے دل کو ایسا بدل دیتا ہے کہ محفل ہو یا تنہائی، کسی کی پڑی ہوئی چیز کو آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہی نہیں۔ حتی کہ اگر راستوں میں کمبل گرتے تو وہ پڑے پڑے مٹی بن جاتے تھے لیکن مسلمانوں کی نظر اس پر نہیں پڑتی تھی۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اس وقت اگرچہ دنیا کا کوئی آدمی نہیں دیکھ رہا مگر پروردگار تو دیکھ رہا ہے۔ اسلامی تعلیمات کا یہی تو حسن ہے۔

لمحہ ء فکریہ :-

میرے دوستو! آپ ایسے لوگ بہت تھوڑے دیکھیں گے جو اس لئے حیران و پریشان ہونگے کہ آج ہمارے دل کی حالت اچھی نہیں ہے، ہمارے دل میں غلط خیالات کیوں آتے ہیں، ہمارے دل میں گناہوں کے جذبے کیوں پیدا ہوتے ہیں، ہمارے دلوں میں ایمان حقیقی کا جو لطف آنا چاہئے تھا وہ کیوں نہیں آرہا۔ لہٰذا اپنی توجہ کا قبلہ ٹھیک کرنے کی ضرورت ہے...... جب وہ دن آگیا کہ جب ہم نے دنیا کی بجائے آخرت پر محنت کرنا شروع کردی، مادے کی بجائے روحانیت پر محنت کرنا شروع کردی، تن کی بجائے اپنے من پر محنت کرنا شروع کردی اور عقل کی بجائے دل پر محنت کرنا شروع کردی تو پھر ہماری توجہ کا قبلہ ٹھیک ہو جائے گا اور جو قدم بھی اٹھے گا وہ ہمیں منزل کے قریب سے قریب تر کردے گا۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہمیں آخرت کی فکر نصیب فرمادیں اور جب دنیا سے

جانے لگیں تو صدا آرہی ہو، یٰاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ٥ اِرْجِعِیۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ٥ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ٥

(آمین ثم آمین)

وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ٥